سِلسلۂ مطبوعات انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) نمبر ۱۳۷

سفرنامہ

P. G.

(حکیم) ناصِر خسرو

مترجمہ

مولوی محمد عبدالرّزاق کانپوری

شایع کردہ

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند)، دہلی

سنہ ۱۹۴۱ء

دلّی پرنٹنگ ورکس دہلی   قیمت (عہ)

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) نمبر ۱۳۷

سفرنامہ

(حکیم) ناصر خسرو

مترجمہ

مولوی محمد عبدالرزاق، کانپوری

شائع کردہ

انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی

۱۹۴۱ء

فہرست مضامین

متن

حواشی

ل

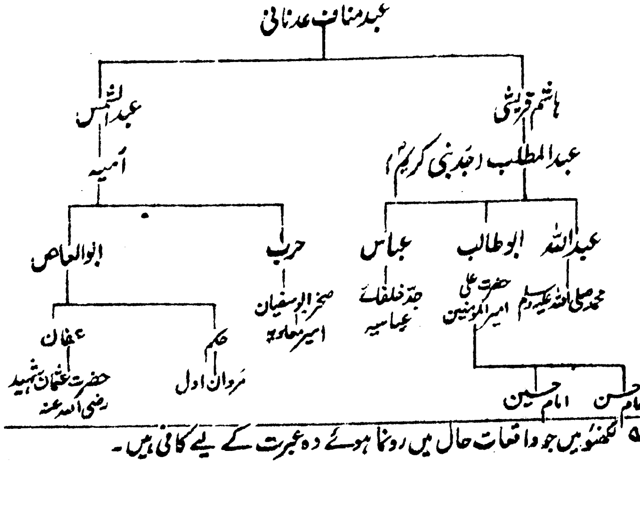
دن تھا کہ شیعیت اور سنیت کی بنیاد پڑی جس کی ہنگامہ آرائیاں آج تک جاری ہیں۔[۵۱]

۲۔ بنو امیہ کا عروج وزوال

امیر معاویہ عہد رسالت کے تربیت یافتہ اور عدیم النظیر مدبر تھے۔ لہٰذا انھوں نے چند ہی سال (۴۱ھ/۶۶۱ء) آغاز حکومت میں ایک زبردست سلطنت مشرق میں قایم کرکے دمشق کو دارالخلافۃ بنایا اور رحلت کے وقت اپنے نااہل بیٹے یزید کو حکمراں کر گئے جو منظور شدہ ولیعہد تھا اور اسلامی خلافت میں ولی عہدی کی بدعت کو سب سے پہلے جاری کیا۔ اور انتخاب خلیفہ کا قانون منسوخ ہو گیا۔ اور یزید ہی کے زمانے سے خلافت راشدہ دنیاوی سلطنت میں تبدیل ہو گئی اور خلیفہ یا امیر المومنین کا خطاب بھی بادشاہ یا سلطان کا مترادف بن گیا۔ اور خلافت کی حقیقی شان فنا ہو گئی۔ ہشام بن عبدالملک کے عہد (۱۲۵ھ/۷۴۲ء) تک اموی سلطنت بڑے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ لیکن آل عباس اور شیعان علی (سادات) بھی حکومت امویہ کی بربادی کی تدابیر میں مصروف رہے۔ جس کا بہت جلد ظہور ہوا۔

(متعلقہ حاشیہ ۵۱ صفحہ ۴۸)

ہاشم اور امیہ کا شجرۂ نسب یہ ہے۔



---

[۵۲] لکھنؤ میں جو واقعات حال میں رونما ہوئے وہ عبرت کے لیے کافی ہیں۔

گاہے بہ نشیبے شدہ ام گوشہ ماہی — گاہے بسر کوہے بر تر زدد پیکر
گاہے بزمینے کہ در و آب چو مرمر — گاہے بہ جہانے کہ در و کاخ چو اخگر
گہ دریا گہہ بالا از رفتن بے راہ — گہ کوہ و گہے ریگ و گہے جوے و گہے جبر
گہ حبل بگردن بر مانند شتربان — گہ بار بہ پشت اندر مانندہ اشتر
پرسیدہ ہمی رفتم ازیں شہر بداں شہر — جوئیندہ ہمی گشتم ازیں بحر بداں بر

"میں انھیں خیالات میں محو تھا کہ تلاوت قرآن کرتے ہوئے ایک دن آیت (بیعت رضوان) پر نظر جا پڑی چنانچہ بیعت کی نیت سے اُسی وقت سفر کو نکل کھڑا ہوا۔ یہ عجیب اضطراری سفر تھا اُس وقت مجھے نہ تو اپنا مکان یاد آیا (جو مرو میں تھا)، نہ باغ و پارک کا خیال تھا، صرف یہی اک دُھن تھی کہ جو خیال دماغ میں بسا ہوا ہے، اس کی تحقیقات کروں اس خیال سے دوران سفر میں پارسی، عربی، ہندی، سندھی، رومی، عبری، فلسفی مانوی صابی اور دہری سے جو کوئی بھی ملا اُس سے اظہار خیال کیا اور مکرر سوالات کیے گیے۔ (لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا) اس سفر میں مجھے بڑی تکلیف اٹھانا پڑی اکثر پتھروں کے بستر پر سُویا، پتھر ہی کا تکیہ سرھانے رکھا اور خیمے اور چادر کا کام بدلی (ابر) سے لیتا رہا۔ انتہائی نشیبی زمین پر بھی چلنا پڑا، کبھی ایسی پہاڑ کی چوٹیوں سے گزرا جس کی بلندی برج جوزا کی رفعت سے بھی کہیں زیادہ تھی اور ایسی منزلیں بھی طے کرنا پڑیں کہ جہاں سمندر کا پانی یخ ہو کر سنگ مرمر بن گیا تھا اور بعض ایسے گرم مقام آئے جہاں مکان کرۂ نار بن جاتا تھا۔ دریا بھی عبور کیے، ایسی بلندیوں پر چلنا پڑا کہ جہاں راستہ مفقود تھا۔ علاوہ بریں راستے میں پہاڑ، ریگستان اور دریاؤں کا مد و جزر بھی دیکھا۔ کبھی شتربانوں

کی طرح رسّی میری گردن میں بھی اور کبھی پیٹھ پر اونٹ کا سا بوجھ لدا ہوا تھا لیکن باوجود ان مصایب کے دریا اور خشکی کا سفر بدستور جاری رہا اور علمی مسایل کی تلاش اور تحقیقات بھی ہوتی رہی[1]"۔۔۔۔ اس کے بعد ناصر کہتا ہو کہ دوران سفر میں بعض اہلِ علم سے مذہبی گفتگو بھی ہوئی مثلاً :-

گفتند کہ موضوع شریعت نہ بعقل است — زیرا کہ بہ شمشیر شد اسلام مقرر

گفتم کہ نماز از چہ بر اطفال و مجانین — واجب نہ شود تا نشود عقل مخبر

تقلید نہ پذرفتم و حجت نہ نہفتم — زیرا کہ نشد حق بہ تقلید مشہر

ایزد چو بخواہد کہ کشاید در رحمت — دشواری آساں شود و صعب میسر

"کسی نے یہ بھی کہا کہ شریعت کو عقل سے کوئی واسطہ نہیں اور دلیل یہ پیش کی گئی کہ اسلام بزور تلوار پھیلایا گیا ہو[2]۔

میں نے جواباً کہا کہ اگر شرع کا تعلق عقل سے نہ ہوتا تو بچے اور دیوانے کبھی نماز سے معاف نہ کیے جاتے۔

بہرحال میں نے محض تقلید کی بنیاد پر اس اعتراض کو تسلیم نہیں کیا بلکہ میں دلایل اور مباحثے پر قایم رہا کیونکہ سچا مذہب تقلید سے حاصل نہیں ہوتا ہو اور یہ امر واقعہ ہو کہ خدا کی رحمت سے جملہ مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔"

الغرض ناصر! خدا خدا کر کے منزل مقصود (قاہرہ) تک پہنچ گیا اور اس کے بعد جو واقعات پیش آئے اُس کو ناصر نے اشارے اور کنایے میں

---

[1] سفر نامے سے کل مقامات کی تصدیق ہوتی ہو۔

[2] محمود غزنوی اور سلجوقیوں پر تعریض ہو جنھوں نے بزور تلوار فتوحات کی ہیں۔

بیان کیا ہے۔ لیکن ہر شعر میں ایک خاص واقعے کی تصویر کھینچی ہے اور تقریباً مذہب اسمٰعیلیہ کے اہم مضامین آگئے ہیں۔ اب اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

روزے برسیدم بدر شہرے کانرا — اجرام فلک بندہ بد آفاق مسخر
شہریکہ ہمہ باغ پر از میوہ پر از گل — دیوار مزین ہمہ و خاک مشجر
شہریکہ من آنجا چو رسیدم خردم گفت — اینجا بہ طلب حاجت و زین منزل مگذر
رفتم بر دربانش و گفتم سخن خویش — گفتا مبر انده کہ بشد کانت گوہر
گفتم کہ مرا نفس ضعیف است و نزند است — منگر بدرستی تن و این گونہ اصفر
دارو نخورم ہرگز بے حجت و برہان — وز درد نیندیشم و ننیوشم منکر
گفتا مبر اندوہ من اینجائے طبیبم — بر من بکن آں علت مشروح و مفسر
از اول و آخرش بپرسیدم و آنگاہ — از علت تدبیر کہ ہست اصل مدبر
از جنس بپرسیدم و از صنعت و صورت — وز قادر پرسیدم و تقدیر و مقدر
از حال رسولان و رسولات مخالف — وز علت تحریم دم و خمر مخمر
آنگاہ بپرسیدم از ارکان شریعت — کاین پنج نماز از چہ سبب گشت مسطر
وز روزہ کہ فرمودش ماہ نہم از سال — از حال زکات درم و زر مدور
وز خمس پی عشر چنوی کہ دہند آن — این از چہ مخمس شد و آن از چہ معشر
وز علت میراث و تفاوت کہ درو ہست — چوں بود برادر یکے و نیمے خواہر
وز قسمت ارزاق بپرسیدم و گفتم — چون ہست غنی زاہد و بے رنج ستمگر
گفتا بدہم داروے با حجت و برہاں — لیکن بہ نہم مہرے محکم بلب بر
راضی شدم و مہر بکرد آنگہ دارو — ہر روز بتدریج ہمی داد مزور
از خاک مرا بر فلک آورد چو یاقوت — چوں خاک بدم ہستم امروز معنبر
دستم بکف دست نبی داد بہ بیعت — زیر شجر عالی پر سایہ مثمر

از رشک ہمی نام نگویمش دریں شعر — گویم کہ چنیں ہست کشش افلاطون جاکر
مانندہ وہم گو نہ جد و پدر خویش — در صدر چو پیمبر و در حرب چو حیدر
در پیش تو استادہ درین جامہ پشمیں — این کالبد لاغر با گونہ اصفر
حقا کہ بجز دست تو بر لب نہ نہادم — جز بر حجر اسود و بر خاک پیمبر

ہر جا کہ بوم تا بزیم من گہ و بیگاہ
بر شکر تو رانم قلم و محبر و دفتر

(دیوان صفحہ ۱۳۴-۱۳۸)

ناصر کہتا ہے کہ "جب میری دشوار گزار منزلیں ختم ہوگئیں تو میں ایک ایسے شہر میں داخل ہوا۔ جس کے خادم نہ صرف اجرام فلکی تھے بلکہ ساری دُنیا تابع فرمان تھی۔ یہ ایسا شہر تھا۔ جس کے باغ میوے اور پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ شہر کی دیواریں خوبصورت اور زمین منجر (وہ کپڑا جس پر درختوں کے نقش و نگار ہوں) تھی۔

جب میں اس شہر میں پہنچ گیا تو عقل نے کہا کہ اب یہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ اسی جگہ مقصد برآری ہوگی۔ اس کے بعد میں شہر کے دربان (امام وقت مستنصر باللہ مراد ہے) کے پاس گیا اور اپنا مدعا بیان کیا اس نے مجھے اطمینان دلایا اور فرمایا کہ "اب رنج نہ کرو تم کو گوہر مقصود مل گیا"۔ میں نے عرض کیا کہ میرا نفس کمزور اور ذلیل ہے لہذا میری صحت جسمانی اور رنگ کی زردی پر کچھ خیال نہ کیا جائے اور باوجود علالت میں بغیر بحث و حجت کے ہرگز کوئی دوا استعمال نہ کرونگا مجھے اپنے درد کی کوئی فکر نہیں ہے اور میں شرع کے خلاف بھی کوئی بات نہ سنونگا۔ یہ سنکر ارشاد ہوا کہ "ناصر! اب غم نہ کر میں طبیب ہوں مجھ سے اپنی بیماری کا حال تفصیل

سے بیان کر۔" چنانچہ میں نے اول سے آخر تک سوال کیے اور ہر مرض کا علاج بھی دریافت کیا۔ میں نے علت و معلول، جنس، صنعت و صورت، قادر و تقدیر، اور ارکان شریعت کی تفصیل اور الفاظ مذکور کے معنے پوچھے اور یہ بھی سوال کیا کہ نماز پنجگانہ کیوں فرض کی گئی ہے۔ اس کے بعد روزے اور زکات کی فرضیت کا سوال کیا اور مسئلہ زکوٰۃ میں یہ بھی پوچھا کہ آمدنی سے عشر (دسواں حصہ) اور خمس (پانچواں حصہ) کی جو رقم برآمد کی جاتی ہے۔ اس کی تخصیص کیوں ہے۔؟

علم الفرائض (تقسیم مال مردہ) میں یہ الجھن تھی کہ تقسیم ترکہ میں بھائی کے مقابلے میں بہن کا حصہ نصف کیوں مقرر کیا گیا اور انسان کو خدا کی طرف سے جو رزق ملتا ہے، اس میں یہ پریشانی تھی کہ زاہد ہمیشہ تکلیف اٹھاتا ہے۔ اور ظالم آرام سے رہتا ہے۔ خدا نے تقسیم رزق میں مساوات کا قانون کس لئے نہیں جاری کیا[1]؟ میری یہ تقریر سنکر طبیب نے جواب دیا کہ "میں تیرا باضابطہ (دلایل کے ساتھ)، علاج کرونگا، مگر شرط یہ ہے کہ تیرے لب پر مضبوط مہر لگائی جائے گی (حلف رازداری مراد ہے) میں نے رضامندی ظاہر کی تو لبوں پر مہر لگائی گئی، علاج شروع ہوا، اور مجھ بیمار کو آہستہ آہستہ وہ غذائیں دی گئیں جو مرغوب خاطر تھیں اس علاج نے میری مشت خاک کو یاقوت کی طرح مجلی کر دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام کے ہاتھ پر میں نے بیعت کی اور گویا یہ بیعت رسول تھی، جو درختوں کے سایہ میں کی گئی (بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے) امام کا نام بھی میں رشک کی وجہ سے لینا نہیں چاہتا ہوں۔ صرف اس قدر کہتا ہوں کہ حکیم افلاطون اس کا ایک ادنیٰ چاکر ہے۔

---

[1] یہ جملہ مسایل وہ ہیں جن کے مخفی مطالب صرف امام بتا سکتا تھا۔ اور جس کا نام باطنیہ کی اصطلاح میں تاویل شریعت ہے۔

اور وہ امام صورت اور حسن و جمال میں اپنے دادا، اور باپ سے مشابہ ہے۔ مجلس میں جب وہ صدارت کرتا ہے تو اس میں شان پیغمبر اور میدانِ کارزار میں حیدر کرار کا جلوہ نظر آتا ہے۔

اب میں موٹے کپڑے پہنے ہوئے (نحیف جسم اور زرد رنگ میں) تیرے سامنے کھڑا ہوں اور (خدا کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ حجر اسود اور مزار نبوی کے بعد تیرے ہاتھ کا بوسہ لیا ہے۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا اور جہاں کہیں بھی رہونگا تیری شکرگزاری میں میرا قلم چلتا رہے گا۔"

خدا کا شکر ہے کہ ناصر کی سیرت کا سب سے اہم بالشان اور مخفی کارنامہ مل گیا اور وہ قاہرہ کی مذہبی تعلیم و تربیت ہے جس کو اُس نے خود اپنے ہی قلم سے لکھا ہے۔ چنانچہ دو سال کی مذہبی تعلیم کے بعد وہ قاہرہ سے رخصت ہوا اور امیر المومنین مستنصر باللہ نے اس کو داعی الکبیر اور حجت کا منصب عطا کرکے خراسان کو رخصت کیا کہ وہ اِس صوبے میں مذہب اسمٰعیلی (فاطمیہ یا باطنیہ) کی تبلیغ کرتا رہے۔

اس قصیدے میں ناصر نے امام کا نام مخفی رکھا ہے، البتہ دوسرے قصاید میں نام کا اعلان کیا ہے اور اس موقع پر نام کا ظاہر نہ کرنا شاید اُس حلف کا نتیجہ ہوگا جو ناصر سے بیعت کے وقت لی گئی تھی اور جس میں اُس نے اسمٰعیلی مشن کے تمام رازوں کو پوشیدہ رکھنے کا عہد کیا تھا۔

قاہرہ میں غالباً اس کو خواجہ موید نے بھی مذہبی تعلیم دی جس کا ایک قصیدے میں اتفاقیہ نام آگیا ہے۔

که کرد از خاطر خواجہ موید　　　در حکمت کشادہ بر تو یزداں

بپرسیدم زخواجہ شرح ایں حال | سر قصہ مرا بنمود پایاں!
مرا گفت ایں خدا وند زمان است | کہ بگزیدش خدا از انس واز جاں

دیوان صفحہ ۲۳-۲۲ -

۱۱۔ سیاحت مصر سے قبل ناصر کا مذہب کیا تھا

ناصر کا سیاحت مصر سے قبل کیا مذہب تھا؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

مجمع الفصحا کی روایت ہے کہ وہ اثنا عشری شیعہ تھا اور اس کے نزدیک یہی مذہب حق تھا لیکن سفرنامے کی عبارتیں اس کے خلاف ہیں۔ حالات شام (طبریہ) میں لکھتا ہے۔

گور ابی ہریرہ آنجا ست، بیرون شہر در جانب قبلہ، اما کسے آنجا بزیارت نتواند رفتن کہ مردمان ایں جا شیعہ باشند وچوں کسے آنجا بزیارت رود کودکاں غوغا وغلبہ بسر آنکس برند وزحمت دہند وسنگ اندازند ازیں سبب من نتوانستم زیارت آں کردن۔"

حالات طرابلس میں تحریر ہے۔

مردم این شہر ہمہ شیعہ باشند وشیعہ بہر بلاد مساجد نیکو ساختہ اند وآنجا خانہ ہا ساختنہ، بر مثال رباطہا اما کسے در آنجا مقام نمے کند وآنرا مشہد خوانند۔

حالات بصرہ میں لکھتا ہے۔ در بصرہ بنام امیر المومنین علی سیزدہ مشہد است یکے از آں مشہد بنی مازن۔ وعائشہ رضی اللہ عنہا بحرب آمدہ بود۔

۲۔ان عبارتوں کو پڑھکر کون کہ سکتا ہی۔کہ ناصر شیعہ تھا، البتہ قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی مشہور کتاب مجالس المومنین میں ناصر کے بیٹے خواجہ معین الدین کی نسبت بصراحت لکھا ہی کہ وہ شیعہ تھا اور ملک شاہ سلجوقی کے دفتر انشا میں ملازم تھا لیکن اُس نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔بلکہ آزادی سے مذہبی ارکان ادا کرتا رہا۔

قاضی صاحب نے تعجب ہی کہ ناصر کے مذہب پر خامہ فرسائی نہیں کی ورنہ مجالس المومنین میں اہل سنت وجماعت کے مشہور ائمہ بھی خلعت تشیع سے محروم نہیں رہے ہیں ان کے نزدیک امام غزالی بھی شیعہ تھے۔

بعض صحاب کہہ سکتے ہیں کہ سلاطین سلجوقیہ حنفی مذہب رکھتے تھے لہذا ناصر نے تقیہ کرلیا ہوگا؛ لیکن ناصر جیسے استباز حکیم وفلسفی سے یہ امید نہیں ہی کہ وہ اس جرم کا مرتکب ہوا ہو کیونکہ تقیہ نفس کا ایک فریب ہی اور اخلاقی جرأت کے بھی خلاف ہی۔حقیقت یہ ہی کہ واپسیٔ مصر کے بعد ناصر نہ حنفی تھا نہ خالص شیعی بلکہ وہ ٹھیٹ باطنی تھا اور وہ اس مذہب کو برحق سمجھتا تھا۔اور قبول مذہب میں ہر انسان آزاد ہی، سائیکلو پیڈیا کی روایت ہی کہ ناصر کے ابتدائی تیس۳۰ سال حنفیت میں گزرے تھے۔لہذا ناصر پر تبدیلیٔ مذہب کی فرد جرم لگانا خلاف قانون ہی۔اس مختصر تمہید کے بعد اب ناصر کے اجزائے مذہب کی تشریح کی جاتی ہی جس سے دیوان مالا مال ہی۔

۳۔تنزیل و تاویل

فرقۂ باطینہ کا سب سے بڑا اور اہم اصول یہی ہی۔کہ قرآن کی اصلی تعلیم تاویل میں ہی اور ظاہری الفاظ قابل عمل نہیں ہیں۔جسکو دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ ہر ظاہر کے لیے ایک باطن ہی۔اب اسناد ذیل ملاحظہ ہوں۔

دریائے سخن ہا سخن خوب خدا یست　　پر گوہر و یاقوت و پر از لولوے لالا

ترجمہ { کلام اللہ کی آیات میں ہی شان دریا کی
بھرے ہیں جس میں یاقوت و درچھپے ہیں لولوے لالا }

شوراست چو دریا بہ مثل ظاہر تاویل تاویل چو لولوست سوئے مردم دانا

نہیں شوراب سے کم ظاہر تنزیل تلخی میں
سمجھتا گوہر شہوار ہی تاویل کو دانا

اندرین دریاست ہمہ گوہر ولولو غواص طلب کن چہ دوی بر لب دریا

بھر اگر چاہتا ہی موتیوں سے جیب و داماں کو
لگا اک غوطہ دریا میں کنارے پر دھرا ہی کیا

اندرین شوراب زبہر چہ نہادست چندیں گہر ولولو ارزندہ وزیبا

بنایا موج آب شور کو جسوقت خالق نے
جواہر ریز گوہر خیز و گوہر بیز و گوہر زا

از بہر پیمبر کہ بدیں صنع در اگعنت تاویل بہ دانا دہ وتنزیل بہ غوغا

کہا اپنے رسول پاک سے اِس کا یہ مطلب ہی
کہ نادان کے لئے ہی لفظ دانا کے لیے معنی

۴۔ حشر و نشر | ناصر، باطنی ہونے سے قبل حشر اجساد کا معتقد تھا لیکن بعد میں منکر ہو گیا تھا۔ علمائے خراسان اس عقیدے کے اعلان پر اُس کے مخالف ہو گئے تھے دیوان میں جس قدر اشعار ہیں وہ نقل کیے جاتے ہیں

ایں نوشکوفہ زندہ، سَراز باغ برزدہ بر ما زروز حشر و قیامت گواشدہ ہست

بنگر نبات مردہ کہ چوں زندہ شد بہ تخم آنکش بنود تخم چگونہ فنا شدہ است (صفحہ ۳۰)

اقرار کن بروز قضا چوں بچشم سرت نوروز مرگیاں را روز قضا شدہ است

گو میت چگونہ نشود، زندہ کو ہلاک شود آب باز آب شود، خاک باز خاک شود

جانش زی فراز شود، تنش زی مغاک شود | تن سوئے پلید شود، پاک باز پاک شود
(صفحہ ۱۰۴)

ہیچ میندیش اگر ز کالبد تو | خاک بجائے شود ہوا بہ ہوائے
(صفحہ ۲۹۹)

۴۔ انکار حشر جسمانی | پروفیسر شیفر نے فرنچ ترجمے میں ناصر کے اشعار نقل کیے ہیں جس سے انکار حشر جسمانی ثابت ہے

۵۔ ارکان حج پر تعریض | فرقہ اسمٰعیلیہ میں حج سے کیا مراد ہے؟ یہ بحث ارکان خمسہ اسلام میں آئے گی فی الحال

اشعار ذیل ملاحظہ فرمایئے۔

حاجیاں آمدند با تعظیم | شاکر از رحمت خدائے رحیم
آمدہ سوئے مکہ از عرفات | زدہ لبیک عمرہ از تنعیم
یافتہ حج و عمرہ کردہ تمام | بازگشتہ بسوئے خانہ سلیم
من شدم ساعتے باستقبال | پائے کردم بروں ز حد گلیم
مر مرا در میان قافلہ بود | دوستے مخلص و عزیز و کریم
گفتم او را بگوئے چوں رستی | زیں سفر کردن برنج و بیم
تا ز تو باز ماندہ ام جاوید | فکرتو را ندامت است ندیم
شاد گشتم بدانکہ حج کردی | چوں تو کس نیست اندریں اقلیم
باز گو تا چگونہ داشتہ | حرمت آں بزرگوار حریم
چوں ہمی خواستی گرفت احرام | چہ نیت کردی اندراں تحریم
جملہ بر خود حرام کردہ بدی | ہرچہ مادون کردگار عظیم
گفت نے گفتمش زدی لبیک | از سر علم و ز سر تعظیم

مے شنیدی ندائے حق و جواب / باز دادی چنانکه داد کلیم

گفت نے گفتمش چو در عرفات / ایستادی و یافتی تقدیم

عارف حق شدی و منکر خویش / بتو از معرفت رسید نسیم

گفت نے گفتمش چو میرفتی / در حرم همچو اهل کهف و رقیم

ایمن از شر نفس خود بودی / وز غم حرقت و عذاب جحیم

گفت نے گفتمش چو سنگ جمار / همی انداختی بدیو رجیم

از خود انداختی برون یکسو / همه عادات و فعلهائے ذمیم

گفت نے گفتمش چو مے کشتی / گوسفند از پے اسیر و یتیم

قرب خود دیدی اول و کردی / قتل قربان نفس دون لئیم

گفت نے گفتمش چو گشتی تو / مطلع بر مقام ابراهیم

کردی از صدق و اعتقاد و یقین / خویشی خویش را بحق تسلیم

گفت نے گفتمش بوقت طواف / که دویدی بهروله چو ظلیم

از طواف همه ملائکیان / یاد کردی بگرد عرش عظیم

گفت نے گفتمش چو کردی سعی / از صفا سوئے مروه بر تقسیم

دیدی اندر صفائے خود کونین / شد دلت فارغ از جحیم و نعیم

گفت نے گفتمش چو گشتی باز / مانده از هجر کعبه دل بدو نیم

کردی آنجا بگور مر خود را / هم چنانی کنون که گشته رمیم

گفت از این باب هر چه گفتی تو / من ندانسته ام صحیح و سقیم

گفتم اے دوست پس نکردی حج / نشدی در مقام محو مقیم

رفته و مکه دیده آمده باز / محنت بادیه خریده بسیم

گر تو خداهی که حج کنی پس ازاین

اس چنیں کن کہ کردمت تعلیم

۶۔ عبرت و نصیحت و صنایع قدرت۔

بچشم نہاں بیں نہان جہاں را — کہ چشم عیاں بیں نہ بیند نہاں را

چگونہ گنبد با قرار آسمانت — چو خود نیست از بن قرار آسماں را

ترجمہ

لینے دے آسمان تجھے چین کس طرح
خود بھی نہیں ہے جبکہ قرار آسمان کو

سر آں جہاں نردبان این جہان است — بسر بر شدن باید این نردباں را

دنیا کو تو وسیلۂ عقبیٰ قیاس کر
سیڑھی کی احتیاج ہے بیشک مچان کو

دریں بام گردوں و این بام ساکن — بہ بیں صنعت و حکمت غیب داں را

ان دونوں گنبدوں کے قرار و فرار میں
دیکھ آفریدگار کی صنعت کی شان کو

نگہ کن کہ چوں کرد بے ہیچ حاجت — بجان سبک جفت جسم گراں را

کس طرح امتزاج ثقیل و خفیف سے
ڈھالا ہے اس نے جسم کے قالب میں جان کو

کہ آویخت است اندریں سبز گنبد — مر این تیرہ گوئے درخشندہ کلاں را

لٹکا دیا ہے سقف زبرجد کے وسط میں
اک قمقمے کی شکل میں اس خاکدان کو

چہ گوئی کہ فرساید این چرخ گرداں — چو پیمود و بشمرد سالیاں را

گردش سے چرخ گھس نہیں سکتا کسی طرح

پکھ اس پہ حق نہیں ہی مرورِ زمان کو

نہ فرسودنی ساختہ ہست این فلک را   نہ آب روان را و بادِ بزان را

فرسوگی کی قید سے اس نے رہا کیا
پانی کی اور ہوا کی طرح آسمان کو

یمکان و زمان ہر دو از بہر صنعت   ازین نیست حدے زمین و زمان را

یہ دونوں کردگار کی صنعت پہ ہیں گواہ
حد اس لیے نہیں ہی زمان و مکان کو

اگر گوی این در قران نیست گویم   ہمانا نکو مے ندانی قران را

جو یہ کہے نہیں ہی یہ قرآن میں کہیں
اچھی طرح پڑھا نہیں اس نے قران کو

قران را یکے خازنے ہست کایزد   حوالت بدو کردہ مر انس و جان را

ہی خازن کلام الٰہی وہ ایک شخص
جس کے سپرد اُس نے کیا انس و جان کو

تو بر آن گزیدہ خدا و پیمبر   گزیدی فلان و فلان و فلان را

صفحہ ۳۰۲

حکم خدا و حکم پیمبر کو چھوڑ کر
کرتے ہو پیش قول فلان و فلان کو

(ایملہ ربعہ وغیرہ)

سلہ امیر المومنین مستنصر باللہ فاطمی اسمٰعیلی مراد ہی۔

صوبۂ خراسان میں ناصر خسرو کی تبلیغی خدمات اور ناکامی کے اسباب

۶ر جمادی الثانی ۴۳۷ھ (۱۹ر دسمبر ۱۰۴۵ء) میں ناصر خسرو سیاحت کو مرو سے روانہ ہوا تھا اور ۲۶ر جمادی الثانی ۴۴۴ھ (۲۳ر اکتوبر ۱۰۵۲ء) کو اپنے وطن بلخ میں داخل ہوا۔ اور کچھ مدت قیام کر کے بلخ سے مذہبی خدمات کے لیے، پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور خراسان کو روانہ ہوا کیونکہ اس صوبے کی خدمت (حجت) اسکو دربار خلافت قاہرہ سے مل چکی تھی لیکن تعجب ہے کہ سفرنامے میں مطلق صراحت نہیں ہے۔ اور واقعہ یہ ہے۔ کہ اصفہان سے پہلے وہ گیلان اور رستم دار ہوتا ہوا، ماژندران و بلغار کو روانہ ہوا تھا لیکن اس دیار کے فقہا نے اس پر زندقہ و الحاد کا الزام لگایا لہذا وہ چھپ کر خراسان چلا گیا چنانچہ اس دورے کا مختصر حال ہم لکھ چکے ہیں جس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ناصر نے عراق عرب کی سیاحت میں بغداد کا بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اس نے فرات سے بصرہ کو عبور کیا تھا اور نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کی بھی زیارت کی تھی (جس کے اشارے دیوان میں موجود ہیں) ان واقعات کے مخفی رکھنے کا یہ سبب ہے۔ کہ ان مشاہد کی زیارت شیعان علی سے مخصوص ہے اور عتبات عالیات کی جبہ سائی کے بعد وہ حاجی کے معزز خطاب سے ممتاز ہو جاتے ہیں اور یہ طرز عمل صدیوں سے جاری ہے۔ اور تقریباً یہی طریقہ سنیوں کا ہے کہ باستثنائے شاذ وہ عراق سے کربلا و مشہد مقدس

کا سفر نہیں کرتے ہیں، لیکن ناصر نے جو کچھ کیا وہ سیاسی اسباب سے مجبور تھا مفصل حال درج روزنامچہ کرنے سے وہ مزید آفات میں مبتلا ہوسکتا تھا سیاحت مذکور کی مدت تقریباً دو سال تھی جو ۴۴۶ھ ۱۰۵۴ء میں ختم ہوگئی۔

دعوت خراسان روضۃ الصفا، حبیب السیر اور دبستان مذاہب کی روایت ہے کہ ناصر واپسی مصر کے بعد تبلیغ مذہب فاطمیہ کے لیے خراسان گیا تھا اور کئی سال تک اضلاع خراسان کی خاک چھانتا پھرا، لیکن علمائے عصر کی مخالفت سے کہیں کامیاب نہیں ہوا اور ناکامی کا خاص سبب یہ ہے کہ اس کے پاس حسن صباح کی طرح دعاۃ اور فدائیوں کی فوج نہ تھی اور نہ اس کے پاس مصنوعی جنت تھی کہ وہ اپنے مریدوں کو سبز باغ دکھا کر جاں نثار غلام بنا لیتا نہ مالی سرمایہ تھا، وصول زکوٰۃ کا اہتمام نہ تھا، علاوہ بریں یہ ایک واقعہ ہے کہ حکیمانہ وعظ و پند اور فلسفیانہ دلایل سے عوام مستفید نہیں ہوتے ہیں، بلکہ یہ طرز تبلیغ صرف اہل علم کے لیے ہے جس کی بہترین مثال ہندوستان میں قادیانی تحریک ہے۔

خراسان میں کس شہر کو ناصر نے مرکز بنایا تھا اس کا اظہار نہیں کیا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف امصار و دیار میں دورہ کرتا رہا اور شیخ ابوالحسن خرقانی کے مشورے سے وہ خراسان آیا تھا۔[1]

فقہائے احناف خون ناصر کے پیاسے تھے اور اس کا سبب کیا تھا اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

الف۔ فقیہہ بخارا سے خطاب۔

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی حالات ناصر

کاں کور دل ندارد پز رفتن	پند ر سوار دلدل شہبا را
حجت ز بہر شیعت حید گفت	ایں خوب خوش قصیدۂ غرا را
آنرا بد و بہل کہ ہمی گوید	من دیدہ ام فقیہ بخارا را

از صفحہ ۱۷

چنیں چوں گفتی اے حجت کہ بر جہال ایں امت

فرد بارد ز خشم تو ہمی اندوہ و طوفاں ہا

صفحہ ۲۰

ب۔ حکام خراسان پر چوٹ۔

حاکم در جلوۂ خوباں بروز	نیم شباں محتسب اندر شراب
خون حسین آں بچشد در صبوح	ویں بخورد ز اشتر صالح کباب

صفحہ ۲۸

ج۔ فقہائے خراسان کی ہجو۔

ایں قوم کہ ایں راہ نمودند شما را	زی آتش جاوید دلیلان شما اند
ایں رشوت خوراں فقہا اند شما را	ابلیس فقیہ است گر اینہا فقہا اند
از بہر قضا خواستن و خوردن رشوت	فتنہ ہمگان در کتب بیع و شرا اند

صفحہ ۰۰

بر سر منبر سخن گویند مر او باش را	از بہشت و خوردن و حوران ہمی زانسان کنند

صفحہ ۸۱

د۔ ائمہ اربعہ پر ضرب کاری۔

جملہ مقر اند ایں خراں کہ خداوند	از پس احمد پیمبرے نفرستاد
وانکہ تو گرد ز بوحنیفہ بگردی	بر فلک مہ برند لعنت و فریاد

دستِ بگیرد ز بوحنیفہ رسولت | طرفہ تراست ایں سخن ز طرفۂ بغداد
صفحہ ۹۲ (طرفۂ بغداد خلفائے عباسیہ)

---

(۸) شاعروں پر حملہ

اے شعر فروشانِ خراساں بشناسید | ایں ژرف سخنہاے مرا اگر شعرا اید
صفحہ ۹۸

---

(۹) علمائے خراسان سے دو دو باتیں۔

بر درِ رُوغ وزنا و می خوردن | روز و شب ہمچو زاغ ناہارند
در ودیعت نہند مال یتیم | نزد ایشاں غنیمت انگارند
گر درست ست قول معتزلہ | ایں فقیہاں بہ جملہ کفارند
صفحہ ۱۰۰

نہ صرف ماژندران وبلغار بلکہ بلخ، نیشاپور اور ہرات کے علماء و فقہا ناصر کی تلخ گوئی اور اُس کے الحاد سے آمادہ جنگ رہتے تھے۔

بادۂ پختہ حلال است بہ نزد تو | کہ تو بر مذہب بو یوسف ونعمانی
کتب حیلت چوں آب زیر داری | مفتیٔ بلخ ونشاپور و ہری را نی

ردیف الف سے یائے تحتانی تک کلیات ناصر کا مطالعہ کیا گیا۔ ناصر نے مذہبی نقطۂ نظر سے گستاخی اور رغوخیاں ائمہ دین متین، علما، فقہا اور حکام دولت سے کی تھیں۔ ایسی حالت میں وہ دیار خراسان میں کیونکر کامیاب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اخیر برسوں کی پریشانی کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مستقر خراسان سے فرار ہو کر درۂ یمکان میں چلا آیا

لہ خلفائے عباسیہ خود رکن شریعت تھے۔ ان کا مذہب قرآن و حدیث تھا لیکن عموماً حنفیت کے تابع تھے۔ امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے۔ ناصر تقلید امام ابو حنیفہ پر حیرت کا اظہار کرتا ہے۔

اور اسی جگہ سپرد خاک کیا گیا۔ اور قرینے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اشاعت مذہب کے لیے دربار مصر سے بھی کسی اعانت کی خواہش نہیں کی گئی ورنہ کم از کم مال و دولت سے بے نیاز ہو جاتا اور فقر و فاقہ سے محفوظ رہتا۔

۷۔ خانقاہ یمگان میں ناصر خسروؒ کا قیام، مصایب و آلام کا ہجوم، یاد وطن، گوشۂ عزلت اور شاعری،

۴۴۷ھ / ۱۰۵۵ء سے ۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ء تک ناصر خسرو کے واقعاتِ حیات مجمل ہیں تاہم صحیح روایات، قرائن اور اس کی تصنیفات سے اس زمانے کی تقسیم اس طرح پر ہو سکتی ہے۔

سیاحت صوبۂ خراسان	۴۴۷ـ۵۱ھ مطابق ۱۰۵۵ـ۵۹ء	۵ سال خدمات تبلیغ
قیام یمگان	۴۵۲ـ۸۱ھ مطابق ۱۰۶۰ـ۸۸ء	

یمگان کے حالات میں فسانہ آمیز روایات بکثرت ہیں اور واقعات بہ غیر سند سنہ و سال لہذا ناصر کے قصاید اور مثنویات وغیرہ سے مستند حالات انتخاب کر کے پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ **یمگان کا جغرافیہ** | یمگانؔ کا رسم الخط "یم کان" (بمعنی ہزار کان) ہے کیونکہ

ؔ نگارستان فارس آزاد، داثار البلاد قزوینی مطبوعہ گاٹنجن ۱۸۴۸ء

اس علاقے میں جواہرات و معدنیات کی کانیں بافراط ہیں۔

بدخشاں کی پہاڑیاں جواہرات اور نگینوں کے لیے عہد قدیم سے مشہور ہیں خصوصاً۔ بلخش (لعل کی ایک خاص قسم ہی) ضرب المثل ہی۔ کسی شاعر کا قول ہی

ہو وطن میں خاک میرے گوہر مضمون کی قدر
لعل قیمت کو پہنچتا ہی بدخشاں چھوڑکر

فرہنگ انجمن آرائی ناصری کی تحریر ہی۔

یمکان قصبہ ایست از ولایت بدخشاں، بہ سمت کاشغر کہ مدفن ناصر خسرو است، چونکہ از جانب شیعۂ اسمٰعیلیہ بر اہل خراسان حجت بود لہذا تخلص خود کردہ پنج دیوان از و یادگار ست"

شمس العلما محمد حسین آزاد دہلوی تذکرہ نگارستان فارس میں لکھتے ہیں

"یمکان ایک نہایت ٹھنڈا قطعہ ہی۔ فقط دو مہینے زمین برف سے خالی نظر آتی ہی، نہیں تو کوہ و دشت سفید رہتے ہیں"

اور یقین ہی کہ یہ رباعی ناصر نے وہیں کہی ہوگی ؎

دوشینہ شبے کہ برف تا دوشم بود زانو چو عروس نو در آغوشم بود
پوشیدنئی نبود غیر از چشمم چیزے کہ بزیر سر نہم گوشم بود

قزوینی نے یمکان کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں مگر افسوس ہی کہ میری یادداشت دیمک کی خوراک بن چکی ہی۔ خلاصہ یہ ہی۔

"یمکان ایک مستحکم شہر ہی اور بدخشاں کے قریب پہاڑوں کے وسط میں آباد ہی جس کا فتح کرنا بھی مشکل ہی، ناصر نے بلخ سے آکر یمکان میں عجیب و غریب عمارتیں تیار کرائی تھیں جو متحرک نظر آتی تھیں۔ باغ اسقدر وسیع تھا کہ تمام شب چلکر

اس کے اخیر تک پہنچے تھے۔

اور حمام عجایبات عالم میں شمار ہوتا تھا۔ بغیر ادائے اجرت حمامی خدمت کرتے تھے اور غسل کے تمام لوازمات (لنگی، آئینہ، کنگھی وصابون وغیرہ) موجود رہتے تھے۔ چنانچہ یہ آثار صدیوں تک باقی رہے۔"

انسائکلوپیڈیا کی روایت ہو کہ ناصر نے یمکان میں داعی ہونیکا اعلان کیا تھا

۲- ناصر یمکان میں

ناصر کی خود نوشت سوانح عمری جو دیوان (مطبوعہ بمبئی) کے ساتھ شایع ہوی ہو۔ اس میں یمکان کی آمد کا ایک دلچسپ واقعہ ہو، جس سے ناصر کی مذہبی زندگی پر روشنی پڑتی ہو۔ لکھتا ہو۔

قہستان سے روانہ ہوکر میں نیشاپور کی ایک مسجد میں مقیم ہوا اور میرا ایک شاگرد بھی ساتھ تھا۔ نیشاپور میں کوئی مجھ سے واقف نہ تھا چنانچہ ایک دن میں سیر کو نکلا مساجد اور مدارس میں بھی گزرہوا تو میں نے سنا کہ ہر شخص میرے نام پر لعنت بھیجتا ہو اور میں کافر و زندیق کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہوں"

ایک دن میں بازار کی سیر کررہا تھا کہ ایک مصری باشندے نے مجھے پہچان لیا اور مخاطب کرکے کہا کہ آپ ناصر ہیں اور یہ آپ کا بھائی ابوسعید ہو!

میں نے بھی اقرار کیا اور اس شخص کو باتوں میں لگا کر قیام گاہ تک لے گیا اور کثیر مقدار میں سونا (طلا) دیکر اخفائے نام کی تاکید کی اور اس ترکیب سے نیشاپور میں محفوظ رہا!"

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن جوتہ گٹھوانے بازار گیا ہوا تھا، موچی اپنے کام میں مصروف تھا کہ یکایک شور بلند ہوا، موچی بھی بھاگا ہوا گیا کچھ دیر بعد دیکھا کہ ابوسعید تنہا چلا آتا ہے اور اس کے پیچھے موچی بھی سوتالی (درفش) کی نوک میں ایک گوشت کی بوٹی لیے آرہا ہے. حال پوچھا تو موچی نے کہا کہ "ناصر خسرو کا ایک شاگرد کسی عالم سے مباحثہ کررہا تھا۔ اس کی تقریر کو عالم نے روک دیا اور دلائل پیش کرنے کی ہدایت کی شاگرد نے اثبات دعوے میں ناصر کے ملحدانہ اشعار سنائے چنانچہ بنظر ثواب اس عالم نے شاگرد مذکور کو قتل کر دیا اور جسم کی بوٹیاں کرڈالیں اور سب ایک ایک بوٹی تبرک کی طرح لے گیے اور دیکھو میں بھی یہ ایک بوٹی لایا ہوں ۔"

یہ سنتے ہی میں اپنا جوتہ لیکر بھاگا کہ جس شہر میں میرے نام کے سبب سے شاگرد کا یہ حال ہوا تو میرا کیا ٹھکانا ہے؟

چنانچہ ابوسعید کے ہمراہ فرار ہوکر، جنگل اور پہاڑوں میں چھپتا ہوا - بدخشاں پہنچا۔ یہاں مجھکو اس قدر آرام ملا کہ میں بغداد اور مصر کو بھی بھول گیا۔ کچھ مدت کے بعد حکیم نصراللہ مادری جو سنی المذہب اور صوفی بھی تھا وہ میرا دشمن ہوگیا اور علی بن اسد عکوی سے جو بدخشاں کا فرمانروا تھا، میرے قتل پر اصرار کیا ۔ میں یہ خبر سنتے ہی بدخشاں سے یمکان چلا گیا - یہ سادات کی بستی تھی - عامل یمکان نے مجھے مہمانوں کی

طرح رکھا لیکن فقہائے خراسان و بدخشاں ہنوز میرے خلاف تھے یمگان کی فضا مجھے بہت پسند آئی۔ لہذا سکونت کے لیے میں نے غار میں مکان بنایا اور گوشہ گیر ہوکر مصروف عبادت ہوا اور پچیس سال تک یمگان میں قیام رہا۔"

اسی سلسلے میں ناصر خسرو کے اشعار ذیل بھی قابل ملاحظہ ہیں۔

گویدت فلاں کز چنیں سخن ہا — ماندہ است فلاں فلاں بہ یمگاں
منکر بہ سخن ہائے او از یراک — تر کانش براندند از خراساں
نہ میر خراساں پسند د او را — نہ شاہ سجستان نہ میر ختلاں
طعنہ چہ زنی مر مرا بداں کم — از خانہ براندند اہل عصیاں
زیرا کہ براندند مصطفےٰ را — ذریت شیطان از اہل و اوطاں
بر نوح نبی سرزنش نباید — کو رفتہ بہ کوہ از میان طوفاں
در دیں بہ خراسان کہ شست جز من — رخسارہ دعوی بآب برہاں!

من شیعت اولاد مصطفےٰ ام
در دیں نروم جز براہ ایشان

دیوان صفحہ ۲۳۹

۳۔ قیام یمگان کے تاریخی اسناد

روضۃ الصفا وغیرہ کی روایت ہے کہ ناصر بیس سال تک یمگان میں رہا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ۴۵۲ھ میں وہ یمگان میں داخل ہوا تھا اور اسی جگہ ۴۸۱ھ میں فوت ہوا لہذا مستقل قیام ۲۸ سال تک قرار پاتا ہے۔ جو میرے نزدیک صحیح ہے اور اختلاف سنین قابل لحاظ نہیں ہیں کیونکہ ناصر کا یہ بھی اصول ہے کہ وہ اپنی نقل و حرکت کے سنہ و سال اشعار میں

ذکر کرتا ہے اور دو تین سال کے بعد اپنی عمر بھی ظاہر کرتا ہے چنانچہ ایک قصیدے میں لکھتا ہے۔

پانزدہ سال بر آمد کہ بہ یمکانم
چون واز بہر چہ زیرا کہ بزندانم
صفحہ ۲۰۲

کانِ علم و سخن حکمت یمکان است ۔۔۔ تا من اے مرد خردمند بہ یمکانم

ایک دوسرے موقع پر عُمر کا اظہار اس طرح پر کیا ہے۔

شصت[۶۲] و دو سال است کہ گویدہمی ۔۔۔ روز و شبان در فلکے ہا و نم

چشم ہمی دارم ہموارہ تا ۔۔۔ کی بود از کو نتنش رستنم

تو تامے با دپیمائی شب روز ۔۔۔ در ایں خانہ بر آمد سال ہفتاد

یمکان میں پندرہ سال قیام اور ستر سال کی عمر کے بعد اور اشعار نہیں ملے ، اس کے دو سبب ہیں یا تو بڑھاپے کی سبب سے ناصر نے شاعری ترک کردی تھی یا موجودہ دیوان (مطبوعۂ طہران) کلیات کا انتخاب ہے جس کا اخیر حصہ تلف ہو چکا ہے ، کیونکہ یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناصر نے پانچ دیوان یادگار چھوڑے تھے اور جب یہ تحقیق ہے کہ ناصر ، یمکان میں پاؤں توڑ کر بیٹھا اور خانقاہ یمکان سے اس کا جنازہ اٹھا تو ایسی حالت میں قیام یمکان کی تنقید ہی فضول ہے۔ اور سنہ رحلت ۴۸۱ھ ۱۰۸۸ء قطعی صحیح ہے۔

۴ - یمکان میں ناصر خسرو کے مصائب و آلام

یمکان پہنچ کر ناصر کو دشمنوں سے امن و امان ملنا چاہئے تھا لیکن یمکان بھی اُس کے حق میں قید خانہ بن گیا۔

۱-۲-۳ صفحہ ۲۰۲ - ۲ - ۷۱

شمس العلماء حالی، مقدمۂ سفرنامہ میں لکھتے ہیں۔

امیر ناصر چوں از مصر مراجعت کردہ باز بخراسان (بلخ وغیرہ) رسید مردم را بخلافت مستنصر (فاطمی) و روش اسمٰعیلیہ دعوت میکرد اعدا قصد وے کردند۔ خوف وہراس بر او استیلا یافت و در جبلے از جبال بدخشاں پنہاں گشتہ، بست سال بہ آب و گیاہ قناعت نمود۔" (بحوالۂ روضۃ الصفا وغیرہ)

اما چنانکہ ذکر کردہ شد ازیں قدر انکار نتواں کرد کہ ناصر خسرو۔ رہ آوردے کہ از مصر برائے اہل وطن آورد محبت علویہ مصر بود و علی الخصوص از مناقب مستنصر باللہ سینہ و دل لبریز داشت ..... بہ دعوت روش اسمٰعیلیہ و نشر مناقب اقدام کردہ باشد۔

پس علمائے خراسان و ماوراالنہر کہ با خلفائے بغداد غایت عصبیت داشتند و علویہ مصر را غاصب خلافت و ضال و مضل مے شمردند البتہ این صدائے غریب را گوش کردہ با حکیم در آویختہ باشند و اہالئی ملک و ولاۃ عہد را بخلاف وے برانگیختہ۔

راس و رئیس مدعیان حکیم (ناصر) یکے مفتئ خراسان بود حنفی المذہب و دیگر حاکم بلخ کہ در اکثرے از اشعار وے روئے شکایت با ایشاں است۔"

دیباچہ سفرنامہ صفحہ ۱۳ و ۱۴

عنی[1] زادہ جو پروفیسر براؤن انگلشی کا شاگرد ہی۔ وہ سفرنامے کے دیباچے میں لکھتا ہی۔

ناصر از تمام دنیا قطع علاقہ نمودہ وخویشتن را بکلی وقف مجادلات مذہبی کردہ ویک داعی آتشین خلفائے مصر شدہ است وے مشارٌ الیہ در تصانیف خودش تا آنجاکہ بنظر این بے مقدار رسیدہ بہ ہیچ وجہ اسمے از اسمٰعیلیہ نبردہ بلکہ ہمیشہ خود را فاطمی و حجت مستنصری یا حجت خراسان یا اینکہ تنہا حجت مے نامد وگوید۔

۱۔ فاطمیم، فاطمیم، فاطمی	تا تو بہ میری زغم اے ظاہری
۲۔ مر عقلا را بخراسان منم	بر سفہا حجت مستنصری

۳۔ اے حجت زمین خراسان تو	ہر چند قہر کردہ غوغائی
۴۔ اے حجت علم وحکمت لقمان	بگزار بلفظ خوب حسانی

بہر صورت پس از مراجعت ناصر خسرو بوطن خودش عقیدۂ جدید او کہ بایک حرارت فوق العادۃ شروع بترویج و انتشار آں کرد اصلا برخلاف میل ومصلحت امرائے خراسان برضد عقائد طائفہ علمائے اہل سنت بود وبدیں جہت در انظار خوش نہ نمود وامرائے خراسان کہ متابع ظاہری خلفائے بغداد بودند وخود را ہنوز موالی[2] امیر المومنین نامید ند از پیشرفت نفوذ رواج امر فاطمیون

---

[1] دیباچہ سفرنامہ صفحہ ۱۲، ۱۳ مطبوعہ ہرات۔

[2] ۵۲ غلام

مصر کہ ہماں اوقات در حوائی عمان و لبصرہ و سواد کم کم بالامی گرفت خیلے اندیشہ داشتند و ہمیں سبب شد کہ ناصر خسرو دلبعد از مدت بسیار کمی مجبور بترک دار و دیار خود گردید یعنے تبعید ش کردند و شاید تبعید او بامر و اشارۂ خلیفۂ بغداد بودہ است - چنانکہ یکے از شعر ہایش اشارہ بداں کردہ و گوید[1]۔

اے خداوند ایں کبود خراس | بر تو از بندہ صد ہزار سپاس
داد من بے گماں بحق بدہی | روز حشر از نبیرۂ عباس

اقتباس مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ واپسی مصر کے بعد ناصر نے ایک آتشیں مبلغ کی حیثیت سے امرا اور علمار اہل سنت بلخ و خراسان کے خلاف پر جوش وعظ کہا اور مجادلۂ مذہبی میں اپنی زندگی وقف کر دی اور ایک داعی کے لباس میں اسمٰعیلیہ یا فاطمیہ کے حق میں غیر معمولی طریقے سے تبلیغ کی جس کے باعث وہ یمکان میں گوشہ گیر ہو گیا - اور جب تک زندہ رہا اپنے مخالفین کو گالیاں دیتا رہا اور یمکان کو بجائے دوزخ کے جنت سمجھا -

۵ - یاد وطن

بجائے بلخ کے اکثر و بیشتر ناصر خسرو خراسان کو مخاطب کرکے اپنے دردِ دل کا اظہار کرتا ہے ، اور اس میں کوئی مصلحت ضرور ہو گی - لیکن خراسان سے نکلنے کا اس کو مرتے دم تک افسوس رہا چنانچہ کہتا ہے اور خود ہی دل کو تسکین دیتا ہے -

۱ - گر خاک خراسانت نہ پذیرفت مخور غم | خوشنودئ ایزد بہ از خاک خراساں
۲ - کہ پرسد زیں غریب خوار و محزوں | خراساں را کہ بے من حال تو چوں
سلام کن ز من اے باد مر خراساں را[2] | بر اہل فضل و خرد را نہ عام و ناداں را

---

[1] دیوان مطبوعہ صفحہ ۲۶۴ ، [2] دیوان از صفحہ ،

لے صبا اہل خراساں کو مرا پہنچا سلام
اہل علم و فضل ہیں اُس میں نہ جہال و عوام

خبر بیاور از ایشاں بمن چو دادہ بوے   زحالِ من بہ حقیقت خبر مر ایشاں را

آ کے اُن کی بھی حقیقت سے مجھے آگاہ کر
دے چکے جس وقت جا کر ان کو یہ میرا پیام

بگوئی شاں کہ جہاں سروِ من چو چنبر کرد   بمکر خویش خود این است کار گیہاں را

وہ مرا بوٹا سا قد جھک کر کیا وہ ہو گیا
گردشِ گردون گرداں سے پڑا مجھکو بھی کام

نگر کہ تاں نکند غرہ عہد و پیمانش   کہ او وفا نکند ہیچ عہد و پیماں را

عہد و پیماں پر زمانے کی نہ بھولو دوستو
نقضِ عہد اُس کی ہی عادت بے وفا ہی اس کا نام

نگہ کنند کہ در دست این و آں چو خراس   بہ چند گونہ بدید ند مر خراساں را

اس خراساں ہی کی آخر پائمالی دیکھ لو
آسماں نے اِس سے رہ رہ کر لیا ہی انتقام

بملکِ ترک چرا غرہ اید یاد کنید   جلال و دولت محمود زاولستاں را

غرہ ترکوں کی حکومت پر تو کرتے ہو مگر
یاد ہی محمود کا تم کو جلال و احتشام؟

کجا است آنکہ فریغونیاں ز ہیبت او[1]   ز دست خویش بدادند گوزگاناں را

(اہل فرغانہ)

---

[1] مغل فرمانروایان کو خوش رکھنے کے لئے اہل فرغانہ شاہزادوں کو خود بھی جاگیریں دیا کرتے تھے۔

کانپتے تھے جس کی ہیبت سے فریغونی امیر
جس کی صولت نے بنایا تھا ہزاروں کو غلام

چو ہند را بہ سُم اسپ ترک ویراں کرد   بپائے پیلاں بسپرد خاکِ ختلان را

خاک ختلاں روند ڈالی جس کے پیل مست نے
ہند تک پہنچا تھا جس کا توسن محشر خرام

شما فریفتگان پیش او ہمی گفتید   ہزار سال فزوں باد عمر سلطاں را

تم خوشامد سے کہا کرتے تھے اسکے سامنے
دے خدائے پاک سلطاں کو حیات مستدام

پریر قبلۂ احرار زاولستاں بود   چنانکہ کعبہ است امروز اہل ایماں را

ذکر کل کا ہے کہ غزنین قبلۂ حاجات تھی
اہل ایماں کیلئے جس طرح ہو بیت الحرام

کجاست اکنوں آں مرد و آں جلالت و جاہ   کہ زیر خویش ہمی دید برج سرطاں را

اب کہاں ہے اس کی سطوت اور کہاں ہے کا شکوہ
برج سرطاں سے بھی اونچا تھا کبھی جس کا مقام

بترس سخت ز سختی چو کار آساں شد   کہ چرخ زود کند سخت کار آساں را

خوفِ دشواری عناں گیر ہے آسانی ہوا
اسلئے جمعیت خاطر ہے اک امید خام

برو کند چو در آمد بچشم گشت زماں   زقصر قیصر را و زخانماں خاں را !

آسماں نے اختیار قیصر و فغفور سے
دولت اقبال کی پل بھر میں چھینی ہے زمام

بر آسماں زکسوف سیہ ہالیش نیست   مر آفتاب درخشان و ماہ تاباں را

آسماں پر نیچ نہیں سکتے گہن کے داغ سے
اس درخشانی پہ مہر انور و ماہ تمام

زچیز ہائے جہاں ہر چہ خوار ارزاں شد گراں شدہ شمر آں چیز خوار و ارزاں را
ایک دن تقدیر گھورے کی بھی جاتی ہی پلٹ
آج جو رسوا ہی کل ہوگا اسی کا احترام

میانہ کارے باش ای پسر کمال بجوئے کہ مہ تمام نشد جز زبہر نقصاں را
چاند سے سیکھو کہ ہی اوساطہا خیر الامور
بدر کیوں گھٹتا اگر پہلے ہی رہتا ناتمام

اگر شراب جہاں خلق را جو مستاں کرد تو شاں رہا کن چوں ہوشیار مستاں را
بادۂ پندار سے گر اہل عالم مست ہیں
دور ہی سے تجھ کو لازم ہی انہیں کرنا سلام

نگاہ کہ بہ حیلت ہمی ہلاک کنند زبہر پر نکوطاؤساں پراں را
چونکہ ہیں طاؤس کے پر دیدہ زیب و دلفریب
کام کرنا ہی شکاری اس لیے اس کا تمام

جہاں زمین و سخن تخم و جانت دہقانست بہ کشت باید مشغول بود دہقاں را
ہی زمیں دنیا عمل بیج اور دہقاں جاں تری
چاہئے دہقاں کو کھیتی میں بہت ہی اہتمام

ترا کنوں کہ بہار است جہد آں بکنی کہ ناتکے بکف آری مگر زمستاں را
خوشہ چینی آج کل کر لو کہ ہی فصل ربیع
تاکہ جاڑوں کے دنوں میں آئے یہ سرمایہ کام

لہ مقدمہ حالی صفحہ ۱۸۔

یہ واقعہ ہی کہ فقہائے خراسان نے ناصر کو بہت زیادہ بدنام کیا ورنہ وہ توحید، رسالت، اور حشر ونشر کا مرتے دم تک قایل رہا اور اس کے قبل فلسفے کے اثر سے عقاید میں جو لغزشیں ہوگئی تھیں اُس سے تایب ہوگیا تھا البتہ فاطمی مذہب کا معتقد تھا اور یہی اس کا ایمان تھا چنانچہ اشعار ذیل میں عقائد کا اعلان کرتا ہی۔

بنالم بتو اے قدیم و قدیر	ز اہل خراساں صغیر و کبیر
چہ کردم کہ از من رمیدہ شدند	ہمی خویش و بیگانہ بر خیر خیر
مقدم بہ فرمان پیغمبرت!	نہ انباز گفتم ترا نے نظیر
بامت رسانید پیغام تو	محمد رسولت بشیر و نذیر
نیاورد قرآں بہ پیغمبرت	مگر جبرئیل آں مبارک سفیر
مقرم بہ مرگ و بحشر و حساب	کتابت ز بر دارم اندر ضمیر

۸- مدح مستنصر باللہ فاطمی

ناصر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جب تک زندہ ہی، امام وقت کی مداحی میں اُس کا قلم چلتا رہے گا چنانچہ قیام میکان میں اُس لئے جسقدر قصاید لکھے ہیں امیر المومنین مستنصر باللہ کی مدح میں وہ اشعار موجود ہیں جو مذہبی جذبات سے معمور ہیں اور دیگر قصاید نگار شعراء کی طرح مبالغہ آمیز تعریف سے خالی ہیں۔ سنداً اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

طلعت مستنصر از خدائے جہاں را	ماہ منیر ہست واین جہاں شب تار است

صفحہ ۳۶

بشتاب سوئے حضرت مستنصر	رہ راز فخر جز شمرہ مسیر
آنجاست دین و دنیا را قبلہ	و آنجاست عز و دولت را مشعر

سلے مقدمہ حالی صفحہ ۱۸

معروف شد به علم تو دین زیرا — دین عود بود و خاطر تو مجمر

صفحہ ۱۲

باطلعت مبارک مسعود از سعد — خالی است مشتری را در قوس طلعتش

یارب به فضل خویش تو توفیق ده مرا — تا روز و شب بدارم طاعت به طاعتش

مستنصر معالی و حکمت به نظم و نثر — بر امتش که خواند الا که حجتش

صفحہ ۱۰۴

مستنصر بالله که او فضل خدای است — موجود و مجسم شده در عالم فانیش

در عالم دین او سوئے ما قول خدای است — تو لیکه همه رحمت و فضل ست معانیش

صفحہ ۱۶۰

مستنصر از خدائے دہد نصرت — زین پس به اولیائے شیاطینم

خورشید بہ بینی کا ... و قمر ساقی — لالہ سماک و نرگس پروینم

صفحہ ۱۹۱

برجان من چو نور امام زمان بتافت — لیل السرار بودم و شمس الضحیٰ شدم

صفحہ ۱۹۳

ملک امامت سوئے کسے است که او راست — ملک سلیمان و علم و حکمت لقمان!

۹۔ خلفائے عباسیہ کی تحریک بربادی

ناصر کو خلفائے عباسیہ سے کس قدر عداوت تھی اس کا اندازہ اشعار ذیل سے ہوگا۔

گر ببیند چشم تو فرزند زہرا را بہ مصر — آفرین از جانت بر فرزند و بر مادر کنی

اے خداوند زمان دختر آل مصطفےٰ — خنجر گلگونت را گہ سر سوئے خاور کنی

جان اسکندر ز شادی سر بگردون بر برد — گر تو نعل اسپ خویش از تاج اسکندر کنی

وقت آں آمد کہ روزکیں چو خاکِ کربلا — آب را در دجلہ از خونِ عدو احمر کنی
اے بنیرہ آنکہ زد شد درجہان خیبر سمر — دیر بر نایدکہ تو بغداد را خیبر کنی
منظر اعدائے دیں را بر زمین ہامون کنی — منظر خویش از فراز برج دوپیکر کنی
دشمناں را در خورِ کردارشاں بدہی بہ عدل — عدل باشد چوں برائے خاک خاکستر کنی
بندہ را سند بخشی پیش کاری را طراز — کہترے را بر زمین با خاوراں مہتر کنی
زیں جنیں پر زر د گوہر مدائح جست رقات — گر تو جان دد رہین خویش رازیور کنی

صفحہ ۳۱۳

۱۰۔ گوشۂ عزلت اور علم و عمل

ذیل کے قصیدے میں ناصر خسرو نے خانقاہ یمکان میں اپنی عملی زندگی کی اس طرح تصویر کھینچی ہے۔

تیز نہ گیرد جہاں شکار مرا
نیست دگر با غمانش کار مرا

شاید اگر نیست بر درِ ملکے — جز بہ درگاہ کردگار مرا

قیصر و سلطان کی چوکھٹ پر نہ رکھوں گا میں سر
میری پیشانی ہے وقفِ آستان کردگار

بار نخواہم سوئے کسے کہ کند — منت او پشت زیر بار مرا

بھول کر بھی میں نہ جاؤں گا کبھی اسکی طرف
بار احساں سے ہو جس کی پشت میری زیر بار

خواندن فرقان و زہد و علم و عمل — مونس جانند ہر چہار مرا

زہد اور ترتیل قرآن علم اور اس کا عمل
ہیں یہ چاروں میرے ہمدم اور رہیں غم گسار

چشم و دل و گوش ہر یکے ہمہ شب پند دہد با تن نزار مرا!

چشم گوش و دل کا راتوں کو سنا کرتا ہی وعظ
جسم بے طاقت میرا، از بسکہ ہی شب زندہ دار

چشم ہمی گوید از حرام و حرم بستہ ہمی دار زینہار مرا

آنکھ کہتی ہی بچا مجھکو حرام و فحش سے
سات پردوں کی طرح تو بھی ہو میرا پردہ دار

گوش ہمی گوید از محال و دروغ راہ بکن سخت و استوار مرا

کان کہتا ہی کہ مجھکو لغو سے محفوظ رکھ
جھوٹ اور غیبت نہ سننے دے مجھے تو زینہار

دل چہ کند گویدم ہمی ز ہوا سخت نگہدار مرد دار مرا

نفس امارہ کی گھاتوں سے ڈرا جاتا ہی دل
اور اماں حرص و ہوا سے مانگتا ہی بار بار

عقل ہمی گویدم موکل کرد بر تن و بر جان کردگار مرا!

عقل کہتی ہی موکل جان اور تن کی ہوں میں
مجھکو یہ منصب ملا من جانب پروردگار

نیست ز بہر تو با سپاہ ہوا کار مگر حرب و کارزار مرا

جنگ کرنے کو ہوں میں تیری طرف سے مستعد
گر بڑھے فوج ہوا و حرص بہر کارزار

سر ز کمند خرد چگونہ کشم فضل خرد داد بر حمار مرا

عقل کے احکام سے کس طرح سرتابی کروں
جانور ہوں میں نہ ہو دانش اگر میرا شعار

دیو ہمی بست بر قطار سرم — عقل برون کرد از قطار مرا

نفس امارہ مجھے کرنے کو تھا بے راہ رو
عقل نے تھامی وہیں آکر مگر دل کی مہار

گر نہ خرد بستندے مہارم ازو — دیو کشاں کردہ بُد مہار مرا

عقل میری دست گیری گر نہ کرتی تنت پر
بھوت میرے سر پہ آکر ہو گیا ہی تھا سوار

غار جہاں گرچہ تنگ و تار شدہ است — عقل پسندہ است یار غار مرا

گرچہ دنیائے دنی کا غار تنگ و تار ہے
کچھ نہیں ڈر مجھکو جب ہے عقل میری یار غار

ہیچ مکن اے پسر ز دہر گلہ — کز وے شکر است صد ہزار مرا

مجھ سے ہو سکتا نہیں ہرگز زمانے کا گلہ
بلکہ مجھکو شکر کرنا چاہیئے اُس کا ہزار

ہست بدو گشتم و زبان و سخن — ہر دو بدیں گشت پیش کار مرا

ہے زمانہ میرے نطق اور میری ہستی کا کفیل
کی اساس دین ان دونوں سے ہیں نے استوار

پیش روم عقل بود تا بہ جہاں! — کرد بہ حکمت چنین مشار مرا

عقل کی شمع ہدایت رہ نما میری بنی
میری حکمت کا دیا دنیا میں اس نے اشتہار

بر سر من تاج دین نہادہ خرد — دین ہنرے کرد و برد بار مرا

میرے سر پر اُس نے رکھا دین پیغمبر کا تاج
با ہنر اس کی بدولت میں ہوا اور بردبار

چوں نہ کنم جان فدائے آنکہ بہ حشر   آساں گردد بدو شمار مرا

کیوں نہ میں اس پر کروں قربان اپنی جان کو
جس نے آساں مجھ پہ کر دی مشکل روز شمار

لاجرم اکنوں جہاں شکار من است   گرچہ ہمی داشت او شکار مرا

ایک دن وہ تھا کہ میں تھا دام عالم میں اسیر
ایک دن یہ ہے کہ خود دنیا ہوئی میرا شکار

گرچہ ہمیں خلق را فگار کند   کرد نیارد جہاں فگار مرا

گرچہ خلقت کا دل اس کے ہاتھ سے ہے ریش ریش
کر نہیں سکتا مگر مجھکو زمانہ دل فگار

جان من از روزگار برتر شد   بیسم نیاید ز روزگار مرا

مجھ پہ آلام اور مصائب کا اثر ہوتا نہیں
اس لیے مطلق نہیں ہے مجھکو خوف روزگار

تصنیفات حکیم ناصر خسرو

مختلف تذکروں، تاریخوں، اور رسالۂ ناصر خسرو کی ورق گردانی سے ثابت ہوا کہ اس نامور حکیم نے عالم شباب سے آخر دور حیات تک چھوٹی بڑی بیس کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض اس کی زندگی میں ملحدانہ خیالات کی بنیاد پر تلف کردی گئی تھیں۔ اس کے بعد جو باقی رہیں ان میں سے بعض شرکت کادیانی (برلن) طہران اور تبریز سے شائع کی گئیں، اور بعض قلمی نسخے یورپ کے لائبریریوں میں محفوظ ہیں جن کی

اشاعت کا ابھی کوئی اہتمام نہیں ہوا ہے۔ اب نمبر وار ان کتابوں کی تفصیل لکھتا ہوں، جو طبع ہو چکی ہیں اور میرے پیش نظر ہیں۔

۱۔ سفرنامۂ سیاحت مغرب

یہ وہی سفرنامہ ہے جو اس وقت آپ کے زیر مطالعہ ہے اور جس پر تفصیل سے تنقید ہو چکی ہے۔

۲۔ مثنوی روشنائی نامہ

خانقاہ یمکان میں گوشہ نشین ہو کر، ناصر خسرو اکثر غور و فکر اور مکاشفے میں مشغول رہا کرتا تھا، چنانچہ ایک دن یکایک افکار و خیالات سے بیدار ہو کر ناصر نے ایک مثنوی لکھنا شروع کی، اور چوں کہ وہ عالم ظلمت سے نور کی طرف آیا تھا اس مناسبت سے مثنوی کا نام "روشنائی نامہ" رکھا۔[1]

۱۔ سنہ تصنیف یہ مثنوی کس زمانے میں لکھی گئی، اس میں اختلاف ہے۔ مسٹر پرٹش (PERTSCH) نے کتب فارسی موجودہ گوتھا (GOTHA) لائبریری کا جو کیٹلاگ (فہرست مکمل) مرتب کیا ہے، اُس کے صفحہ نمبر ۱۳ میں سنہ تصنیف سنہ ۴۲۰ھ / ۱۰۲۹ء درج ہے اور فہرست برٹش میوزیم لندن جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۰۸ میں ۳۴۳ھ / ۹۵۴ء ہے۔ لیکن[2] یہ سال قطعی غلط ہے، کیونکہ ناصر خسرو کی ولادت اصح روایات کے مطابق سنہ ۳۹۴ھ / ۱۰۰۴ء میں ہوئی ہے علاوہ بریں میرے پیش نظر جو مطبوعہ نسخۂ برلن ہے۔ اس میں سال تصنیف سنہ ۴۴۰ھ درج ہے۔ لہذا صرف دو سال تحقیقات طلب ہیں یعنی سنہ ۴۲۰ھ / ۱۰۲۹ء اور سنہ ۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء پہلا سنہ تو قابل لحاظ نہیں ہے کیونکہ یہ زمانہ ناصر خسرو کی تعلیم و تربیت کا تھا اور ابھی تک اُس نے شاعری شروع بھی نہ کی تھی۔ باقی رہا سنہ ۴۴۰ھ یہ زمانہ اس کی سیاحت مصر کا ہے لہذا

---

[1] ناصر کے حالات شاعری میں بھی مثنوی کا ذکر ہو چکا ہے۔

[2] بعض نسخوں میں ۳۲۳ھ ہے۔

تا دیلاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ حج کے بعد ہی ناصر نے یہ مثنوی لکھنا شروع کی ہوگی۔ جو زمانۂ سیاحت میں ختم نہ ہوسکی لیکن یہ واقعہ ہو کہ مثنوی مذکور ایک کمرے کے اندر خانقاہ یمکان میں ختم کی ہو[۱]۔ اور ناصر ۴۵۲ھ یا ۴۶۰ھ میں داخل یمکان ہوا تھا، اور یمکان میں جس قدر قصاید وغیرہ ناصر نے لکھے ہیں ان سب میں لفظ حجت بطور تخلص استعمال کیا گیا ہو۔ چنانچہ ناصر اس مثنوی میں بھی فخریہ لکھتا ہو۔

زحجت ایں سخن را یادمی دار

کہ در یمکان نشستہ بادشہ وار

لہذا جو نظم لفظ حجت سے خالی ہو، وہ یمکان کی پیداوار ہی نہیں ہو۔ ایسی صورت میں مثنوی روشنای نامہ ۴۴۲ھ[۲] یا اس کے بعد ہی تصنیف کی گئی ہو۔ اور مثنوی کی سند میں جو شعر موجود ہو۔ اس میں غلطی ہوئی ہو۔

۲۔ سبب تصنیف

اما ئم داد چنداں دور گردوں[۳]	کہ سفتم ایں مبارک دُرِّ مکنوں
شبے ہم چوں دلِ نا اہل تیرہ	دو چشم از کارگیتی ماندہ خیرہ
شدہ در پردہ مہر عالم افروز	کشادہ شب، کمیں بر لشکرِ روز
ہمہ در خواب و من بیدار ماندہ	خرد در کار و چشم از کار ماندہ
ہمی کردم نظر در ظلمت و نور	زجام فکر جانم گشتہ مخمور
گہے مستغرق بحر تفکر	گہے اندر خیالات تدبّر

---

[۱] غنی زادہ دیباچہ سفر نامہ میں لکھتا ہو۔ معلوم است کہ ناصر خسرو بعد از مراجعت از سفر مکہ بہ جہت تعرض پیشوایان و علمائے اہل سنت بودہ و در عین زندوا یا متواری بودن خود در یمکان بر ضد آنہا اغلب با تندی و خشونت نوشتہ است۔

[۲] از صفحہ ۴۳ تا صفحہ ۵۳ روشنائی نامہ۔

گہے بودم بہ مشرق گہ بہ مغرب | گہے برتر زجرام کواکب
نہادم ایں کتاب روح پرور | کشادم بر دلِ اہل خرد در
بہ شعر خوب وشیریں جاں فزایم | بہ حکمت در سخن معجز نمایم
رسیدہ جرم خور در برج ماہی | گرفتہ در حمل مہ بادشاہی
کہ کردم ختم ایں فرخندہ دفتر | بروں آوردم ایں پاکیزہ گوہر
خداداند کہ ایں نو بادہ بکرست | زمن زادست واوراوایہ فکراست
نہ دستِ ہیچ کس بروے رسیدست | بجز من روئے اوراکس ندیدست

ناصر کہتا ہے۔ کہ اس مثنوی کے جملہ مضامین اچھوتے ہیں۔ اور مجھ سے پہلے ان خیالات کو کسی نے ظاہر نہیں کیا ہے۔

سب سے پہلے ڈاکٹر ایتھی نے روشنائی نامے کو شایع کیا تھا۔ اور آخر میں شرکت کاویانی نے ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء میں سفرنامے کے ساتھ شایع کیا۔

اس مثنوی کی اشاعت پر علما اس کے قتل کے درپے[1] تھے کیونکہ اس کے بعض مضامین عقاید اسلام کے خلاف تھے اور ناصر نے بھی فلسفۂ مادیات پر زیادہ زور دیا تھا۔ مثلاً اشعار ذیل ملاحظہ فرمایئے۔

۲۔ درعقلِ کل ونفس کل

زِ اول[2] عقلِ کل راکرد پیدا
کجا عرش الہش گفت دانا
گروہے علت اولیش گفتند | گروہے علت معنیش گفتند

---

[1] ایک روایت یہ ہی کہ جب ناصر خسرو کے خیالات قصاید کی صورت میں یمکان سے شایع ہونے تو اس کے ملحدانہ خیالات پر علمائے عصر نے مختلف قسم کے ۹۱ سوالات لکھ کر اس کے پاس بھیجے جس کے جواب میں ناصر نے مثنوی روشنائی نامہ لکھی اور اپنے مذہبی خیالات کا اظہار کیا۔ چنانچہ واقعات سے یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہی۔
[2] صفحہ ۱۳ روشنائی نامہ۔

زاول عقل کل چوں شد مشہر | زیک دیگر بزادند آں دو دیگر
زعقل کل وجودِ نفس کل زاد | ہمی حوائے معنی خواندش استاد
بداں گر جانت باعقل آشنا شد | کہ ایں حوا و آں آدم چرا شد
اگر معنی نامش باز دانی! | ورا جمع ملایک نام خوانی
ہم او شد فاعلِ افلاک و انجم | ہم او بحرِ محیط و جانِ مردم
ہم او لوح و ہم او کرسی یزداں | ہم انسان دوم ہم روحِ انساں
از آں آمد فروغ عقل و ماوائے | کہ زیر تخت کرسی را بود جائے

اور ایک دوسرے موقع پر کہتا ہی کہ

نہ گویم صانع ہفت و چہار اوست | ولیکن عقل را پروردگار اوست
چہ مقدار آفتاب و آسماں را | بدو منسوب نتواں کرد آں را
چرا گوئی زر و لعل و جواہر | ز خاک و آب و سنگ و کرد ظاہر
نبات از گِل تو گوئی او برآورد | نشاید ایں چنیں او را صفت کرد
کہ روحِ نامیہ ایں کار دارد | گل و شمشاد بر خاک او نگارد
تو عقل و جان ز حق داں سیم و زر چیست | مکن صورت پرستی باد و سر چیست

ان مسائل کے بعد تخلیق و فطرت انسان کے متعلق ناصر کے خیالات یہ ہیں کہ رحم مادر میں انعقاد نطفہ کے بعد اُس کی پرورش سبع سیاروں سے متعلق ہو[1]

چو خونِ ما کہ آں اصل حیا تست | یکے فرزند حیوان و نبا تست
دگر بارہ مصفا گردد آں خوں | وزآں خونِ سفید آید بہ بیروں
ورا خوانند نطفہ اہل معنی | کہ پالودہ از آن خون است یعنی
وزاں پس در مشیمہ چونکہ افتاد | فگندش او ستاد چرخ بنیاد

---

[1] صفحہ ۱۶ روشنائی نامہ در فطرت انسان۔

زحل یک ماہ اورا تربیت کرد | دگر مہ مشتریش تقویت کرد
بشد ماہ سوم بہرام یارش | چہارم ماہ خور صورت نگارش
چو از خورشید تاباں (مریخ) زندگی یافت | در آنجا قوت جنبید گی یافت (خورشید)
مہ پنجم کند زہرہ ورا کار | عطارد باشدش ماہ ششم یار
بہ ہفتم یار با او ماہ باشد | بہ ہشتم زو زحل آگاہ باشد
دراں زندانِ تنگ اندر کشاکش | بود جانش میانِ آب و خون خوش
پس از نہ ماہ زاؤ وشش خجستہ[51] | بروں آرد ورا زاں راہ بستہ
ازاں تاریک جا آید دریں جائے | جہاں بیند خوش و خوب و دل آرائے
سرای بس فراخ و مسکن خوش | ہوای بس لطیف و خوب و دلکش

اس مثنوی میں بھی ناصر نے پیشہ ور شعراء کی مذمت کی ہے۔ وہ ارباب دولت کی مدح و ہجو دونوں کو برا جانتا ہے

خرد بر مدح نااہلاں بہ خندد | کسے بر گردنِ خر مہرہ بندد
ترا از خویشتن خود شرم ناید | کہ ہر جایت دروغے گفت باید
بپا استادن و برخواندن او | فرو ریزد سراسر آبت از رو
بمدح و ہجو کس بکشائے لب را | مرنجاں خاطر معنی طلب را
ز معنی جان ایشاں را خبر نیست | سخن شاں جز برائے سیم و زر نیست
امیران کلام اند اہل اشعار | خدا شاں تو بہ بد ہد از چنین کار[52]

۳۔ مثنوی سعادت نامہ

شاعری کے تذکرے میں اس مثنوی کا بھی ذکر آچکا ہے۔ یورپ کے بعد

---

[51] زاؤ دش بروزن خاموش و زاؤدشش بروزن خامش نام کوکب مشتری (برہان قاطع)
[52] امیر المومنین مستنصر باللہ فاطمی اسمٰعیلی مراد ہے۔

تیسری مرتبہ یہ مثنوی ۱۳۴۱ھ میں برلن سے سفرنامے کے ساتھ شایع ہوئی ہے۔ اور اٹھارہ صفحات پر ختم ہوئی ہے۔

اس مثنوی کے مضامین فلسفیانہ مسائل اور عقاید اسماعیلیہ سے خالی ہیں روزمرہ کی زبان میں سادہ اخلاقی امور بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً سودخواروں کے حق میں لکھا ہے۔

ربا خوارہ ز اہل نار باشد — کجا از خلد برخوردار باشد

بود با ہر عزیز اہل رباخوار — شرف دارد بسے سگ بر رباخوار

چہ ایماں خواہی آنکس راکہ خواہد — کہ تا نانے خورد جانش بکاہد

مخور نانش اگر خود نفع جانست — کہ گرد آوردۂ خون مفلسانست

زمین و چرخ باعار ندازوے — خدا و خلق بیزار ندازوے

کند صد سال اگر دوزخ نشینی

نہ مالک بخشش آردنے خزینی

اس مثنوی کے عنوان پر بجائے حکیم ناصر خسرو کے صرف "امیر سید ناصر" درج ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مثنوی عالم شباب کی یادگار ہے جو غالباً مرو میں تصنیف ہوئی۔ شیخ سعدی شیرازی نے بوستان میں سعادت نامہ کا تتبع کیا ہے۔ اور یہ مثنوی اس قابل ہے کہ سررشتۂ تعلیم کے اعلیٰ نصاب فارسی میں داخل کی جائے۔

۴۔ زاد المسافرین

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ فرانس کے قومی کتب خانے میں موجود تھا جس کو علامۂ براؤن انگلشی اور ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند پروفیسر ڈاکٹر

محمد بذل الرحمن ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ (کینٹب) نے تصحیح و تحشیہ سے مزین کیا اور شرکت کاویانی (برلن) نے ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء میں شایع کیا۔ چنانچہ یہی نسخہ میرے سامنے ہی۔

ناصر خسرو کی تصنیفات میں یہ کتاب سب سے بڑی اور رسایل اور فلسفہ و معقولات میں لاجواب سمجھی جاتی ہی۔

سب سے پہلے اس کتاب کا نام دیوان[1] ناصر خسرو میں نظر آیا، فخریہ کہتا ہی۔

زتصنیفات من زاد المسافر | کہ معقولات را اصل است و قانون
اگر بر خاک افلاطوں بخوانند | ثنا خواند مرا خاک فلاطوں

چنانچہ ان اشعار کے حوالے سے کتاب کی تلاش ہوئی اور زاد المسافرین کا قلمی نسخہ مل گیا۔ اس کتاب کا سنہ[2] تصنیف ۴۵۳ھ ۱۰۶۱ء ہی اور اسکو ناصر نے امیر المومنین المستنصر باللہ فاطمی کے نام ہدیہ کیا ہی۔ جسکو وہ امام برحق اور خداوند زماں سمجھتا تھا۔ یہ بھی یمکان میں تصنیف کی تھی اور وقت رحلت برادر عزیز[3] عبد الجلیل کو وصیت کی تھی کہ اصل نسخہ سید الحکما علی بن اسد علوی فرمانروائے بدخشاں کی خدمت میں بھیج دیا۔

ناصر اس کتاب کو توشۂ آخرت سمجھتا تھا۔ یا یہ کہ محض بطور استعارہ یہ نام رکھا تھا چنانچہ خود بھی لکھتا ہی۔

مقصود ما از تالیف ایں کتاب آنست کہ در آں مقصود بیان است
از آں کہ نفس چرا بر مثال مسافر است اندریں عالم و از کجا همی

---

[1] دیوان مطبوعہ طہران صفحہ ۳۳۸۔

[2] مقدمہ سفر نامہ مطبوعہ برلن صفحہ ۱۶۔ و زاد المسافرین مطبوعہ کاویانی صفحہ ۲۸۰۔

آید و کجا ہمی شود و اندریں سفر زاد چیست ؟

چنانچہ اس خیال کے مطابق زاد المسافرین بہت اچھا نام تھا۔ میرزا محمود ملقب بہ ملا غنی زادہ، مثنوی روشنائی نامہ پر ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے[1]

علاوہ بریں اشعار دیگر در روشنائی نامہ ہست کہ مدلل میدارند کہ مصنف آنہا را در مواقعے کہ با معارضین خود سخت مشغول مجادلہ بودہ است بہ نظم آوردہ و عیناً ہمان لحن قولے است کہ زاد المسافرین را نوشتہ (مثل)

۱۔ ہمین است اعتقاد اندر قیامت | اگرچہ از خراں یابم ملامت[2]

(نیز)

۲۔ زبیجائی دلی بیدار شان را | بجز انکار خاصان کار شان را

بہر حال مثنویات ہوں یا زاد المسافرین ناصر[3] نے ان کتابوں میں ہمعصروں پر دل کھول کر حملے کئے ہیں۔ اور دل کے بخار نکالے ہیں۔

یہ کتاب فلسفے میں ہے، جو فلاسفۂ یونان کی کتابوں کے بعد لکھی گئی ہے۔ اس کے متعلق غنی زادہ کی رائے[4] ہے کہ۔

از مطالعۂ زاد المسافرین معلوم می گردد کہ توغل زیاد با فلسفہ می داشتہ و اغلب کتب فلاسفۂ یونان مثل سقراط و افلاطون وارسطاطالیس وفلس (فالیس رومی) وغیرہم با دقت تتبع نمود وخود زاد المسافرین کہ تقریباً شاہکار ادست میرساند کہ ید طولی در فلسفہ داشتہ وخود از بزرگان فلاسفۂ آں عصر بہ شمار می رفتہ

---

[1] دیباچہ سفر نامہ صفحہ ۱۴۔ [2] روشنائی نامہ صفحہ ۱۸، ۲۱۔ [3] اس نام کی ایک مشہور مثنوی اور بھی ہے۔ جو میر حسین بن عالم بن حسین غوری (متوفی ۷۱۸ھ) کی تصنیف ہے فہرست برٹش میوزیم میں یہ مثنوی بہ نمبر ۳۵۰۰۰ موجود ہے اور ۱۱۱۸ء کی مکتوبہ ہے۔ [4] مقدمہ سفر نامہ صفحہ، مطبوعہ برلن۔

نامیدہ شدہ است"۔

غنی زادہ نے حکمائے یونان میں صرف تین فلسفیوں کے نام لئے ہیں۔ جو حقیقت میں ارکان فلسفہ تھے۔ چنانچہ فلسفۂ یونان کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ اس فلسفے کا بانی حکیم تھیلز (طالیس) تھا جو مسیح علیہ السلام سے ۶۲۰ سال قبل پیدا ہوا اور مصر میں تعلیم پائی تھی۔ اس کا مذہب تھا کہ تمام اشیاء پانی سے پیدا ہوئی ہیں فلسفۂ یونان کا یہ سلسلہ ۵۲۲ء تک قایم رہا اور پھر اس میں متعدد شاخیں پیدا ہوگئیں۔ چنانچہ ان حکما میں سقراط افلاطون، ارسطا طالیس نہایت نامور فلسفی گزرے ہیں۔

۱۔ سقراط متوفی ۳۹۹ ق م | یہ فلسفے کا باپ مشہور ہوا اور اس کے بیش قیمت لکچر رسایل کی صورت میں ہنوز یادگار ہیں جن کے عربی تراجم بھی موجود ہیں۔

۲۔ افلاطون متوفی ۳۴۷ ق م | اپنے استاد کی رحلت پر مصر جاکر شاگردان فیثاغورث سے بھی تعلیم حاصل کی اور ایک نئے فلسفے کا موجد قرار پایا۔ مصر سے واپسی پر ایتھنز میں دارالعلوم قایم کرکے فلسفے پر لکچر شروع کئے۔ اس نے فلسفے کے علاوہ دیگر علوم فنون میں بھی کتابیں تصنیف کیں۔ جو عربی میں ترجمہ ہو چکی ہیں یہ حکیم کتاب کے مطالب کو جان بوجھ کر نہایت ادق اور پیچیدہ عبارت میں لکھتا تھا اور اسی وجہ سے خود یونانیوں نے مطالب میں غلطیاں کی ہیں لیکن یونانیوں پر معلم ثانی ابو نصر فارابی کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے افلاطونی فلسفے کو صحت و خوبی سے حل کیا۔

۳۔ ارسطا طالیس المتولد ۳۸۴ ق م | یہ حکیم افلاطون کا شاگرد تھا۔

متاخرین میں ارسطاطالیس امام الفلسفہ تھا۔ علمائے اسلام نے اس کے فلسفے کو بہت پسند کیا اور غالباً منجملہ دیگر اسباب کے اِس اعتنا کا یہ سبب تھا کہ فلسفۂ ارسطاطالیس، فلسفۂ اسلام کے مماثل تھا۔

یہ حکیم توحید، صفاتِ باری تعالیٰ، حشر و نشر، عذاب و ثواب کا قایل تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس نامور حکیم کے جملہ تصانیف کو عربی قالب میں ڈھالا جس سے اہل یورپ اب تک مستفید ہو رہے ہیں[اه]۔ ارسطاطالیس کے شاگرد، خدا کی ذات و صفات میں کسی قسم کا تغیر نہیں مانتے تھے۔ ستاروں کو روحانی اجسام تسلیم کرتے تھے اور خدا کے مدبر عالم ہونے کے قایل تھے شرح حکمتہ الاشراق مصنفۂ ابو نصر فارابی میں استاد اور شاگرد کے فلسفہ (جمع آرا) کو دیکھنا چاہیے۔ الغرض مامون الرشید عباسی کی خلافت تک علمائے اسلام اِن ارکان ثلاثہ کے فلسفے سے واقف ہو چکے تھے۔ ناصر خسرو نے اصل یونانی اور تراجم سے استفادہ کیا تھا جس کی تصدیق مضامین زاد المسافرین سے ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ناصر نے اپنے نفسیاتی خیالات کو تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن یہ مضامین منتشر ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایک مضمون کے لئے پوری کتاب کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے، کیونکہ وہ ایک خاص مذہب کا داعی تھا، لہذا اپنے خیالات کو حسب موقع بیان کرجاتا ہے۔ تاہم طرز بیان اس درجہ صاف ہے۔ کہ اس کا تعلیمی مقصد کہیں فوت نہیں ہوتا ہے۔

بحث نفس کلی مکمل بحث تو زاد المسافرین میں ہے لیکن مثنوی روشنائی نامہ اور دیوان[۵۲] میں بھی مجملاً اظہار خیال کیا ہے۔

ا۔ بمیدان حکمت بر اسپ فصاحت   مکن جز بہ تنزیل و تاویل جولاں

اہ تفصیل تراجم کے لئے طبقات ابن ابی اصبعہ دیکھنا چاہیے۔

۵۲ دیوان صفحہ ۲۲۸

۲۔ مدد یابی از نفس کلی بہ حجّت | کہ جوئی بدل نصرت اہل ایمان
۳۔ نہ بینی کہ پولاد را چون ببرد | چو صنعت پذیرد ز حداد سوہان
۴۔ ترا نفس کلی چو بشناسی او را | نگہدارد از جہل و عصیان و نسیان
۵۔ ہر انساں کہ زنجیں گل و یاسمیں را | نشاندہ ست دہقاں بر اطراف بستاں
۶۔ زر و سیم و گوہر شد ارکانِ عالم | چو پیوستہ شد نفس کلی بہ ارکان

۷۔ اگر جاں نہ بودے بہ سیم و زر اندر
بصد من درم کس ندادے یکے ناں

زاد المسافرین کی اشاعت میں پروفیسر بذل الرحمن ہندی کی عالمانہ کوشش کا ذکر ہو چکا ہی لیکن کتاب کی اشاعت کے بعد پروفیسر موصوف کے چھوٹے بھائی پروفیسر معتضد ولی الرحمن ایم اے استاد نفسیات جامعہ عثمانیہ نے رسالہ معارف اعظم گڑھ ۱۹۳۳ء میں نفسیات ناصر خسرو پر مفصل تبصرہ کیا ہی۔ جو فلسفہ قدیم و جدید پر مشتمل ہی۔ ارباب شوق اسے مطالعہ فرمائیں۔

۵۔ وجہ دین | ناصر خسرو کی یہ کتاب علم الفقہ میں ہی، جس میں مذہب اسماعیلیہ کے مطابق وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں مسایل حل کرتا ہی۔ جس کا اصطلاحی نام، تنزیل اور تاویل ہی اس کتاب کا سنہ تصنیف تحقیق نہیں ہوا، لیکن یہ واقعہ ہی کہ واپسی حج کے بعد جب وہ یمکان میں گوشہ نشین ہوا ہی، اسی زمانے میں یہ کتاب بھی لکھی گئی ہی اور بغیر کسی شک و شبہہ کے "وجہ دین" ناصر ہی کی تصنیف ہی۔ کیونکہ دسویں صدی[1] ہجری کی بعض تصانیف (بیان الادیان) میں وجہ دین کا حوالہ موجود ہی اور مزید ثبوت یہ ہی کہ اس کتاب کے دو قلمی نسخے بخارائے قدیم سے حاصل ہوئے ہیں (اسماعیلی فرقے کے اکثر اشخاص اس ملک میں پائے جاتے ہیں) اور ایک روسی عالم

[1] مختصر مقدمہ کتاب وجہ دین۔ صفحہ ۲ مطبوعہ برلن۔

نے یہ نسخے بخارا سے لاکر کتب خانۂ پٹروگراڈ میں داخل کئے ہیں اور انھیں نسخوں سے صحت کرکے شرکت کاویانی نے ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء میں یہ کتاب شایع کی ہے۔

اور اس کتاب کی صحت کی مزید دلیل یہ ہے۔ کہ اس کی عبارت زادالمسافرین اور سفرنامے سے ملتی ہوئی ہے۔ اور جو اصحاب ناصر کے طرز انشا سے واقف ہیں وہ ایک صفحہ پڑھکر وجہ دین کی صحت تسلیم کرلیں گے

یہ کتاب اکیاون گفتار (اقوال) پر ختم ہوی ہے۔ اور ہر گفتار (قول) میں ایک مذہبی مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور ناصر نے دیباچے میں لکھا ہے۔ کہ "وجہ دین میں اکاون گفتار کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ مسلمان دن رات میں جو نمازیں پڑھتے ہیں اُن کی رکعات کی تعداد بھی اکاون ہے۔ اور اس کتاب سے ان کو ہر عمل شرعی کی تاویل ظاہر ہو جائے گی متوسط تقطیع کے ۳۰۴ صفحات پر ختم ہوی ہے۔

منجملہ اکیاون مقالات کے نماز، روزہ، حج و زکوۃ پر ناصر نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اکثر عقائد اسلام کے خلاف ہیں لہذا ایسے مضامین کا فی زماننا شایع کرنا باعث فتنہ و فساد ہوگا۔ شایقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

ناصر خسرو کی انشا کا نمونہ

ناصر کی نثر نگاری کا کوی مکمل نمونہ (باستثنائے چند سطور سفرنامہ) اس وقت تک پیش نہیں کیا گیا ہے۔ لہذا وجہ دین سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے علاوہ طرز انشا کے یہ بھی واضح ہوگا۔ کہ فقہ کے مسایل کو وہ قرآن و حدیث سے کیونکر اخذ کرتا ہے۔

گفتار سی و ششم، اندر تاویل واجب طاعت امام زمان و بیان آں

گوئیم بتوفیق خدائے تعالیٰ که مردم گوهریست لطیف برساخته
هر گوهر کثیف و مرکب است از دو عالم محسوس و معقول. یکے
جسم مردم که دیدنی و شنودنی ست و دیگر نفس مردم که دیدنی
و شنودنی نیست. و جسم مردم که دیدنی و شنودنی است همی
ساخته نشود مگر بمیانجی دو هم جنس که او سوم ایشاں است
که آں پدر و مادر اوست پس لازم (آید) که آں گوهر
لطیف که بااین گوهر کثیف جفت است اندریں کالبد آراسته
و ساخته نشود مگر بدو هم جنسی که او سوم ایشان است چون جسم را
تمامی اندر آں بود که بخورشهاے ایں جهانی برسد از لذات جسمانی
بمیانجی پدر و مادر گفتیم که تمامی نفس نیز اندر آں باشد که او
بلذات عالم روحانی برسد بمیانجی پدر و مادر نفسانی پس
بحکم ضرورت اثبات شد مر نفس مردم را از پدری و مادری
هم چناں که جسم مردم را از پدر و مادر چاره نیست و چوں پدر جسمانی
مردم فایده دهنده بود و مادرش فایده پذیرنده بود گفتیم که پدر روحانی نیز فایده
دهنده باشد پس گفتیم که آں پدر دینی که او مر نفس مومن را بمحل پدر است
رسول است صلی الله علیه و آله وسلم و آں مادر دینی. که او
مر نفس مومن را بمحل مادر است وصی اوست و تنزیل ناطق
مر صورت نفسانی مومن را بمرتبه نطفه پدر است و تاویل وصی مر آں

صورت نفسانی را بمرتبت نطفه مادر راست و بغیر از آمدن دو نطفہ جسمانی برآراستہ صورتے پدید آید مر عالم جسمانی را و گواہی دہد بر دوستی این حال گفتار رسول علیہ السلام کہ گفت انا و انت یا علی ابو ام المومنین ۔ گفت یا علی من و تو پدر و مادر مومنانیم و استوار کرد مر این خبر را قول خدائے تعالیٰ کہ گفت النبی اولی بالمومنین من انفسھم و ازواجہ امھاتھم گفت پیغمبر سزاوارتر است بگرویدگان از نفسہائے ایشان بدیشان و زنان او مادران ایشانند و چون زنان پیغمبران مادر مومنان باشند پیغمبر پدر ایشان باشد چنانکہ رسول علیہ السلام گفت الارض امکم و ھی بکم برۃ یعنی زمین مادر شما ست و او بہ شما نیکو کردار است پس بحکم این حدیث درست شد کہ رسول آسمانست و او پدر است مومنان را از بہر آنکہ زنان پیغمبر را خدائے تعالیٰ مادر مومناں گفت و پیغمبر گفت مادر شما زمین ست پس درست شد کہ رسول آسمان است و پدر است و زنان او مثل زمین اند و مادر مومنانند نیکوئی کہ باشند و نیکوئی جز از خردمنداں نیاید و اگر بیاید مر آنرا نیکو گویند۔

اس کتاب میں جسقدر ابواب ہیں اور ان میں جن آیات قرآنی اور

---

[1] این حدیث این طور کہ درمتن است از حیث عبارت بسیار رکیک و از اسلوب عرب بہ کلی دور و نحواً غلط یا ضعیف است چہ اضافت دو مضاف بیک مضاف الیہ با ہیچ جائز نیست و مشہور نزد شیعہ تمن این حدیث این طور است "انا و علی ابوا ھذہ الامۃ"
(از دیباچہ نگار وجہ دین)

[2] این حدیث با اندک اختلافے در نہایا ابن اثیر و لسان العرب در مادہ ب ر ر مذکور است

احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان سب میں تاویل سے کام لیا گیا ہے اور یہی ناصر کا دین اور ایمان ہے۔ وہ ہر آیت سے پیغمبران ناطق ایمہ محبان اور داعیان مذہب کا وجود ثابت کرتا ہے اور جملہ مسایل میں ناصر کا طرز تحریر فلسفیانہ ہے۔

۶۔ دیوان عربی ناصر کا ایک بھی عربی شعر کسی تذکرے میں درج نہیں ہے۔ اگر وہ دیوان فارسی میں عربی دیوان کا اشارہ نہ کرتا تو پھر عربی کلام کا ثبوت بھی مشکل تھا۔ چنانچہ دیوان فارسی میں اشعار ذیل قابل لحاظ ہیں۔

۱۔ بخوان ہر دو دیوان من تا بہ بینی — یکے گشتہ با عنصری بحتری را
۲۔ اشعار بپارسی و تازی — برخواں دیدار یادگارم
۳۔ نظام سخن را خداوند گیہاں — دل عنصری داد و طبع جریرم

ناصر جریر اور بحتری کو اپنا مد مقابل سمجھتا ہے۔ لہذا اس دعوے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کا عربی کلام کس پائے کا ہوگا؟

۷۔ دیوان فارسی ناصر کی وصیت کے مطابق یہ دیوان جہاں شاہ بن کیو حاکم یمکان کے پاس ہدیۃً روانہ کر دیا گیا تھا۔ اس دیوان کی خصوصیت یہ ہے کہ مسایل حکمت و فلسفہ سے مالا مال ہے غزل ایک بھی نہیں ہے۔ لہذا تمام دیوان عاشقانہ جذبات اور موسیقی کی چاشنی سے خالی ہے۔ نوخیز ایرانیوں کے لئے ناصر کا کلام مونگ کی اُبالی کھچڑی کے برابر ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے۔ کہ جملہ قصاید ایمۂ اظہار اور امیر المومنین مستنصر باللہ کی مدح میں ہیں اور کسی بادشاہ کی شان میں ایک رباعی یا قصیدہ بھی نہیں ہے۔ اور چونکہ ناصر فاطمین مصر کا داعی ہے۔ لہذا اکثر

قصائد میں مذہبی عقاید اور اس کا فلسفہ بیان کرتا ہے اور دیوان میں اس قسم کے جو مسایل ہیں اُس کی تفصیل زاد المسافرین میں ہے۔

مستشرقین یورپ میں سے جوبل کی رائے کے مطابق شاعری کو گوشہ نشینی کا ثمرہ سمجھتے ہیں وہ ناصر کے دیوان کو غور و فکر سے مطالعہ کرتے ہیں کتب متذکرہ کے علاوہ جو دوسری کتابیں ناصر خسرو سے منسوب ہیں اور ان کے قلمی نسخے یورپ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۸۔ **المستوفی** فقہ میں یہ بڑی کتاب تھی جو حج کے بعد ہی تصنیف کی گئی تھی لیکن ناصر کے حیات ہی میں فقہا کے مجبور کرنے پر نذر آتش کر دی گئی۔

۹۔ **اکسیر اعظم** صاحب آتش کدہ آذر نے لکھا ہے کہ یہ کتاب فلسفے میں ہے اور سرگزشت ناصر کی صراحت کے مطابق منطق اور حکمت میں ہے۔

۱۰۔ **قانون اعظم** یہ کتاب سحر اور علوم فوق الطبیعہ میں ہے ناصر نے وصیت کی تھی کہ یہ کتاب اس کے چچا زاد بھائی منصور کے پاس روانہ کر دی جائے۔

۱۱۔ **دستور اعظم** یہ کتاب بھی فقہ میں تھی جو حسب وصیت قاضی نصر اللہ بدخشی کے پاس ہدیۃً بھیجی گئی، رضا قلی خاں نے تذکرہ مجمع الفصحا میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ **تفسیر القرآن** سرگزشت ناصر میں لکھا ہے کہ "شاہِ ملاحدہ (مازندران) کے حکم اور جان کے خوف سے عقاید اسمٰعیلیہ کے

مطابق یہ تفسیر القرآن لکھی گئی تھی اور اس کی دو تین نقلیں بھی شایع ہو چکی تھیں۔"

لیکن تاریخی نقطۂ نظر سے یہ واقعہ محض غلط ہے۔ زمانۂ مابعد میں اس کتاب کا فرضی اضافہ اُس کی تصنیفات میں کیا گیا ہے۔ جس کی بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ ناصر کے زمانے میں بمقام ماژندران، ملاحدہ کی کوئی حکومت قایم نہ تھی بلکہ ناصر کی رحلت (۴۸۱ھ ہجری) پر ۴۸۳ھ (۱۰۹۰ء) میں حسن صباح نے قلعہ الموت (نواح گیلان) میں ایک شاندار حکومت قایم کی تھی۔ اور علاء الدین محمد بن جلال الدین ملقب بہ محمد ثالث نے جو حسن صباح کے جانشینوں میں تھا۔ علامۂ نصیر الدین محقق طوسی کو قلعے میں مہمان رکھ کر اپنے عقاید کے مطابق ایک تفسیر لکھوائی تھی چنانچہ پروفیسر براون نے کامل تحقیقات کے بعد لکھا ہے کہ "اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ روایت اس واقعے کی مسخ شدہ صورت ہے جو حقیقت میں حکیم نصیر الدین طوسی مشہور ہیئت دان کو پیش آیا تھا۔ یعنی اسے ملاحدہ نے بہ جبر اپنا مہمان بنایا تھا اور نصیر الدین نے اپنی کتاب اخلاق ناصری فرقہ حشاشین کے آخری سردار رکن الدین خور شاہ کے نام سے معنون کی تھی چنانچہ اخلاق ناصری کے بعد کی اشاعت میں وہ اس واقعے کے لحاظ سے معذرت بھی کرتا ہے۔"

میری تحقیقات[۱] کے مطابق بھی یہی صحیح ہے۔ کیونکہ علامہ نصیر الدین۔ علاؤ الدین مذکور کے عہد (۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) لغایت ۶۵۲ھ (۱۲۵۴ء)) میں داخل قلعہ ہوئے تھے اور رکن الدین خور شاہ کے زوال حکومت (۶۵۴ھ (۱۲۵۶ء)) پر قلعہ الموت سے نکل کر وطن کو روانہ ہوئے تھے۔

---

[۱] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب نظام الملک طوسی تذکرۂ حسن بن صباح۔

۱۳۔ بستان العقول اس کتاب کا دوسرا نام بستان العقل بھی ہے۔ زاد المسافرین (صفحہ ۳۳۹) میں ناصر نے اِس کتاب کا ذکر کیا ہے مستشرقین یورپ اور سالنامۂ پارس کی روایت ہے کہ یہ کتاب بھی مفقود الاثر ہے۔

۱۴۔ خوان اخوان مسجد ا یا صوفیہ (استنبول) کے کتب خانے میں اس کتاب کا ایک نسخہ بہ نمبر ۱۷۰۸ درج فہرست ہے جو ۶۲ ۱۴۵۷ھ کا مخطوطہ ہے۔ اور غالبًا یہ نسخہ بھی بلحاظ نوعیت فرد ہے۔

۱۵۔ دلیل المتحیرین ناصر کی کسی تصنیف میں اس کا ذکر نہیں ہے لیکن بعض تذکروں میں یہ نام ہے اور ایک مستشرق روس کو اس کا ایک نسخہ ناحیہ سمگان (بخارا قدیم) میں ملا ہے جو کتب خانۂ سینٹ پیٹرس برگ میں داخل ہے۔

۱۶۔ رسالہ در علوم یونان یہ رسالہ علوم یونان پر تھا جس کو عبد الجلیل نے ناصر کی اجازت سے جلا دیا تھا۔

۱۷۔ رسالۃ الندامہ فی زاد القیامہ یہ رسالہ ذات القیامہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ آزاد دہلوی تذکرہ نگارستان فارس میں لکھتے ہیں کہ نواح یمکان میں تین کتابیں ذات القیامہ، مجموعہ فضایل اور اشعار پائی جاتی ہیں۔ (اخیر نام قطعًا غلط ہے) تقی الدین محمد قاچی نے روسی ترجمے کے ساتھ یہ رسالہ شایع کیا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ عربی سے فارسی میں اس رسالے کا جو ترجمہ ہوا ہے وہی سرگزشت ناصر خسرو ہے۔

---

[۱] نگارستان صفحہ ۲۹ مطبوعہ لاہور۔

[۲] سالنامہ پارس مطبوعہ ۱۳۱۲ھ

۱۸۔ کنز الحقایق یہ رسالہ بھی مذہبی تحقیقات میں ہی۔ اکثر تذکروں میں اس کا نام آیا ہی۔

۱۹۔ آفاق نامہ یہ رسالہ تصوف میں ہی۔ اور صرف سالنامہ پارس میں اس کا ذکر ہی۔

۲۰۔ رسالہ سرگزشت ناصر خسرو اس رسالے پر تفصیل سے ابتدای اوراق میں بحث ہو چکی ہی۔

۰۔ ناصر خسرو کی وفات

تاریخ اور تذکروں میں ناصر خسرو کے سنہ ولادت میں جسقدر اختلاف ہی، اس سے زیادہ سنین وفات مختلف فیہ ہیں لہذا ان اقوال کا نقل کرنا ہی بیکار ہی البتہ جس طرح سنہ ولادت کا فیصلہ اس کے دیوان سے ہوا ہی اسی طرح سنہ رحلت کی بھی تنقید کی جائیگی۔

سنہ ولادت اور سنہ وفات اس کے قبل لکھا جا چکا ہی۔ کہ ناصر کی ولادت ۳۹۴ھ میں ہوی ہی اور مستشرقین یورپ نے تقویم التواریخ کے حوالے سے ثابت کیا ہی کہ وہ ۴۸۱ھ میں فوت ہوا، اس حساب سے ناصر کی عمر ۸۷ سال قرار پاتی ہی۔ اور بقیہ روایات ۱۲۵ یا ۱۴۰ سال کی محض غلط ہیں۔

ایک خاص اصول ناصر کی عادت ہی کہ وہ اپنی زندگی کے سنین کو مسلسل بیان کرتا ہی چنانچہ جب اسکی عمر ۵۰ سال کی ہو گئی تو اشعار ذیل لکھے۔

بس کن آن قصۂ رباب کنوں	زردو نالاں شدی چو رود رباب
چوں نہ بینی کہ مے بدر ندت	طمع و حرص و خوی بد چو کلاب

پسِ خویشت کشید پنجہ سال — برامید شراب و آبِ سراب
گر نئی مست وقت آں آمد
کہ بدانی سراب راز شراب

اس دور کے بعد جب بڑھاپے کا آغاز ہوا تو حسرت سے کہتا ہے

شصت بار آمدہ نوروز مرا مہماں — جز ہماں نیست اگر شش صد بار آید

اور جب ساٹھ سال سے کچھ اور زیادہ عمر ہو گئی اس وقت یہ شعر کہا

بآب پند باید شست دل را — چو سالت برگزشت از شصت و از اند[1]

اس کے بعد ۶۲ سال کے بھی مختلف اشعار ہیں اور اس اخیر عمر کے بعد خانقاہ یمکان میں وہ مسلسل پندرہ سال مقیم رہا جس کا تذکرہ حالات یمکان میں ہو چکا ہے چنانچہ اس تفصیل کے مطابق ناصر کی عمر ستتر سال کی ہوتی ہے لیکن یہ تاریخی فیصلہ ہے کہ یمکان کے داخلے کے بعد پھر ناصر خانقاہ سے باہر نہیں نکلا لہٰذا منجملہ ۷۷ سال کے صرف دس سال کی تصدیق دیوان سے نہ ہو سکی چنانچہ اس کا وہی جواب ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔ یعنی یا ضعف پیری کی وجہ سے ناصر شاعری سے تائب ہو گیا تھا یا دیوان کا آخری حصہ تلف ہو چکا ہے۔ لہٰذا ۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ء میں اس کا فوت ہو جانا یقینی ہے۔

تجہیز و تکفین کا فسانہ ناصر خسرو کی تجہیز و تکفین کے جو حالات سرگزشت ناصریہ میں درج ہیں وہ عجائب پرستی کا ایک دلچسپ[2] مجموعہ ہیں۔ چنانچہ یہ روایت اِس طرح شروع ہوئی ہے کہ ناصر نے اپنی موت سے

---

[1] اند کے "قدرے زاید" مراد ہے۔ اور بعض اوقات ۳ سے ۹ سال کی مدت شمار کی جاتی ہے۔
[2] مذہبی عقاید و خیالات کے علاوہ جو حصہ جنہ (جمع جن) اور ما فوق الفطرت واقعات سے متعلق ہے وہ سب فرضی اور الحاقی ہے جس کو دورِ حاضرہ کی تحقیقات نے غلط ثابت کیا ہے خصوصاً غار یمکان کے اندر سے خانقاہ اور قبر کا غائب ہو جانا۔

ایک دو روز قبل اپنے چھوٹے بھائی خواجہ ابو سعید کو بلاکر حسب ذیل تقریر کی۔

برادرم سعید! حق سبحانہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور تمام صفات کمال سے موصوف ہے اور اس کی ذات زوال ونقصان سے منزہ ہے۔

آسمانی کتابیں اور ملایکہ برحق ہیں، حشر اجساد اور یوم الحساب بھی برحق ہے اور خدا جزئیات وکلیات کا خالق ہے جبرئیل امین کا وحی لے کر آنا اور میدان قیامت میں اعمال کی جانچ ہونا اور صراط مستقیم کا قایم ہونا بھی سچ ہے۔ اور عذاب قبر بھی مسلم ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل انبیا ہیں اور خلفائے راشدین میں میرے بزرگوار علی بن ابی طالب علیہ السلام سب سے اکرم، افضل اور اشجع (بڑے بہادر) ہیں۔ برادر عزیز! ہاتف غیب آواز دے رہا ہے کہ میری عمر میں اب صرف ڈیڑھ (۱½) دن اور باقی ہے۔ لہٰذا یہ میری مدد کا وقت ہے خدا سے دعا کر کہ وہ میری مغفرت کرے۔

مجھے اپنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدقات مجاہدات پر ذرہ برابر بھی بھروسا نہیں ہے۔ اور نہ میں ان اعمال پر مغرور ہوں اب تو صرف رب العالمین سے امید ہے کہ وہ مجھے نہ تو ضایع کرے گا نہ میری آبرو ریزی کریگا۔ کیونکہ خود اُس کا ارشاد ہے "لَا نُضِیعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلً" اور نیز اعمال حیات میں ایمان سب سے بالاتر ہے۔

برادرِعزیز! جب میری روح قالب سے پرواز کرجائے اور جب تک تو اپنے ہاتھ سے غسل نہ دے چکے ، اس وقت تک میری موت کا اعلان نہ کرنا اور میری قبر اسی غار (کوہ یمکان) کے اندر بنانا اور یہ بھی یاد رکھ کہ جس وقت تو گورکنی میں مصروف ہوگا اس وقت دو نفر جن (جو عالم فاضل بھی ہیں) تیرے پاس حاضر ہوں گے وہ ہر قسم کی امداد کریں گے تو اُن سے کسی قسم کی مخالفت نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ہر مصیبت میں رفیق کار رہوں گے اس کے بعد یمکان کے علماء ، فضلاء ، اور عوام کو میری موت سے آگاہ کرنا نمازِ جنازہ کے بعد جب سب لوگ چلے جائیں تو میری میت کو جنوں کی مدد سے قبر میں اتارنا اور عجز و انکسار سے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرنا کہ "اے میرے مولا! تیرا گناہ گار بندہ در دولت پر حاضر ہے۔ اُس پر اپنی رحمت نازل فرما اور قبر میں اتارتے وقت کہنا بِسۡمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّتِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ" اس کے بعد قبر کو بند کر دینا۔

برادرِعزیز! تجہیز و تکفین کے بعد فوراً یمکان کی سکونت ترک کر دینا۔ اور جانے سے قبل غار کے دروازے پر ۱۳×۱۳ (سیزدہ در سیزدہ) کا نقش کھینچنا اور یہ شیشہ جو میں تیرے سپرد کرتا ہوں ، اس میں سے تھوڑا پانی لیکر دروازے پر چھڑک دینا اور شیشہ توڑ ڈالنا اس وقت تجھکو قدرت خداوندی کا کرشمہ نظر آئے گا۔

ابوسعید کہتا ہے کہ وصیت کے بعد ناصر نے ایک لمبی مناجات

شروع کی، جب وہ خاتمے پر پہنچی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔
توکلتُ علیٰ ربّ السّماءِ لَا اِلٰہَ اِلّا اللہُ محمدٌ رسولُ اللہ
میں نے بھی کئی مرتبہ ان کلمات کا اعادہ کیا اب میں اس امید
میں تھا کہ غیب کے واقعات مشاہدہ کروں گا۔ لیکن بھائی جان!
مناجات کے بعد خاموش ہو گئے اور میری طرف مطلق التفات
نہیں کیا، کیونکہ اب اُن پر عالم نزع طاری تھا۔ موتیوں کی طرح
پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا اور آنکھیں بند ہوتی جاتی
تھیں کہ اسی حال میں ناصر نے پھر آنکھیں کھولیں اور ایک قہقہہ
لگایا اس کی بے ساختہ ہنسی سے میں بہت مسرور ہوا اس کے بعد
ناصر نے میری طرف شفقت آمیز نظروں سے دیکھا جیسے کوئی
عاشق اپنے محبوب کو دیکھتا ہے۔ پھر کلمہ طیبہ پڑھا " لَا اِلٰہَ اِلّا اللہُ
مُحمّدٌ رّسولُ اللہ علیٌ ولیُ اللہ "[1] پھر اس کی آنکھوں سے آنسو
جاری ہو گئے میں نے غور سے دیکھا تو روح تن سے جدا ہو چکی ہے
یہ حال دیکھ کر میں بے ہوش ہو گیا، کچھ وقفے کے بعد جب ہوش
آیا تو وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین میں مصروف ہوا، اور وہ
تمام واقعات رونما ہوئے جن کی برادر مرحوم نے اطلاع دی تھی
چنانچہ بعد فراغ تجہیز و تکفین، میں بھائی کی قبر سے لپٹ کر خوب

---

[1] عجایب خانۂ لندن میں عہد مستنصر باللہ کے جو ریشمی کپڑوں کے ٹکڑے ملے ہیں اُس میں ولی اللہ کے بعد صل... مستنصر باللہ امیر المومنین۔ صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ الاکرمین الطاہرین وابناء المنتظرین کے الفاظ موجود ہیں جس سے ظاہر ہے کہ آئمہ سلف کے بعد ان پر درود پڑھا جاتا تھا۔ رائل ایشیاٹک جرنل مطبوعہ اپریل ۱۹۰۶ء لندن ۔

رویا اور رخصت کے وقت غار کے دروازے پر تیرہ کا نقش کندہ کیا اور شیشے سے پانی چھڑک کر اسی جگہ شیشہ توڑ دیا اس وقت مجھے نظر آیا کہ گویا صبح صادق کا وقت ہے۔

غار کا دروازہ نظر سے اوجھل ہو گیا اور پہاڑوں کی قدرتی دیوار نے قبر کو اپنی آغوش میں لے لیا۔"

یہ دلچسپ کہانی ناظرین کی تفریح کے لئے لکھی گئی ہے اور صحیح واقعہ یہ ہے جو شمس العلما محمد حسین آزاد دہلوی کے الفاظ میں تحریر کیا جاتا ہے۔

راقم[1] نے سفر بدخشاں (۱۸۸۵ء) میں ناصر کی قبر کو خود جا کر دیکھا ایسی دلچسپ اور دل فزا جگہ ہے کہ وہاں سے اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا فیض آباد دار الخلافہ بدخشاں سے یہ مقام دو منزل کنارۂ جنوب و مشرق میں ہے۔ یہ علاقہ یمکان کہلاتا ہے، جہاں ناصر کی اولاد موجود ہے اہل بدخشاں اور دور دراز ملکوں کے لوگ ناصر سے بہت اعتقاد رکھتے ہیں اور خود بادشاہ وقت نقد و جنس گھوڑے وغیرہ (قبر پر) نذر چڑھاتا ہے۔"

ناصر خسرو کو فوت ہوئے آج تک آٹھ سو اٹھتر سال گزر چکے اور ہنوز اس کی قبر زیارت گاہ خلایق ہے۔ آزاد کی عینی شہادت کے بعد روایت مذکورۂ بالا کی غلطی ظاہر ہے اور میری رائے میں یہ مخصوص روایت (قبر کا غائب ہو جانا) سرگزشت ناصر خسرو میں الحاقی ہے، کیونکہ اس عہد میں بزرگان دین اور صوفیائے کرام کے حالات میں خرق عادت اور کرامات کا لکھنا لازمی تھا۔

---

[1] نگارستان فارس آزاد صفحہ ۲۹۔۳۰ مطبوعۂ لاہور

خاتمہ

شب رفت و حدیثِ ما بپایاں نرسید
شب راچہ گنہ حدیثِ ما بود دراز

حکیم ناصر خسرو علوی، اخیر چوتھی صدی ہجری کی معدنی پیداوار میں ایک درخشاں اور بے بہا کوہِ نور تھا، یہ وہ دور تھا کہ حکیم ابو علی سینا کے فضل و کمال کا آفتاب (بڑھاپے سے) خراسان میں مائل بہ غروب تھا۔ اور ناصر عالم شباب کی منزلیں طے کرتا ہوا مجلس حکماء میں داخل ہو رہا تھا اور یہ واقعہ ہے کہ پانچویں صدی میں اس کا فلسفہ اور شاعری ایک زندہ علمی قوت تھی۔ جس کی بدولت عہد ماضی کی آج یہ شاندار یادگار قایم ہو رہی ہے۔ اور نظام عالم یہی ہے کہ بقاے دوام کے دربار میں جب ایک کرسی خالی ہوتی ہے تب دوسرا باکمال باستحقاق اس پر متمکن ہوتا ہے۔

ابتدائی اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مجھے برسوں ناصر خسرو سے شرف ہم کلامی (یہ معنوی نسبت تھی[1]) حاصل رہا ہے، لیکن کچھ مدت کے لئے گفت و شنود کا دروازہ بند ہو گیا تھا، مگر الحمد للہ کہ ۱۳۴۵ھ بمطابق ۱۹۲۶ء میں گم شدہ رفیق مل گیا۔ اور علمی صحبتیں از سرِ نو گرم ہو گئیں اور میری فرمائش پر اس غریب الوطن حکیم نے اپنی عبرت انگیز سوانح عمری سنائی جو اس کے الفاظ میں تحریر کی گئی ہے۔

---

[1] تصنیفات ناصر مراد ہیں جو مقدمے کا ماخذ ہیں۔

اس موقع پر میرا یہ بھی فرض ہے کہ مستشرقین یورپ کی علمی زندگی اور قدردانی کا شکریہ ادا کروں کیونکہ جو کام مسلمانوں سے کرنے کا تھا وہ انھوں نے کیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں ناصر خسرو کو سب سے پہلے پروفیسر ریو اور برٹش نے زندہ کیا اور اس کی بعض تصنیفات پر ریویو کرتے ہوئے ناصر کا اہل مشرق سے تعارف کرایا، اس کے بعد پروفیسر شیفر نے سفر نامۂ مغرب کا فرنچ میں ترجمہ کر کے نوٹ و سوانح کے ساتھ شایع کیا۔

ادمان فاگنان فرالنوی اور ادستادھرمان آتہ ویتھی نے مثنوی سعادت نامہ اور مثنوی روشنائی نامہ کو فرنچ اور جرمنی میں مع اصل متن فارسی اور سوانح کے اشاعت کی اور ایتھی نے برٹش میوزم کی فہرست کتب فارسی مرتب کرتے وقت دیوان ناصر خسرو کا بھی گہری نظر سے مطالعہ کر کے سب سے اول یہ ثابت کیا کہ اس کی ولادت ۳۹۴ھ میں ہوئی ہے۔ پروفیسر ایڈورڈ براؤن انگلشی نے زاد المسافرین کو تصحیح کر کے طبع کرایا اسٹیلا گارڈ اور ڈی ساسی نے ناصر خسرو کے قیام مصر کے مکمل حالات اور عقاید باطنیہ لکھے افسوس ہے کہ میں مغربی زبانوں سے محروم ہوں بدیں وجہ ان عالمانہ اور محققانہ تبصروں سے مستفید نہ ہوسکا اور مجبوراً ناصر کی سوانح حیات خود لکھنا شروع کی، اس وقت میرے سامنے شمس العلما حالی کا ایک مختصر مقدمہ موجود تھا اور اس کے علاوہ حسب ذیل قدما کی تصنیفات پیش نظر تھیں۔

۱۔ جامع التواریخ رشید الدین فضل اللہ مطبوعہ پیرس

۲۔ حبیب السیر جلد دوم جزو چہارم مطبوعہ بمبئی

۳۔ دبستان مذاہب جلد دوم مطبوعہ کلکتہ

۴۔ تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی مطبوعہ ہالینڈ۔

۵۔ آتش کدۂ آذر۔ مطبوعۂ بمبئی

لیکن ان کتابوں میں بھی ناصر کی حیات کا سرمایہ بہت ہی قلیل تھا۔ چنانچہ اس ضرورت سے تصانیف ناصر خسرو فراہم کی گئیں جن کی تفصیل یہ ہے

۱۔ سفر نامۂ ناصر خسرو مترجمۂ پروفیسر شیفر بزبان فرنچ مطبوعۂ پیرس

۲۔ سفر نامۂ قلمی کتب خانۂ لوہارو۔

۳۔ سفر نامہ مع مقدمۂ خواجہ حالی مطبوعۂ دہلی۔

۴۔ سفر نامہ مطبوعۂ طہران

۵۔ سفر نامہ مطبوعۂ برلن (جرمنی)

۶۔ ترجمہ انگریزی سیاحت مصر و شام مترجمہ GUYLE-STRANGE مطبوعۂ لندن ۱۸۹۳ء

۷۔ سفر نامۂ قلمی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ[1]

۸۔ مثنوی روشنائی نامہ مطبوعۂ برلن۔

۹۔ مثنوی سعادت نامہ مطبوعۂ برلن۔

۱۰۔ زاد المسافرین مطبوعۂ برلن۔

۱۱۔ وجہ دین ؍؍

۱۲۔ دیوان ناصر خسرو فارسی مطبوعۂ طہران ۱۳۱۴ھ

۱۳۔ منتخب دیوان ناصر خسرو مطبوعۂ بمبئی

۱۴۔ سرگزشت ناصر خسرو (جو شامل دیوان مطبوعۂ بمبئی ہے) ان کتابوں

---

[1] ان سات سفر ناموں کے علاوہ دو قلمی نسخے موجودہ پیرس لائبریری نمبری ۱۵۴۴ و ۱۵۴۰ بھی گویا پیش نظر تھے۔ کیونکہ سفر نامہ مطبوعہ برلن میں ان نسخوں سے حرف بحرف مقابلہ کر کے اختلاف نسخ حاشیے پر لکھ دیا گیا ہے چنانچہ میں نے ترجمہ کرتے وقت ان حواشی سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔

کے مطالعے کے بعد یہ رائے قایم ہوی کہ ناصر کے سوانح حیات کی بنیاد خود اسی کی تصانیف پر رکھی جائے اور جو کچھ میں نے لکھا ہو بقدر امکان اس کی تصدیق دوسری کتابوں سے بھی کی جائے۔ چنانچہ خدا کا شکر ہو کہ جو اصول قایم کیا گیا تھا اس میں کامیابی ہوئی اور ایک سہ ماہی کی محنت میں مقدمہ مکمل ہو گیا، جو سوانح عمری کی شکل میں نذر ناظرین کیا جاتا ہو۔ لیکن میرا ہرگز یہ دعوی نہیں ہو کہ یہ تذکرہ مکمل ہو۔ البتہ آیندہ زمانے میں ناصر کی بقیہ قلمی تصنیفات شایع ہوئیں تو اس وقت حیات ناصر خسرو پر کسی قدر اضافہ ممکن ہوا لیکن یہ اضافہ بھی مذہبیات تک محدود رہے گا۔

اب انجمن ترقی اردو ہند کی جانب سے علمائے یورپ کی خدمت میں یہ ناچیز ہدیہ پیش کیا جاتا ہو۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاتمے پر میں اپنے عزیز دوست مولوی محمد حسین محوی لکھنوی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی تحریک پر ترجمۂ سفرنامہ بعد تکمیل شایع کیا جاتا ہو۔

اس کے بعد مکرمی ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو کا بھی شکرگزار ہوں جن کی ذات گرامی تمام ہندوستان میں خدمات اردو کے لئے ایک مستقل اکاڈیمی کا درجہ رکھتی ہو۔ اگر مولنا کی علمی قدردانی میری دستگیر نہ ہوتی تو برسوں کے لکھے ہوئے اجزا دیمک کی نذر ہو جاتے، اب خدائے عز و جل سے یہ دعا ہو کہ مثل "البرامکہ" و "نظام الملک طوسی" کے اماالک (ترجمۂ سفرنامہ) کو بھی ملک میں شرفِ قبولیت حاصل ہو۔ آمین۔

المرقوم ۲۷ شوال یوم پنجشنبہ ۱۳۵۹ھ
مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۴۰ عیسوی

خاکسار: محمد عبدالرزاق مترجم و محشی سفرنامہ
مہتمم تاریخ گورنمنٹ بھوپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ دولت سلجوقیہ کا آغاز اور ناصر خسرو کی ملازمت

ابو معین الدین ناصر بن خسرو قبادیانی، مروزی (خدا اس کو توبہ کی توفیق دے) عرض کرتا ہے کہ میرا اصلی پیشہ محرری (ملازمت دفتر انشا) ہے اور من جملہ ملازمان مالی و ملکی کے میں بھی (صدر) دفتر مال کا ایک عہدہ دار تھا۔ اور عرصہ تک خدمت مقررہ (مستوفی الملک) پر ممتاز رہ کر میں نے اپنے ہم عصروں میں بھی خاص شہرت حاصل کی تھی، بعد ازاں ربیع الآخر ۴۳۷ھ (اکتوبر ۱۰۴۵ء) میں افسر مال[۱] (عامل) ہو کر دار الحکومت مرو (شاہ جان) سے روانہ ہوا، اور پنج دیہ[۲] (مضافات مرو رود) میں قیام کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ ابو سلیمان چغری بک داؤد بن میکائیل بن سلجوق صوبہ خراسان کا والی (گورنر) ہے۔

میں جس روز پنج دیہ پہنچا ہوں، وہ راس و مشتری کے قِران کا دن تھا۔ (نجومی کہتے ہیں کہ اس ساعت میں جو مراد مانگو، باری تعالیٰ پوری کرتا ہے) لہٰذا میں نے بھی ایک گوشہ میں جاکر دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی کہ "خداوندا! مجھے بھی اصلی دولت سے مالا مال کر دے۔

(نماز سے فارغ ہو کر) جب میں جلسۂ احباب میں آیا تو ایک صاحب فارسی شعر گنگنا رہے تھے، اس وقت مجھے بھی ایک شعر یاد آیا اور جی چاہا کہ اس

---

[۱] عہدہ کی تشریح ناصر خسرو کی سوانح حیات میں موجود ہے اور الفاظ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

کے پڑھنے کی فرمائش کروں اس لیے ایک کاغذ پر میں نے وہ شعر لکھا۔ لیکن ہنوز پرچہ دینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ میرے دوست نے وہی شعر پڑھنا شروع کیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو میں نے اپنے حق میں مبارک فال سمجھا اور خیال کیا کہ "خداوند تعالےٰ نے میری آرزو پوری کر دی"۔ پھر میں پنج دیہ سے جوزجانان[1] روانہ ہوا اور یہاں تقریبًا ایک مہینہ قیام کیا۔

۲۔ ناصر خسرو کا ایک خواب اور نئی زندگی کا آغاز

میں شراب نوشی کا عادی تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قُوْلُوا الْحَقَّ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ "سچی بات کہو اگرچہ وہ تمھارے حق میں مضر ہی کیوں نہ ہو"۔

ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص مجھ سے کہہ رہا ہے کہ "ناصر! یہ شراب جو انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے، کب تک پیے جاؤ گے؟ اگر آپے میں رہو تو بہتر ہے"۔

میں نے جوابًا عرض کیا کہ "شراب کے سوا حکما نے کوئی ایسی شے ایجاد ہی نہیں کی ہے جو غم غلط کرنے والی ہو"۔ جواب دیا کہ "بیخودی اور بے ہوشی میں بھی کہیں راحت ملتی ہے؟ تم اُس کو حکیم مت کہو جو ہوشیاروں کو متوالا بنا دے بلکہ حکیم سے ایسی شے مانگو جو عقل و ادراک میں اضافہ کر دے"۔ تب میں نے سوال کیا کہ "وہ شے کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے؟" فرمایا "جو ڈھونڈتا ہے وہ پا ہی جاتا ہے" اور قبلہ کی طرف اشارہ کر کے چُپ ہو رہا۔ کن جهد دجهد

جب میں خواب سے بیدار ہوا تو رات کا سماں پیش نظر تھا اس لیے

---

[1] ناصر خسرو افسر مال ہو کر جوزجانان آیا تھا۔ لیکن خواب دیکھتے ہی وہ مکہ معظمہ کو روانہ ہوا اور ملازمت سے استعفا دے دیا۔

مجھ پر پورا اثر ہوا اور دل میں فیصلہ کیا کہ جب میں شب گزشتہ کے خواب سے جاگ چکا ہوں تو خواب چہل[8] سالہ سے بھی آنکھیں کھولنا چاہیے۔ غور کرنے سے سمجھ میں آیا کہ جب تک میں قدیم عادتیں نہ چھوڑوں گا، کبھی روحانی مسرت حاصل نہ ہوگی۔

پنجشنبہ کے دن چھٹی تاریخ جمادی الثانی ۴۳۷ھ (دسمبر ۱۰۴۵ء) مطابق نصف دی سال[9] یزدجردی (سنہ ۴۱۴ فارسی) کو میں نے غسل کیا اور مسجد میں جاکر نماز پڑھی اور دعا کی کہ:-

"او بزرگ و برتر خدا! مجھے توفیق دے کہ واجبات ادا کروں اور منہیات شرعیہ سے باز رہوں، کیونکہ تیرا حکم بھی یہی ہے"

پھر جوزجانان سے شبورغان[9] واپس ہوا، رات کو موضع باریاب[10] (فاریاب) میں قیام کیا۔ یہاں سے سنکلان[11] وطالقان[12] ہوکر مرو رود آیا اور اس منزل سے روانہ ہوکر مرو (شاہ جان) میں داخل ہوا۔ اور ملازمت سے استعفا دے کر جمع خرچ سمجھا دیا اور پوچھنے والوں سے کہہ دیا کہ خانہ کعبہ کا عزم ہے چنانچہ اسباب معیشت سے بقدر ضرورت لے کر باقی سب چھوڑ دیا۔

۳۔ ناصر خسرو کی سیاحت کا آغاز | تیئسویں شعبان ۴۳۷ھ (فروری ۱۰۴۶ء) کو سفر نیشاپور[13] کا قصد کرکے مرو (شاہ جان) سے رخصت ہوا۔ اور تیس[13] فرسنگ طے کرکے سرخس[14] میں پہنچا۔ یہاں سے نیشاپور کا فاصلہ چالیس[4] فرسنگ ہے۔

۴۔ نیشاپور | شنبہ کے دن گیارھویں شوال (اپریل) کو نیشاپور میں داخل ہوا۔ اس مہینہ کے آخری چہارشنبہ کو سورج گہن پڑنے والا تھا۔ طغرل بک محمد برادر چغری بک داؤد بہ حیثیت فرمانروا حکمران تھا۔ اور اس کے حکم سے بازار سراجان کے قریب ایک نئے مدرسہ[15] کی عمارت بن رہی تھی۔

اور وہ خود پہلی مرتبہ اصفہان کی مہم پر گیا ہوا تھا۔

قومس دوسری ذیقعدہ (مئی) کو نیشاپور سے خواجہ[۱۸] موفق (معتمد دارالانشا سلطان طغرل بک سلجوقی) کے ہمراہ کوان[۱۷] کے راستہ سے قومس[۱۸] میں آیا اور حضرت شیخ بایزید بسطامی[۱۹] قدس اللہ روحہ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوا۔

جمعہ کے دن ۸۔ ذیقعدہ کو قومس سے دامغان[۲۰] روانہ ہوا اور غرہ ذی الحجہ ۴۳۷ھ (جون) کو آب[۲۱] خوری و جاشت خوران کے راستہ سے سمنان[۲۲] میں داخل ہوا اور یہاں عرصہ تک قیام رہا۔

علی نسائی اور ناصر خسرو کی گفتگو سمنان میں (لطف صحبت کے لیے) اہل علم کی جستجو کرتا رہا، لوگوں نے ایک شخص کا پتہ بتایا جو استاد علی نسائی[۲۳] کے نام سے مشہور تھا۔ میں اُس کی خدمت میں حاضر ہوا یہ ایک جوان آدمی تھا، کاکلیں شانہ پر پڑی ہوئی تھیں اور دیلمی لہجہ میں فارسی بولتا تھا، سامنے طلبہ کا ہجوم تھا۔ ایک جماعت اقلیدس پڑھ رہی تھی، دوسری طب، تیسری حساب۔ اور دورانِ تقریر میں یہ بھی کہتا جاتا تھا کہ "میں نے استاد ابوعلی سینا[۲۴] رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح پڑھا ہے اور یوں ہی سنا ہے" اس جملہ سے حضرت کی یہ غرض تھی کہ مجھے معلوم ہو کہ وہ حکیم بوعلی سینا کا شاگرد ہے۔ استاد علی نسائی سے جب میرا مباحثہ شروع ہوا، تو کہنے لگا کہ میں مطلق حساب نہیں جانتا ہوں، اس لیے آرزو ہے کہ کسی قدر حساب پڑھوں۔ یہ سن کر مجھے تعجب ہوا اور حلقہ درس سے اٹھ کر چلا آیا اور خیال کیا کہ جب یہ خود ہی کچھ نہیں جانتا ہے، تو وہ دوسروں کو کیا سکھائے گا؟

میرے تخمینے کے مطابق بلخ[۲۵] سے رے[۲۶] تک ساڑھے تین سو فرسنگ کی مسافت ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ رے سے ساوہ[۲۷] تین[۳۰] فرسنگ ہے اور ساوہ سے

ہمدان[۲۸] بھی اسی قدر ہی اور رے سے سپاہان (اصفہان) پچاس فرسنگ ہی اور آمل[۲۹] سے تیس[۳۰] فرسنگ ہی۔ رے اور آمل کے مابین کوہ دماوند[۳۱] مثل ایک گنبد کے نمایاں ہی جس کو لواسان کہتے ہیں (دماوند یا لواسان کوہ البرز کی شاخ ہی)

معدنیات دماوند بیان کیا جاتا ہی کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک کنواں ہی جس سے نوشادر (نوسادر) نکلتا ہی اور گندھک بھی۔ ملکی باشندے بیل کا چرسہ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اس میں نوشادر بھر کر پہاڑ کی چوٹی سے ڈھلکا دیتے ہیں، کیونکہ پہاڑی راستہ سے اس کا لانا غیر ممکن ہی۔

پانچویں محرم ۴۳۸ھ (جولائی ۱۰۴۶ء) مطابق مرداد ۴۱۵ ف کو میں جانب قزوین[۳۲] روانہ ہوا۔ اور موضع قوہہ[۳۳] میں پہلی منزل ہوئی۔ اس زمانہ میں یہاں قحط تھا، پونے دو[۱] سیر جو کی روٹی دو[۲] درہم (آٹھ آنے) کو بکتی تھی۔

قزوین یہاں سے آگے بڑھا۔ نویں محرم کو قزوین پہنچا۔ اس شہر میں باغات کی افراط ہی مگر باغوں میں چار دیواری (فصیل) کا دستور نہیں ہی۔ اور نہ کانٹوں کا جنگلہ (خاربندی) لگایا جاتا ہی، لیکن باغات کے اندر جانے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ تھی۔

قزوین خوبصورت شہر ہی جس کی فصیل مضبوط ہی اور اس پر کنگرے بنے

---

[۱] اصلی جملہ یہ ہی کہ "آنجا یک من نان جو بدو درہم میدادند" عراق عجم میں من کی مقدار ناصر خسرو کے زمانہ میں ۳½ پونڈ (پونے دو سیر) تھی۔ اور تمام سفرنامہ میں ہزاروں من کی مقدار اسی حساب سے ہی۔ لہٰذا جہاں ضرورت ہو اسی معیار سے حساب لگایا جائے۔ ایران میں ایک خچر یا گدھا سو من بوجھ لے جاتا ہی جس کو خروار، خربار یا بارخر کہتے ہیں ۱۰۰ شہد میں ۶۴۹ پونڈ، ۳۲۴½ سیر یا آٹھ من ۴¼ سیر کے برابر ہوتا ہی۔ (از خیابان فارس)

[۲] ایک درہم کم از کم چار آنے کا تسلیم کیا گیا ہی۔ یہ نقرئی سکہ تھا۔

ہوئے ہیں، بازار بھی اچھے ہیں، البتہ پانی کی قلت ہے اور کاریزوں (زمین دوز نہریں) پر بہم رسی منحصر ہے۔ حاکم شہر ایک علوی تھا اور صناعوں میں سب سے زیادہ جوتے بنانے والے تھے۔

ایک بقال کی احمقانہ گفتگو

بارھویں محرم ۴۳۸ھ کو دبیل و قبان[۳۵] کے راستے سے میں قزوین سے روانہ ہوا، اور ایک موضع میں جس کو خرزویل[۳۶] کہتے ہیں پہنچا۔ میرا چھوٹا بھائی (خواجہ ابوسعید) اور ایک ہندوستانی چھوکرا ساتھ تھا۔ سامان خوراک میں کمی ہو گئی تھی لہذا ابوسعید بقال[۱] سے کچھ چیزیں خریدنے کے لیے گانوں میں گیا۔ ایک شخص نے کہا میں بقال ہوں، فرمائیے! ابوسعید نے کہا ہم مسافر ہیں، سب ہی چیزوں کی ضرورت ہے، پھر کھانے کی ایک ایک چیز کا نام لے کر دریافت کیا تو جواب دیا کہ ان میں سے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد جہاں کہیں کوئی شخص ایسی باتیں کرتا تو ہم یہی کہتے کہ یہ خرزویل کا بقال ہے۔

طارم

خرزویل سے آگے کا راستہ بہت ڈھلوان تھا، تین فرسنگ کے بعد علاقہ طارم[۳۷] کا ایک گانو ملا جس کا نام برزالخیر[۳۸] تھا، یہ گرم سیر مقام تھا انار و انجیر کے درخت بکثرت تھے۔ جن میں سے اکثر خودرو تھے۔ یہاں سے چل کر ایک ندی ملی، جس کا نام شاہ رود تھا اور اس ندی کے کنارے گانو آباد تھا، جس کو خنداں کہتے تھے۔ یہاں محصول لیا جاتا تھا، یہ علاقہ ملک الملوک (از خاندان سلاطین دیلم) کے قبضے میں تھا۔

دریائے آبسکون کی مشہور ندیاں اور جزیرے شاہ رود[۳۹]، خنداں سے

---

[۱] ممالک ایران میں بقال بہ معنی سبزی فروش ہے۔ اور ہندوستان میں غلہ فروش کو کہتے ہیں حالانکہ اس معنی میں صحیح لفظ بدال ہے۔

آگے بڑھ کر دوسری ندی میں مل جاتی ہی جس کو سپیدرود کہتے ہیں اور یہ دونوں ندیاں مل کر ایک پہاڑی درے میں گرتی ہیں جو کوہ گیلان کے پورب جانب واقع ہی اور گیلان سے آگے چل کر یہ ندیاں دریائے آبسکون[1] میں مل جاتی ہیں۔

مشہور ہی کہ چودہ سو (۱۴۰۰) ندیاں، آبسکون میں گرتی ہیں اور یہ دریا بارہ سو (۱۲۰۰) فرسنگ تک بہتا ہوا چلا گیا ہی جس میں جزائر بھی ہیں اور بڑی آبادی ہی۔ میں نے یہ روایتیں متعدد اشخاص سے سُنی ہیں۔ (اب میں پھر اپنے سفر کی داستان شروع کرکے کام میں مصروف ہوتا ہوں)۔

شمیران خنداں سے شمیران تک تین فرسنگ کا ایک چھوٹا سا جنگل ہی جو بالکل پتھریلا ہی اور شمیران، علاقہ طارم کا ایک قصبہ ہی۔ آبادی کے کنارے ایک بلند قلعہ ہی، جس کی بنیاد ایک پہاڑی چٹان پر ہی اور اس کے گرد تہری فصیل ہی اور قلعہ کے وسط سے ندی کے کنارے تک آب رسانی کے لیے ایک کاریز کاٹ کرے گئے ہیں۔ اور اس قلعہ میں سرحدی قبائل کے سرداروں کے ایک ہزار (۱۰۰۰) لڑکے (بطور یرغمال یا اُول) موجود رہتے ہیں تاکہ کوئی سردار بغاوت نہ کرسکے۔ ولایت دیلم میں اس امیر کے بہت سے قلعے بیان کیے جاتے ہیں، انصاف اور امن وچین کا یہ حال ہی کہ تمام ملک میں کسی کی یہ مجال نہیں ہی کہ کسی سے جبرًا کچھ وصول کرسکے اور جامع مسجد میں جس قدر نمازی آتے ہیں وہ سب مسجد کے باہر جوتے چھوڑ آتے ہیں اور کوئی جوڑا چوری نہیں جاتا[1]۔

امیر ابراہیم ملقب بہ جستان والیِ جبال طبرستان یہ امیر اپنا نام کاغذات سرکاری میں اس طرح پر لکھتا ہی۔ مَرزبان[1] الدیلم

[1] مساجد سے جوتوں کی چوری زمانہ قدیم سے جاری ہی اور ہندستان میں یہ چوری عام طور سے ہوتی تھی ناصر خسرو کے نزدیک مسجد کے باہر سے جوتے چوری نہ جانا بہترین سیاست اور انتظام حکومت ہی۔

خیل جیلان[۴۲] ابوصالح مولیٰ میر المومنین۔ اور امیر کا نام جستان ابراہیم ہے۔

شمیران میں ایک مرد صالح سے ملاقات ہوئی جو دربند[۴۳] کا باشندہ تھا، اس کا نام ابوالفضل خلیفہ بن علی الفیلسوف تھا۔ یہ بہت خلیق تھا، جس نے میرے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا۔ میرا اس کا مباحثہ بھی ہوا کرتا تھا اور باہم دوستی ہوگئی تھی، ایک دن مجھ سے پوچھا کہاں کا قصد ہے؟ میں نے کہا "خانہ کعبہ کی نیت کر چکا ہوں" یہ سن کر بولا "میری آرزو ہے کہ واپسی کے وقت اسی راستہ سے جانا کہ دوبارہ لطف ملاقات حاصل ہو" چھبیسویں محرم کو شمیران سے چل کر چودہ[۴۱] صفر کو شہر سراب[۴۴] میں داخل ہوا اور سولھویں صفر کو یہاں سے روانہ ہوکر سعید[۴۵] آباد کے راستے سے بیسویں صفر ۴۳۸ھ (اگست ۱۰۴۶ء) کو تبریز[۴۶] پہنچا، آج شہر یور یزدجری (ستمبر) کی پانچویں تاریخ تھی۔

تبریز

تبریز صوبہ آذربائجان کا ایک شہر ہے۔ اور خوب آباد ہے۔ میں نے اس کی پیمائش کی تو طولاً و عرضاً چودہ سو قدم تھا۔

ملک الملوک امیر ابومنصور وہسوان فرمانروائے آذربائجان

فرمانروائے آذربائجان کا نام خطبہ میں اس طرح پڑھا جاتا ہے "الامیر الاجل سیف الدولہ، شرف الملۃ ابو منصور وہسودان بن محمد مولیٰ امیر المومنین"

باشندگان شہر سے معلوم ہوا کہ پنجشنبہ کی رات میں نماز عشا کے بعد سترھویں تاریخ ربیع الاول ۴۳۴ھ (اکتوبر ۱۰۴۲ء) کو (ایام مسترقہ[۱] میں) یہاں زلزلہ آیا تھا جس میں شہر کا کوئی حصہ تو تباہ ہوگیا تھا اور کوئی حصہ محفوظ رہ گیا تھا، تاہم بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار انسان ہلاک ہوئے تھے۔

---

[۱] ایام مسترقہ کے لیے نوٹ ۵۳ سستہ یزدجردی ملاحظہ ہو

قطران شاعر سے ملاقات تبریز میں قطران[۴۷] شاعر سے ملاقات ہوئی۔ یہ شعر تو خوب کہتا تھا مگر فارسی زبان اچھی نہیں جانتا تھا۔ جب مجھ سے ملنے آیا تو دیوان منجیک[۴۸] اور دیوان دقیقی[۴۹] ساتھ تھا چنانچہ ان میں سے اشعار سنائے اور مشکل الفاظ کے معنی حل کر کے لکھ لیے اور اپنے شعر بھی سنائے۔

چودھویں ربیع الاول (ستمبر ۱۰۴۶ء) کو مرند[۵۰] کے رات سے امیر وہسودان کی فوج کے ہمراہ روانہ ہوا اور خوئی پہنچ کر ایک رہنما کے ہمراہ برکری[۵۱] تک آیا خوئی سے برکری تیس[۵۲] فرسنگ ہے۔

بارھویں جمادی الاول (نومبر) کو میں برکری میں داخل ہوا (صوبہ آذربائیجان[۵۳] ختم ہو گیا) اور یہاں سے وان[۵۴] اور وسطان میں پہنچ گیا۔

وان بازار میں بکری کے گوشت کی جگہ سُور کا گوشت فروخت ہو رہا تھا اور شراب کی دکانوں پر مرد اور عورتیں علانیہ شراب نوشی میں مصروف تھیں، یہاں سے چل کر اٹھارھویں جمادی الاول کو اخلاط پہنچا۔

اخلاط اسلامی اور ارمنی[۵۵] علاقہ کا اخلاط[۵۶] سرحدی شہر ہے۔ برکری سے یہاں تک انیس فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اخلاط میں ایک امیر رہتا تھا جس کو نصر الدولہ کہتے تھے اس کی عمر سو سال سے زیادہ تھی اور کثیر الاولاد تھا اور ہر لڑکے کو جدا گانہ شہروں کی حکومت دے رکھی تھی۔

اخلاط میں عربی، فارسی، ارمنی تینوں زبانیں بولی جاتی تھیں اور میرا گمان ہے کہ اختلاط زبان کی وجہ سے اس شہر کا نام اخلاط ہے، یہاں لین دین پول[۵۷] سے ہوتا ہے اور رطل[۵۸] کی مقدار تین سو درہم ہے۔

بیسویں جمادی الاول کو اخلاط سے چل کر ایک مہمان خانہ (رباط) میں ٹھیرا برف گر رہی تھی اور شدت کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ شہر سے نکل کر جنگل میں تھوڑے تھوڑے

فاصلہ پر زمین میں لکڑیاں گڑی تھیں تاکہ برف باری اور کہر کے دن مسافر اسی نشان پر چلیں۔

بطلس اخلاط سے بطلس[۵۹] میں آیا، یہ شہر ایک پہاڑی درے میں آباد کیا گیا ہے یہاں میں نے تین من تین سیر شہد ایک دینار میں خرید کیا اور یہ وہ نرخ ہے جس پر میرے ہاتھ فروخت کیا گیا تھا، لوگوں کا بیان تھا کہ اس شہر میں ایک تاجر ہے جو تمام سال میں تین چار سو شکیں شہد بھر لیتا ہے۔ پھر ہم یہاں سے روانہ ہوئے راستہ میں ایک قلعہ دیکھا جس کو قف انظر[۶۰] کہتے تھے، یہاں سے چل کر ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک مسجد تھی اور جس کی نسبت مشہور تھا کہ وہ حضرت اویس[۶۱] قرنی قدس اللہ روحہ کی تعمیر کردہ ہے۔

عرعر یا سرو کوہی اس نواح میں دیکھا کہ لوگ پہاڑوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور ایک لکڑی جو درخت سرو سے مشابہ تھی کاٹ کر جمع کرتے ہیں، میں نے پوچھا یہ کس کام آتی ہے؟ جواب دیا کہ ہم اس کو ایک سرے سے جلاتے ہیں جس کے دوسرے سرے سے قطران[۶۲] (روغن چیڑ) نکلتا ہے جس کو اوّل ہم ایک حوض میں جمع کرتے ہیں پھر برتنوں میں بھر لیتے ہیں (اور فروخت کے لیے) دوسرے شہروں میں لے جاتے ہیں۔

اخلاط کے بعد جن مقامات کا یہاں مختصر ذکر کیا گیا ہے وہ سب علاقہ میا فارقین[۶۳] میں داخل ہے۔

ارزن یہاں سے شہر ارزن[۶۴] میں آیا، یہ خوبصورت اور آباد شہر ہے۔ پانی کے چشمے، باغات اور درختوں کی کثرت ہے اور بازار بھی اچھے ہیں، ماہ آذر (دسمبر) میں سات من دو سیر انگور ایک دینار میں فروخت ہوتے ہیں۔

---

۵۹ اس کا لفظی ترجمہ فارسی میں بالیست دبنگر ہے اور اردو میں ٹھیر، دیکھ۔

جس کا نام رزائے[۶۵] مانوش (قیصرار مانوش کا انگور) ہی۔

میّافارقین ارزن سے میّافارقین میں داخل ہوا، اخلاط سے میّافارقین تک اٹھائیس فرسنگ کا فاصلہ ہی اور بلخ سے میّافارقین (جس راستے میں آیا تھا) تک پان سو باون فرسنگ کی مسافت ہی۔

جمعہ کا دن اور چھبیسویں تاریخ جمادی الاوّل کی تھی ان دنوں میں درختوں کے پتّے سبز تھے۔ ایک زبردست فصیل سنگِ سفید کی بنی ہوی تھی جس کا ہر پتّھر وزن میں تقریبًا ۱۰۰ من ہوگا اور ہر پچاس گز کے فاصلے پر مذکورہ بالا پتّھر کا ایک بڑا برج بنا ہوا تھا اور تمام کنگروں کی کلسیاں برقرار تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی معمار کام کرکے اُٹھا ہی۔

شہر میں جانب مغرب آمد ورفت کے لیے ایک ہی دروازہ ہی جس میں پتّھر کی ایک شاندار محراب ہی اور لوہے کا پھاٹک نصب ہی جس میں لکڑی کا نام نہیں ہی اور جامع مسجد[۱] بھی ہی۔ اگر اس کی تعریف لکھوں تو طوالت سے خالی نہیں مختصر[۲] یہ ہی کہ مسجد کا وضوخانہ اس قدر بڑا ہی جس میں چالیس سے زیادہ حجرے ہیں۔ شہر کے ہر گھر میں دو بڑی نہریں جاری ہیں، ایک کا پانی اوپر کے کاموں میں صرف ہوتا ہی اور دوسری نہر زمین کے نیچے بہتی ہی جو تہ نشین اشیا اور حوضوں

---

[۱] عرب اور عجم میں ہر مسجد کو جامع کہتے ہیں اور ہندوستان میں جامع مسجد سے صرف وہ مسجد مُراد ہوتی ہی جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہو، لہٰذا مسجد آدینہ کا ترجمہ ہر جگہ جامع مسجد کیا گیا ہی۔

[۲] اصل عبارت یہ ہی "بالجملہ متوضائے درآن مسجد ساختہ اند کہ چہل حجرہ در بیش است"۔ یہ وضوخانہ ایک بڑے دالان کے اندر ہوگا جس میں پانی کی حفاظت کے لیے غسل خانوں کی طرح جوڑیاں چڑھی ہوں گی اور کھلا ہوا حوض ہوگا جیسا کہ جامع مسجد دہلی وغیرہ میں ہیں یا حوض بند ہوگا اور اس میں وضو کے لیے ٹونٹیاں لگی ہوں گی۔ بہرحال مسجد کے اندر وضوخانہ ایک مستقل عمارت کی شکل میں تھا۔ مترجم

کو صاف کرتی ہو اور فصیل کے باہر بھی سرائیں بازار اور حمام موجود ہیں اور ایک دوسری مسجد ہو جہاں جمعہ کی بھی نماز ہوتی ہو اور شمال کی طرف ایک اور آبادی ہو جس کو محدثہ (نیا شہر) کہتے ہیں اور اس میں بھی خاص ترتیب سے بازار اور مسجد اور متعدد حمام موجود ہیں۔

امیر ابو نصر احمد کردی حمیدی فرماں روائے دیار بکر

فرماں روا کا نام خطبہ میں اس طرح پڑھا جاتا ہو: "الامیر[۶۶] الاعظم عز الاسلام سعد الدین نصر الدولہ وشرف الملۃ ابو نصر احمد"۔ سلطان کی عمر سنو برس کی ہو۔ یہاں کا آٹھ رطل، چار سو اسی[۶۷] درہم کے برابر ہو۔ میا فارقین سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر سلطان نے ایک نیا شہر آباد کیا ہو جس کا نصریہ[۶۷] نام رکھا ہو اور آمد سے میا فارقین تک ۹ فرسنگ کا فاصلہ ہو۔

آمد

دی (جنوری) کی چھٹی تاریخ کو میں شہر آمد[۶۸] میں پہنچا۔ یہ پورا شہر ایک پتھریلی چٹان پر آباد ہو جو طولاً و عرضاً دو ہزار قدم ہوگا اور فصیل سیاہ پتھر کی ہو جس میں تین من سے سنتیس من تک کے ترشے ہوئے پتھر لگے ہیں۔ اکثر یہ پتھر اس طرح وصل ہیں جن میں مٹی اور چونہ کی جوڑائی کا پتہ نہیں ہو۔

دیوار کی اونچائی بیس[۱] ہاتھ اور عرض دس ہاتھ ہو اور ہر سو گز کے فاصلہ پر ایک برج بنایا ہو، جس کا نصف دائرہ اسی گز کا ہو اور اسی سیاہ پتھر کے کنگرے بھی ہیں۔

---

[۱] ناصر نے ہاتھ کے معنی میں آرش کا لفظ استعمال کیا ہو جس کی مقدار کہنی سے انگلیوں تک ہو اور (ارش) عربی گز (ذراعہ) کے مطابق ہو۔ لیکن عمارتوں کی پیمائش میں ذراع سے مکعب مراد ہو یعنی طول، عرض وارتفاع۔ ملاحظہ ہو تفصیل عمارات بیت المقدس۔ مترجم

شہر کے اکثر مقامات پر پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں، جن کے ذریعہ سے فصیل پر چڑھ سکتے ہیں۔ اور ہر برج پر لڑائی کے مورچے تعمیر ہیں۔ شہر میں چار دروازے ہیں جن میں خالص لوہے کے پھاٹک نصب ہیں اور ہر دروازہ کا رخ جنوب میں سے ایک سمت کی طرف ہے۔ چنانچہ شرقی دروازہ کا نام بابُ اللہ جلہ، مغربی کا بابُ الرُوم، شمالی کا باب الارمن۔ اور جنوبی کا باب التّل ہے۔ اور اس دیوار کے باہر دوسری فصیل بھی اسی پتھر کی موجود ہے، جس کی اونچائی دس گز ہے۔ پوری دیوار پر کنگورے ہیں۔ اور پھر کنگوروں کے اندر سے ایسا راستہ بنایا ہے۔ جس میں سے مسلح سپاہی نکل جاتا ہے۔ اور کھڑا ہو کر آسانی سے لڑ سکتا ہے۔

اس دوسری بیرونی دیوار میں بھی لوہے کی جوڑیاں چڑھی ہوئی ہیں جس کے دروازے اندرونی دروازوں کے مخالف سمت پر نصب ہیں لہٰذا جب پہلی دیوار کے دروازوں سے داخل ہوں تو اوّل فصیل کے ایک حصّہ کو طے کرنا پڑتا ہے اس کے بعد دوسری دیوار کے دروازہ تک پہنچتے ہیں اور اس فصیل کی چوڑائی پندرہ گز ہے۔ شہر کے اندر پانی کا ایک خوش نما چشمہ ہے جو ایک چٹان سے نکلتا ہے جس[2] کا محیط پانچ چکیوں کے برابر ہوگا یا یہ کہ اس میں پانچ چکیاں چل سکتی ہیں، مگر کسی کو علم نہیں ہے کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہے اور شہر کے تمام باغات کا نشوونما اسی چشمہ سے ہے۔

امیر نصر الدولہ مذکور کا ایک لڑکا شہر کا حاکم ہے۔ میں نے عرب، عجم،

---

[1] اکثر ایشیا کے شہروں کی آبادی اس طرح پر تھی کہ ایک شہر فصیل کے اندر آباد ہوتا تھا اور دوسرا فصیل کے باہر اور فصیل کہیں ایک ہوتی تھی اور کہیں دو تین اور ہر ایک کے اندر جداگانہ آبادی ہوتی تھی جس کی تصدیق اس سفرنامہ سے بھی ہوتی ہے۔

[2] اصل عبارت یہ ہے " چشمہ الیست کہ از سنگ خارا بیروں می آید، مقدار پنج آسیا گردابے "۔

ہندوستان، اور ترکستان کے بکثرت شہر و قلعے دیکھے ہیں لیکن اطراف عالم میں آمد سے بہتر کوئی شہر نظر نہیں آیا۔ اور نہ کسی سیاح نے مجھ سے بیان کیا کہ آمد جیسا شہر کہیں اور بھی ہی۔

آمد کی مسجد مسجد بھی اسی سیاہ پتھر کی ہی، جس سے زیادہ سڈول اور مضبوط ہونا غیر ممکن ہی۔ اس مسجد میں کچھ اوپر دو سَو پتھر کے ستون ہیں اور ہر ستون ایک ڈال پتھر کا ہی، پھر ہر ستون پر سنگی محراب ہی اور پھر ان سنگی محرابوں پر بھی چھوٹے چھوٹے ستون ہیں جو پہلی قطار سے چھوٹے ہیں، اس کے بعد بڑی محراب پر ایک دوسری قطار اور ہی اور یہ دو منزلہ[1] مسجد (باستثنائے پشتہ) پٹی ہوئی ہی اور مسجد میں جس قدر لکڑی و پتھر کا کام ہی وہ سب نقشی و روغنی ہی۔ صحن مسجد میں ایک بڑا پتھر رکھا ہوا ہی جس کے اوپر ایک بہت بڑا گول، سنگین حوض تراش کر رکھ دیا ہی جس کی اونچائی ایک قد آدم اور محیط دس گز ہی اور وسط حوض میں پیتل کی ٹونٹی لگی ہوئی ہی جس سے صاف ستھرا پانی بذریعہ فوّارہ نکلتا رہتا ہی۔ اور پتہ نہیں چلتا کہ یہ پانی کہاں سے آتا ہی اور کدھر جاتا ہی۔ مسجد کا وضو خانہ نہایت وسیع ہی اور ایسا خوبصورت بنایا ہی کہ اس سے بہتر ہونا مشکل ہی، ہاں یہ بات ضرور ہی کہ آمد کی تمام عمارتیں سنگ سیاہ کی ہیں اور میّا فارقین کی سنگ سفید کی۔

آمد کا کلیسا مسجد کے قریب ایک بڑا گرجا ہی جس کی پوری شاندار عمارت پتھر کی ہی اور فرش بھی سنگ مرمر کا ہی جس پر نقاشی کی گئی ہی اور قربان گاہ (محل عبادت) پر لوہے کا ایک جالدار دروازہ لگایا ہی جس سے زیادہ خوبصورت دروازہ میں نے کہیں نہیں دیکھا ہی۔ شہر آمد سے حرّان کو دو سڑکیں جاتی ہیں، ان میں سے ایک تو بالکل ویران ہی جس کی مسافت چالیس فرسنگ ہی اور دوسری

---

[1] یہ دو منزلہ مسجد ہوگی جس طرح بمبئی وغیرہ میں دو منزلہ مساجد موجود ہیں۔

آبادہے جس کے کنارے بکثرت مواضعات ہیں اور ان میں اکثر عیسائیوں کی آبادی ہے۔ اس سڑک کا طول ساٹھ فرسنگ ہے۔ میں اسی آبادراستہ سے ایک قافلہ کے ہمراہ گیا تھا۔ جنگل تو ہموار تھا مگر پتھروں کی یہ کثرت تھی کہ باربرداری کے جانور ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتے تھے۔

حرّان جمعہ کے دن پچیسویں جمادی الآخر ۴۳۸ھ کو حرّان[۶۹] میں داخل ہوا۔ دی جنوری کی دوسری تاریخ تھی، لیکن پھر بھی یہاں ایسی ہوا چل رہی تھی جیسے خراسان میں بزمانہ نوروز چلا کرتی ہے۔

قردی حرّان سے رخصت ہو کر شہر قردی[۷۰] میں پہنچا اور ایک فیاض شخص کا مہمان ہوا۔ یہاں ایک بدوی عرب میرے پاس آیا جو ساٹھ برس کا بوڑھا خرانٹ تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ قرآن پڑھا دو۔ میں اس کو "قل اعوذ برب النّاس" پڑھاتا تھا اور وہ میرے الفاظ دہراتا تھا۔ جب میں نے کہا "من الجنة والنّاس" تو کہنے لگا کہ "اس کے بعد ارأیت النّاس بھی کہوں" میں نے کہا کہ "یہ سورۃ صرف اسی قدر ہے" پھر پوچھا کہ "نقالة الحطب" کون سورۃ ہے؟ کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ سورۃ تبّت میں حمالة الحطب ارشاد ہوا ہے، نہ کہ نقالة الحطب۔ چنانچہ تمام رات میں یہ ساٹھ برس کا بوڑھا بدّو سورہ قل اعوذ برب النّاس یاد نہ کر سکا۔

(۵) ناصر خسرو ملک شام میں

جمعہ کے دن دوسری رجب ۴۳۸ھ (۲ جنوری ۱۰۴۷ء) کو شہر سروج[۷۱] میں داخل ہوا۔

سروج و منبج اور دوسرے دن دریائے فرات[۷۲] سے پار اتر کر منبج[۷۳] پہنچا۔ شام[۷۴] کے شہروں میں یہ سب سے پہلا شہر ہے، بہمن فروری کا ابتدائی زمانہ تھا، ہوا

نہایت خوشگوار تھی، شہر کے باہر کسی قسم کی عمارت نہ تھی، منبج سے حلب کو روانہ ہوا۔ میاّفارقین سے حلب تک سو فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

حلب

حلب[۵] مجھے خوبصورت نظر آیا، اس کی فصیل زبردست ہے جس کی بلندی تقریباً پچیس ہاتھ ہوگی۔ اور ایک زبردست قلعہ پہاڑی چٹان پر ہے، حلب چھاؤنی بلخ کی طرح خوب آباد ہے اور عمارتیں گنجان ہیں۔ ممالک شام، روم، دیار بکر، اور عراق کا یہ شہر پرمٹ خانہ (کسٹم ہاؤس[ل]) ہے اور ان جملہ ممالک سے سوداگر یہاں آتے ہیں۔ حلب میں چار دروازے حسب ذیل ہیں۔ باب الیہود، باب اللہ باب الجنان، باب انطاکیہ۔ یہاں کا بازاری باٹ یعنی رطل[۶] ظاہری چار سو[۷] اسّی درہم (تقریباً ۳½ پونڈ) کا ہے۔ اور حلب سے جب جنوب کی طرف جاؤ تو بیس فرسنگ پر حماۃ ملتا ہے، بعد ازاں حمص[۸] اور حلب سے دمشق[۹] تک پچاس فرسنگ کا فاصلہ ہے اور حلب سے انطاکیہ[۱۰] بارہ فرسنگ ہے اور اسی قدر طرابلس (ٹری پولی) ہے۔ کہتے ہیں کہ حلب سے قسطنطنیہ دوسو فرسنگ ہے۔

سَرمِین

گیارھویں رجب (۱۱ر جنوری) کو میں شہر حلب سے روانہ ہوا، تین فرسنگ کی مسافت پر ایک گانو ملا جس کو جُند قنسرین[۱۱] کہتے ہیں۔ دوسرے دن چھ فرسنگ چل کر شہر سرمین[۱۲] میں پہنچا، جس میں فصیل نہ تھی۔

پھر چھ فرسنگ آگے بڑھ کر مَعرۃ النعمان[۱۳] ملا، جس کی فصیل پختہ تھی، یہ آباد شہر ہے۔

مَعرّۃ النعمان

شہر کے دروازہ پر ایک پتھر کا ستون نصب ہے جس پر کچھ لکھا ہوا تھا، مگر رسم خط عربی نہ تھا۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس کو طلسم کژدمی کہتے ہیں جس کی وجہ سے

ل دفتر سائر، چونگی اور کرور گیری بھی کہتے ہیں۔

بچھو اس شہر میں نہیں آتا ہی اور اگر باہر سے لاکر یہاں چھوڑ دیں تو بھاگ جاتا ہی اور پھر پلٹ کر شہر میں نہیں آتا۔ اس پتھر کا طول تقریبًا دس ہاتھ ہو گا۔ بازار بہت آباد ہیں، جامع مسجد وسط شہر میں بلندی پر واقع ہی جس میں ہر سمت سے نمازی داخل ہوتے ہیں، تیرہ[۱۳] سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ صرف گیہوں کی کاشت ہوتی ہی اور افراط سے پیدا ہوتا ہی۔ انجیر، زیتون، پستہ، بادام، اور انگور بکثرت ہوتا ہی۔ شہر والے برسات (حوضوں میں جمع کیا ہوا) اور کنوؤں کا پانی پیتے ہیں۔

نامور ادیب وشاعر ابوالعلاء معرّی

اس شہر میں ایک نابینا تھا جس کو ابوالعلا[۵۳] معری کہتے تھے، اور وہی شہر کا حاکم تھا۔ مال و دولت غلام اور کارندے بکثرت تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سارا شہر اس کا غلام تھا، درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا، لباس میں ایک کملی تھی، اور غذا میں تین پاؤ (قدرے زائد) جَو کی روٹیاں۔ اس کے سوا کچھ نہ کھاتا تھا، اور گھر میں بیٹھا رہتا تھا یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے مکان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہی، نائب اور نوکر شہر کا انتظام کرتے ہیں صرف اہم معاملات میں مشورہ کر لیتے ہیں۔ اس کی دولت وقفِ عام ہی، اور ذاتی حالت یہ ہی کہ ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات عبادت کرنا اور دنیا کے کسی کام میں مشغول نہ ہونا۔

ابوالعلا فن شعر اور ادب میں کامل ہی۔ شام، مغرب اور عراق کے نامور علما مُقر ہیں کہ اس عہد میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں ہوا اور نہ اس وقت موجود ہی اس کی ایک کتاب الفصول والغایات ہی جس میں رموز واشارات ہیں اور فصیح وغریب الفاظ میں مثالیں بیان کی گئی ہیں اور ہر شخص برائے نام مسائلِ کتاب سے واقف ہو سکتا ہی (اور کل کتاب پر عبور نہیں ہو سکتا) البتہ وہ شخص کہ جو خود اس سے پڑھے،

نہایت خوشگوار تھی، شہر کے باہر کسی قسم کی عمارت نہ تھی، منبج سے حلب کو روانہ ہوا۔ میا فارقین سے حلب تک ۱۰۰ فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

حلب حلب[۵] مجھے خوبصورت نظر آیا، اس کی فصیل زبردست ہے جس کی بلندی تقریباً پچیس ہاتھ ہوگی۔ اور ایک زبردست قلعہ پہاڑی چٹان پر ہے، حلب چھاؤنی بلخ کی طرح خوب آباد ہے اور عمارتیں گنجان ہیں۔ ممالک شام، روم، دیار بکر، اور عراق کا یہ شہر پرمٹ خانہ (کسٹم ہاؤس[۱]) ہے اور ان جملہ ممالک سے سوداگر یہاں آتے ہیں۔ حلب میں چار دروازے حسب ذیل ہیں۔ باب الیہود، باب اللہ باب الجنان، باب انطاکیہ۔ یہاں کا بازاری باٹ یعنی رطل[۱] ظاہری چار سو[۴] اسی درہم (تقریباً ۳½ پونڈ) کا ہے۔ اور حلب سے جب جنوب کی طرف جاؤ تو بیس فرسنگ پر حماۃ ملتا ہے، بعد ازاں حمص[۲] اور حلب سے دمشق[۳] تک پچاس فرسنگ کا فاصلہ ہے اور حلب سے انطاکیہ[۹] بارہ فرسنگ ہے اور اسی قدر طرابلس (ٹری پولی) ہے۔ کہتے ہیں کہ حلب سے قسطنطنیہ دو سو فرسنگ ہے۔

سَرمین گیارھویں رجب (۱۱ر جنوری) کو میں شہر حلب سے روانہ ہوا، تین فرسنگ کی مسافت پر ایک گانو ملا جس کو جُند قنسرین[۱] کہتے ہیں۔ دوسرے دن چھ فرسنگ چل کر شہر سرمین[۱۵] میں پہنچا، جس میں فصیل نہ تھی۔

پھر چھ فرسنگ آگے بڑھ کر معرۃ النعمان[۳۲] ملا، جس کی فصیل پختہ تھی، یہ آباد شہر ہے۔

معرّۃ النعمان شہر کے دروازہ پر ایک پتھر کا ستون نصب ہے جس پر کچھ لکھا ہوا تھا، مگر رسم خط عربی نہ تھا۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس کو طلسم گژدمی کہتے ہیں جس کی وجہ سے

---

[۱] دفتر سائر، چونگی اور کروڑگیری بھی کہتے ہیں۔

بچھو اس شہر میں نہیں آتا ہی اور اگر باہر سے لاکر یہاں چھوڑ دیں تو بھاگ جاتا ہی اور پھر پلٹ کر شہر میں نہیں آتا۔ اس پتھر کا طول تقریباً دس ہاتھ ہوگا۔ بازار بہت آباد ہیں، جامع مسجد وسط شہر میں بلندی پر واقع ہی جس میں ہر سمت سے نمازی داخل ہوتے ہیں، تیرہ[۱۳] سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ صرف گیہوں کی کاشت ہوتی ہی اور افراط سے پیدا ہوتا ہی۔ انجیر، زیتون، پستہ، بادام، اور انگور بکثرت ہوتا ہی۔ شہر والے برسات (حوضوں میں جمع کیا ہوا) اور کنوؤں کا پانی پیتے ہیں۔

ناموراديب وشاعر ابو العلا معرّی

اس شہر میں ایک نابینا تھا جس کو ابو العلا[۵۴] معرّی کہتے تھے، اور وہی شہر کا حاکم تھا۔ مال و دولت غلام اور کارندے بکثرت تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سارا شہر اس کا غلام تھا، درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا، لباس میں ایک کملی تھی، اور غذا میں تین پاؤ (قدرے زائد) جَو کی روٹیاں۔ اس کے سوا کچھ نہ کھاتا تھا، اور گھر میں بیٹھا رہتا تھا یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے مکان کا دروازہ ہر وقت کھُلا رہتا ہی، نائب اور نوکر شہر کا انتظام کرتے ہیں صرف اہم معاملات میں مشورہ کر لیتے ہیں۔ اس کی دولت وقفِ عام ہی، اور ذاتی حالت یہ ہی کہ ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات عبادت کرنا اور دنیا کے کسی کام میں مشغول نہ ہونا۔

ابو العلا فن شعر اور ادب میں کامل ہی۔ شام، مغرب اور عراق کے نامور علما مُقر ہیں کہ اس عہد میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں ہوا اور نہ اس وقت موجود ہی اس کی ایک کتاب الفصول والغایات ہی جس میں رمز واشارات ہیں اور فصیح و غریب الفاظ میں مثالیں بیان کی گئی ہیں اور ہر شخص برائے نام مسائلِ کتاب سے واقف ہوسکتا ہی (اور کل کتاب پر عبور نہیں ہوسکتا) البتہ وہ شخص کہ جو خود اس سے پڑھے،

اور اسی وجہ سے ابو العلار پر اتہام لگایا گیا ہو کہ اس نے یہ کتاب قرآن پاک کے جواب میں لکھی ہو۔ ابو العلا کے درس میں دو سو طلبہ اطراف وجوانب سے آکر علم ادب اور فن شعر کی تکمیل کرتے ہیں۔ میں نے سُنا ہو کہ ایک لاکھ سے زیادہ اس کے اشعار ہیں۔ ابو العلار سے کسی نے پوچھا تھا کہ خداوند تعالےٰ نے آپ کو اس قدر دولت ونعمت دے رکھی ہو پھر اس کا کیا سبب ہو کہ اوروں کو دیتے ہو اور خود نہیں کھاتے ہو؟ جواب دیا کہ جس قدر کھاتا ہوں اس سے زیادہ میری قسمت میں نہیں ہو۔ جب میں معرہ پہنچا ہوں اس وقت ابو العلار زندہ تھا۔

پندرھویں[۱۵] رجب ۴۳۸ھ (۱۵ر جنوری ۱۰۴۷ء) کو میں معرۃ النعمان سے کویمات[۸۴] میں داخل ہوا اور یہاں سے حماۃ[۸۵] پہنچا یہ بہت آباد شہر ہو۔

حماۃ اور نہر عاصی[۸۶] (اوران ٹس) کے کنارے آباد ہو اور عاصی (گنہگار) اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نہر روم کی طرف بہتی ہو۔ یعنی بلاد اسلام سے نکل کر کفرستان میں جاتی ہو۔ اس نہر کے کنارے بکثرت رہٹ چلتے ہیں۔ حماۃ سے دو سڑکیں جاتی ہیں، ایک مغربی شام کو (جانب بحرالروم) اور دوسری دمشق کو (یہ جنوب کے رُخ ہو) میں نے بحرالروم کے راستہ سے سفر کیا تھا۔ پہاڑ میں ایک چشمہ[۸۷] دیکھا جس کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ ہر سال نصف شعبان کے بعد پانی جاری ہوتا ہو اور صرف تین دن بہتا ہو پھر دوسرے سال تک ایک قطرہ نہیں نکلتا۔ اس چشمہ[۱] کی زیارت کے لیے لوگ بکثرت آتے ہیں اور تقرب الٰہی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اس پہاڑ پر متعدد حوض اور عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

عرقہ[۸۸] حماۃ سے چل کر ایک ایسے جنگل میں گزر ہوا جہاں نرگس کے تختے کھلے ہوئے تھے اور سارا جنگل ان پھولوں سے سفید نظر آتا تھا۔ چنانچہ اس

---

[۱] اس چشمہ کا نام فوارۃ الدیر تھا۔ ("سیاحت نامہ ملک شام" ترجمہ انگریزی)

صحرا سے نکل کر میں اس شہر میں پہنچا جس کو عرقہ کہتے تھے اور جب عرقہ سے دو فرسنگ آگے بڑھا تو بحر الروم کے کنارے پر تھا اور ساحل سے دکھن کی طرف پانچ فرسنگ طے کیے تھے کہ شہر طرابلس آگیا۔ جس راستہ سے میں آیا ہوں یہاں سے حلب[۸۸] چالیس فرسنگ ہے۔

طرابلس پنجشنبہ کے دن پانچویں شعبان (۶ فروری) کو میں طرابلس پہنچا۔ حوالی شہر میں کھیت، باغات اور ہر قسم کے درخت تھے۔ مگر ایکھ[۸۹] (گنا یا پونڈا) کے کھیت بہت زیادہ تھے۔ نارنج[۹۰] (نارنگی) چکوترہ، کیلہ، لیموں اور کھجور کے بھی درخت تھے اور اس زمانہ میں ایکھ کا رس نکالا جاتا تھا۔

شہر طرابلس[۹۱] اس طرح آباد کیا گیا ہے جس کے تین جانب بحر الروم ہے، اس لیے جب دریا بڑھتا ہے تو کسی قدر پانی فصیل شہر پر چڑھ جاتا ہے اور جس طرف خشکی ہے اُدھر ایک زبردست خندق ہے اور اس پر لوہے کا ایک مضبوط پھاٹک ہے۔ شرقی دیوار پتھر تراش کر بنائی گئی ہے جس پر کنگرے اور توپوں کے جھروکے ہیں اور بُرجیوں پر عرادے (ایک قسم کی چھوٹی منجنیق) چڑھے ہوئے تھے کیونکہ رُوم[۹۲] والوں (مُلک اٹلی) کی طرف سے خطرہ رہتا ہے، جو جہازوں کے ذریعہ سے حملہ کرتے ہیں۔ شہر کی پیمائش ہزار مربع گز ہے۔ (جملہ مکانات) چومنزلہ، بلکہ چھ منزلہ ہیں۔ گلیاں اور بازار ایسے صاف ستھرے ہیں، گویا ایک سجا ہوا محل ہے۔ ہر قسم کی غذائیں، میوے اور ماکولات جو میں نے ایران میں دیکھے تھے وہ سب یہاں موجود ہیں، بلکہ اس سے سَو گنا زیادہ ہیں اور وسط شہر میں جامع مسجد بہت ہی خوبصورت اور مضبوط موجود ہے اور صحن مسجد میں ایک بڑا قبہ بنایا ہے جس کے نیچے سنگِ مرمر کا حوض ہے اور وسطِ حوض میں ایک پیتل کا فوارہ ہے۔

بازار میں ایک سبیل[1] (مشرعہ) ہی جس میں پانچ ٹونٹیوں سے بکثرت پانی نکلتا ہی۔ جو لوگوں کے کام آتا ہی۔ اور زائد پانی زمین کے اندر ہی اندر سمندر میں چلا جاتا ہی شہر کی مردم شماری بیس ہزار بیان کی جاتی ہی اور طرابلس میں قصبات و دیہات بہت ہیں۔ یہاں مثل سمرقند کے کاغذ[۹۳] اچھا بنتا ہی، بلکہ اس سے بہتر ہوتا ہی۔ طرابلس سلطان مصر کا مقبوضہ ہی۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں رومیوں نے طرابلس پر حملہ کیا تھا اور یہاں کے مسلمانوں نے لڑکر رومی فوج کو شکست دی تھی۔ اس صلہ میں سلطان نے خراج معاف کر دیا تھا اور ہمیشہ سلطانی فوج یہاں رہتی ہی جس پر ایک افسر ہوتا ہی تاکہ شہر کو دشمن سے محفوظ رکھے۔ یہ پرمٹ خانہ ہی کیونکہ یونان، فرنگ، اندلس[۹۴] (اسپین) اور ملک مغرب سے جس قدر تجارتی جہاز آتے ہیں وہ سلطان کو عشر (دسواں حصہ) ادا کرتے ہیں اور اس آمدنی سے فوج کی تنخواہ ادا ہوتی ہی۔ اور سلطان کے ذاتی جہاز بھی ہیں جو روم (جزیرہ صقلیہ سسلی) اور ملک مغرب کو تجارتی سامان لے جاتے ہیں۔

باشندگانِ شہر عموماً شیعہ ہیں اور شیعوں نے ہر شہر میں خوبصورت مسجدیں تعمیر کی ہیں اور ہر مسجد کے ساتھ مثل رباط کے مکانات بھی ہیں، لیکن وہاں کوئی ٹھیرتا نہیں ہی اور ان مکانات کو مشہد[۹۵] کہتے ہیں۔ شہر کے باہر کوئی مکان نہیں ہی مگر دو تین مشہد، جیساکہ میں بیان کر چکا ہوں۔

طرابرزن — پھر میں نے طرابلس سے مثل سابق بحرالروم کے کنارے کنارے سفر شروع کیا، چنانچہ جنوب کی طرف ایک فرسنگ کے

---

[1] آب نوشی کے لیے خاص خاص مقامات پر آبدار خانے بنائے جاتے تھے۔ اس پر گنبد ہوتا تھا، یہ آبدار خانہ چونکہ بحرالروم کے کنارے تھا لہٰذا نل کے ذریعہ سے پانی آتا تھا۔ اور ہندوستان کی اصطلاح کے مطابق ہم نے مشرعہ کا سبیل ترجمہ کیا ہی۔

فاصلے پر ایک قلعہ دیکھا جس کو **قلمون**[96] کہتے ہیں۔ اس کے اندر پانی کا چشمہ تھا۔ یہاں سے میں طرابزن[97] کو روانہ ہوا۔ طرابلس سے اس کا فاصلہ پانچ فرسنگ ہے۔

جُبَیل

وہاں سے شہر جبیل[98] میں داخل ہوا۔ یہ شہر بہ شکل مثلث (سہ گوشہ) واقع ہے جس کا ایک گوشہ بحرالروم کی طرف ہے اور اس کے گرد ایک بہت بلند اور مضبوط دیوار کھچی ہوئی ہے۔ اطراف شہر میں کھجور اور دوسری قسم کے گرم سیر درخت بکثرت ہیں۔ ایک لڑکے کو میں نے دیکھا کہ سرخ اور سفید گلاب کا پھول لیے پھرتا ہے، حالانکہ ماہ اسفندارمذ (مارچ) کی پانچویں تاریخ تھی اور قدیم سنہ فارسی یزدجردی ۴۱۱ھ تھا۔

بیروت

جبیل سے بیروت[99] آیا۔ پتھر کی ایک محراب اس قدر بڑی نظر آئی جس کے اندر سے سڑک جاری تھی، اونچائی اس محراب کی میں نے پچاس گز اندازہ کی اور محراب کی بغلی دیواروں میں سنگ سفید کی سلیں نصب تھیں۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک کا وزن تقریباً کچھ اوپر سینتیس ۳۷ من ہوگا۔ سطح زمین سے بیس ۲۰ گز تک اینٹوں کی دیوار ہے جس کے اوپر سنگ مرمر کے ستون کھڑے ہوئے ہیں۔ ہر ستون کا دور آٹھ گز ہے جن کو دو آدمی بہ مشکل ہاتھوں کے حلقے میں لے سکتے ہیں، پھر ان ستونوں پر دونوں جانب سڈول پتھر کی محرابیں ہیں جس میں چونہ اور مٹی کا میل نہیں ہے۔ پھر ان ستونوں کے اوپر وسط میں ایک بڑی محراب اور ہے جس کی اونچائی پچاس ہاتھ ہے اور پتھر کی ہر سل جو محراب میں لگی ہوئی ہے قیاساً اس کا طول آٹھ ہاتھ اور عرض چار ہاتھ ہے اور ہر ایک پتھر وزن میں تقریباً دوسو باسٹھ ۲۶۲ من ہوگا اور ان پتھروں میں اس درجہ گل کاری و نقاشی کی گئی ہے جو لکڑی میں بھی اس حسن کے ساتھ کمتر ہی ہوسکتی ہے۔ اس نواح میں اب صرف یہی ایک محراب باقی رہ گئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون مقام ہے؟ لوگوں نے کہا

ہم یوں سنتے آئے ہیں کہ یہ فرعون کے باغ کا دروازہ ہے اور نہایت قدیم ہے۔ اس نواح کے جنگل میں سنگِ مرمر کے ایسے ستون بافراط بکھرے پڑے ہیں جن کے سر بند اور تنے سب منقش ہیں اور اُن میں گول، چوکھنٹے، چھ گوشے اور ہشت پہل ہر قسم کے پتھر ہیں اور اس قدر سخت ہیں کہ لوہے کے آلات بھی اس پر کام نہیں دیتے اور اس نواح میں کسی جگہ پہاڑ نہیں ہے جس پر یہ گمان کیا جائے کہ یہ پتھر وہاں سے تراش کر لائے گئے ہیں اور دوسرے پتھر بھی تھے جو معجونی (مصنوعی رنگ یعنی لوہے کے رنگ سے ملتا جلتا) نظر آتے تھے اور نواح شام میں اس قسم کے پانچ لاکھ ستون مع سر بند اور ڈالوں کے بکھرے پڑے ہیں اور کسی مخلوق کو خبر نہیں ہے کہ وہ کیا تھے اور کہاں سے آئے تھے۔

صیدا بیروت سے میں شہر صیدا میں آیا۔ بحرالروم کے کنارے ایکھ کے کھیت تھے۔ فصیل سنگین و مضبوط ہے جس میں تین پھاٹک ہیں، جامع مسجد بھی بڑی دلکش ہے جس کے اندر پھول دار چٹائیاں بچھی ہوئی ہیں۔ بازار خوب سجا ہوا ہے، اس آرائش کو دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ شاید سلطان کی آمد آمد ہے (جس کے اعزاز میں شہر کی آئینہ بندی کی گئی ہے) جب لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ شہر ہمیشہ یوں ہی سجا رہتا ہے، پھلواریاں اور باغ ایسے تھے گویا کسی بادشاہ نے اپنے دلی شوق سے لگائے ہیں اور اس میں محل بنایا ہے۔

صور صیدا سے پانچ فرسنگ چل کر میں صور میں پہنچ گیا۔ یہ شہر بھی بحرالروم کے کنارے ہے اور ایک نوکیلی چٹان پر اس طرح آباد کیا گیا ہے کہ شہر پناہ کی دیوار سو گز سے زیادہ خشکی پر ہے اور باقی پانی میں ڈوبی ہوئی ہے اور پتھروں سے بنائی گئی ہے جس کی درزوں کو قیر سے وصل کیا ہے، تاکہ پانی اثر نہ کرے۔ شہر کی پیمائش قیاساً ہزار مربع ہاتھ ہے۔ تمام عمارتیں پانچ چھ منزل کی ہیں، فوارے بکثرت

ہیں، خوبصورت بازار مال سے پٹے پڑے ہیں۔ شہر صور شام کے ساحلی شہروں میں دولت مندی کے لحاظ سے ضرب المثل ہے۔ باشندے اکثر شیعہ ہیں، قاضی شہر سنت وجماعت تھا جو ابوعقیل کا بیٹا کہلاتا تھا۔ یہ ایک وجیہہ اور مالدار شخص تھا۔

دروازۂ شہر پر ایک مشہد ہے جس کو شیعوں نے بنایا ہے اور اس کو فرش، قندیل اور طلائی اور نقرئی فتیل سوزوں سے آراستہ کیا ہے۔ شہر بلندی پر آباد ہے اور پانی شہر میں پہاڑ سے آتا ہے۔ شہر کے دروازہ پر سنگین محرابیں ہیں جن کی پشت پر سے (نہر کی طرح) شہر میں پانی آتا ہے۔ اس پہاڑ میں شہر کے سامنے ایک درّہ[۱۰۲] ہے اگر اس کی سیدھ سے جانب مشرق چلیں تو اٹھارہ فرسنگ کی مسافت پر شہر دمشق آجاتا ہے (یہ درہ دراصل وادی لطاف ہے)۔

عکّہ

جب میں صور سے سات فرسنگ چلا تو شہر عکہ[۱۰۳] میں پہنچ گیا۔ اس ملک والے مدینہ عکا لکھتے ہیں۔ عکہ بلندی پر آباد ہے۔ کچھ زمین اُتار چڑھاؤ کی ہے، باقی ہموار ہے۔ سمندر کے کنارے جب تک بلندی نہ ہو کوئی شہر آباد نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ پانی کی طغیانی اور لہروں کی ٹکر سے کناروں کو ہر وقت خدشہ رہتا ہے۔ جامع مسجد وسط شہر میں ہے اور یہ شہر کا سب سے بلند حصہ ہے۔ مسجد کے تمام ستون سنگِ مرمر کے ہیں اور قبلہ کے دائیں ہاتھ پر مسجد کے باہر صالح[۱۰۴] پیغمبر علیہ السلام کی قبر ہے اور مسجد کے صحن کے ایک حصہ میں سنگی فرش ہے اور کھلی ہوئی زمین میں سبزی بوئی ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ یہاں حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی کی تھی۔ میں نے شہر کی پیمائش کی، طول دو ہزار ہاتھ اور عرض پانسو ہاتھ تھا۔ فصیل بہت مضبوط ہے۔

عکہ کے مغرب اور جنوب میں بحرالروم ہے اور جنوب کی طرف مینا[۱۰۵] (بندرگاہ) ہے۔

بندرگاہ

تمام ساحلی شہروں میں مینا ہوتا ہے اور مینا اس جگہ کا نام ہے جو جہازوں کے قیام کے لیے مثل اصطبل کے بنائی جاتی ہے جس کی پشت شہر کی طرف

اور بغلی دیواریں سمندر کی جانب ہوتی ہیں۔ مینا کی دیواریں سمندر کے کنارے تک ہیں اور ایک دروازہ پچاس گز بلند بنا کر چھوڑ دیا ہے اور کوئی دیوار نہیں ہے اور ایک دیوار سے دوسری دیوار تک ایک زنجیر کھینچی ہوئی ہے چنانچہ جب جہاز کو مینا میں لانا چاہتے ہیں تو زنجیریں ڈھیلی کر دیتے ہیں تاکہ وہ پانی کے نیچے چلی جائیں اور جہاز زنجیروں کے اوپر ہی اوپر پانی سے گزر جاتا ہے۔ پھر زنجیریں کھینچ لی جاتی ہیں تاکہ مخالف ان جہازوں پر قبضہ نہ کر سکے۔

چشمہ عینُ البقر مشرقی دروازہ کے بائیں ہاتھ پر ایک چشمہ ہے جس میں چھبیس[۲۶] سیڑھیاں اُترنے کے بعد پانی ملتا ہے۔ اس چشمہ کا عین البقر[۱۰۶] نام ہے۔ روایت ہے کہ یہ چشمہ حضرت آدم علیہ السلام کا نکالا ہوا ہے اور آپ اسی چشمہ سے اپنے بیلوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ اسی لیے اس چشمہ کو عین البقر کہتے ہیں۔

جب عکہ سے مشرق کی طرف سفر کریں تو ایک پہاڑ[۱۰۷] ملتا ہے جس میں انبیا علیہم السلام کے مزارات ہیں۔ لیکن رملہ جانے والوں کو عام راستے سے یہ مقام ذرا ہٹ کر پڑتا ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان متبرک مزاروں کو جا کر دیکھوں اور خداوند تعالےٰ سے وہاں کے برکات کا خواستگار ہوں، مگر عکہ والوں نے کہا کہ راستہ میں مفسدوں کی آبادی ہے جو مسافروں کو چھیڑتے ہیں اور ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ چھین لیتے ہیں چنانچہ میں نے اپنا زادِ راہ مسجد عکہ میں رکھ دیا اور مشرقی دروازہ سے روانہ ہوا۔

شنبہ کے دن تیئیسویں شعبان ۴۳۸ھ (۲۲ فروری ۱۰۴۷ء) کو اوّل وقت **عک** (از نسل عدنان) کی قبر کی زیارت کی جو شہر عکہ کا بانی ہے اور جس کا شمار صلحا میں کیا جاتا ہے۔

دامن کوہ عکہ کے مشہور و مقدّس مقامات

میرے ہمراہ کوئی رہ نما نہ تھا اس لیے میں متحیّر تھا کہ یکایک بفضلہ تعالے اسی دن ایک عجمی سے ملاقات ہوئی جو آذر بائجان کا باشندہ تھا اور اس سے قبل بھی ایک مرتبہ وہ ان مقدّس مزارات کی زیارت سے مشرّف ہو چکا تھا اور اب بقصد زیارت یہ اس کا دوسرا سفر تھا۔ اس عطیۂ خداوندی پر میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور شکر کا سجدہ ادا کیا کہ جس ارادہ سے نکلا تھا، اس کی خدا نے مجھے توفیق دی اور وہ پورا ہوا۔

ایک گانو میں پہنچا جس کا نام بروۃ[۱۰۸] تھا۔ وہاں عیص[۱۰۹] اور شمعون[۱۱۰] علیہما السّلام کی قبر کی زیارت کی۔ پھر یہاں سے میں ایک غار میں داخل ہوا جس کو دامون[۱۱۱] کہتے تھے، یہاں ذوالکفل[۱۱۲] علیہ السّلام کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس جگہ سے موضع اعبلین[۱۱۳] میں آکر مزار ہود[۱۱۴] علیہ السّلام پر فاتحہ خوانی کی، اس حظیرہ کے اندر خرتوت[۱] کا ایک درخت تھا جس کے نیچے عزیر[۱۱۵] نبی علیہ السّلام کی قبر تھی۔

(اس زیارت سے فارغ ہو کر) جنوب رویہ چل کر میں ایک دوسرے موضع میں پہنچا جس کو حظیرہ کہتے تھے اور اس گانو کے مغرب میں ایک درّہ تھا جس کے اندر صاف پانی کا چشمہ تھا جو ایک پتھر سے نکلا تھا اور چشمہ کے متّصل ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے جس میں دو سنگی حجرے تھے اور چھت بھی پتّھر کی تھی اور ایک کھڑکی نصب تھی جس میں سے آدمی بہ مشکل نکل سکتا تھا اور اس کے اندر برابر برابر دو قبریں ہیں جن میں سے ایک شعیب[۱۱۶] علیہ السّلام کی ہے اور دوسری آپ کی بیٹی (صفورہ) کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بیوی تھیں۔ گانو والے مزار اور مسجد کی اچھّی خدمت کرتے ہیں (یعنی جھاڑ دیتے ہیں اور چراغ

---

[۱] (خرتوت) شہتوت کی ایک خاص قسم ہے جو ملک شام سے مخصوص ہے اور یہ بہت بڑا ہوتا ہے۔

جلاتے ہیں)۔

خطیرہ سے چل کر موضع اربل[117] (اربد) میں پہنچا، اس گانو کے قبلہ رخ ایک پہاڑ ہی اور اس کے اندر حظیرہ (سنگی کٹہرہ) ہی جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی چار قبریں ہیں۔

اربل سے آگے بڑھ کر ایک ٹیلہ نظر آیا، جس کے نیچے غار تھا اور اس میں والدہ حضرت موسیٰ[118] علیہ السلام کی قبر تھی۔ اس زیارت سے مشرف ہو کر میں آگے بڑھا۔ ایک درہ ملا اس کے اخیر میں ایک چھوٹی سی جھیل (بحیرہ[119] طبریہ) نظر آئی، جس کے کنارے شہر طبریہ آباد ہی، اس کا طول تقریباً چھ فرسنگ اور عرض تین فرسنگ ہی اور پانی بھی خوشگوار ہی۔

طبریہ

شہر[120] طبریہ کی آبادی جھیل کے مغربی جانب ہی، تمام شہر کے حمام اور ان کا مستعمل پانی جھیل میں گرتا ہی اور شہر و مضافات کے باشندے (جو کنارے پر آباد ہیں) اس جھیل کا پانی پیتے ہیں۔ میں نے سُنا ہی کہ کسی زمانے میں یہاں کے ایک حاکم نے حکم دیا تھا کہ شہر کا جس قدر گندہ پانی اس جھیل میں گرتا ہی اس کا رُخ پھیر دیا جائے چنانچہ تعمیل حکم کی گئی۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ تمام جھیل کا پانی گندہ ہو گیا اور پینے کے قابل نہیں رہا مجبوراً حکم دیا کہ گندے نالے بدستور گرائے جائیں۔ چنانچہ جھیل کا پانی اصلی ذائقہ پر آ گیا۔

شہر طبریہ کی دیوار مستحکم ہی جو جھیل کے کنارے سے شروع ہو کر تمام شہر کے گرد پھیلی ہوئی ہی البتہ پانی کی طرف دیوار نہیں ہی اور اکثر عمارتیں پانی کے اندر ہیں کیونکہ زمین پتھریلی ہی اور سنگِ مرمر کے ستونوں پر خوش نما عمارتیں قایم ہیں اور یہ تمام ستون پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور طبریہ میں مچھلی کی افراط ہی۔ وسط شہر میں جامع مسجد ہی اور مسجد کے دروازہ پر ایک چشمہ ہی اور چشمہ کے اوپر حمام بنایا ہی

جس کا پانی اس قدر گرم ہے کہ جب تک ٹھنڈا پانی نہ ملائیں بدن پر ڈالنا دشوار ہے، یہ حمّام حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیان کیا جاتا ہے۔ میں نے بھی اس حمّام میں غسل کیا تھا۔

طبریہ کی مسجد یاسمن اور گنج شہیداں

طبریہ میں ایک مسجد ہے جس کو مسجد یاسمن کہتے ہیں۔ مسجد کے مغرب جانب ایک بلند چبوترہ ہے جس پر محرابیں بنی ہوئی ہیں اور اس کے چاروں طرف یاسمن (چنبیلی) کے درخت لگائے گئے ہیں اور اسی بنا پر اس کو مسجد یاسمن کہتے ہیں۔ اور مسجد کے جانب مشرق ایک برآمدہ ہے جس میں حضرت[۱۲۱] یوشع بن نون علیہ السلام کی قبر ہے جس کے چبوترے کے نیچے ستر پیغمبروں کے مرقد ہیں، جن کو بنی اسرائیل نے شہید کیا تھا۔ شہر کے جنوب میں دریائے[۱۲۲] لوط (بحر المیت) ہے جس کا پانی تلخ ہے۔ دریائے لوط، جھیل طبریہ کے جنوب میں ہے اور جھیل طبریہ بھی دریائے لوط میں آکر گری ہے اور شہر لوط اسی کے کنارے آباد ہے، جس کے نشانات بھی اب باقی نہیں ہیں۔ میں نے ایک شخص سے سنا ہے کہ دریائے لوط کے پیندے سے ایک سیاہ چیز پیدا ہوتی ہے جو شکل وصورت میں گیند سے مشابہ ہوتی ہے۔ بظاہر مثل پتھر کے ہے مگر حقیقت میں سخت نہیں ہے۔ (اور دریا میں تیرتی رہتی ہے) لوگ اس کو جمع کرتے ہیں اور ٹکڑے کر کے شہروں شہروں لے جاتے ہیں، جس کی تاثیر یہ ہے کہ اگر اس کا ایک ٹکڑا کسی درخت کے نیچے دفن کر دیں تو پھر کبھی اس میں کیڑا نہیں لگتا ہے، اور نہ یہ کیڑے درختوں کی جڑوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور باغ ہر قسم کے کیڑوں (حشرات الارض) سے محفوظ رہتے ہیں، مگر اس جھوٹ سچ کا راوی ذمہ دار ہے، اس کو عطّار بھی خرید کرتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ شربت وغیرہ میں جو کیڑا پڑ جاتا ہے اور جس کو نقرہ یا نکتہ کہتے ہیں وہ بھی دفع ہو جاتا ہے۔

طبریہ میں چٹائی بناتے ہیں جو مصلے کا کام دیتی ہے اور جس کو باشندگان طبریہ پانچ دینار[123] مغربی (تیس رُپے) میں خرید کرتے ہیں۔ شہر کے جانب مغرب ایک پہاڑ ہے جس پر سنگ خارا کی دیوار ہے اور دیوار پر عبرانی خط میں لکھا ہے کہ "اس تحریر کے وقت ثریا، برج حمل[ل] میں تھا"

مزار ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

شہر کے باہر قبلہ رخ ابو ہریرہ[124] رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ لیکن کوئی شخص زیارت کو نہیں جاتا ہے، کیونکہ یہ آبادی شیعوں کی ہے، جب کوئی زیارت کو جاتا ہے تو لڑکے شور و غل کر کے پریشان کرتے ہیں اور پتھر پھینکتے ہیں۔ اس لیے میں بھی زیارت سے محروم رہا۔ یہاں سے پلٹ کر میں موضع کفر کنہ[125] میں پہنچا، جس کے جنوب میں ایک پہاڑی ہے اور اس کے اوپر عیسائیوں کی ایک خوبصورت خانقاہ[ل] بنی ہوئی ہے جس کا دروازہ مضبوط ہے۔ اور حضرت یونس[126] علیہ السلام کی قبر اس کے اندر ہے اور خانقاہ کے دروازہ پر ایک کنواں ہے جس کا پانی میٹھا ہے۔ اس زیارت سے فارغ ہو کر میں عکہ کو واپس آیا۔ خانقاہ سے عکہ چار فرسنگ ہے۔ چنانچہ عکہ میں ایک دن ٹھیر کر موضع حیفا میں آیا، یہاں تک راستہ میں بالو بکثرت تھی۔ عجم میں سناروں کے لیے یہ کارآمد شی ہے جس کو ریگ مکی کہتے ہیں۔

حیفا

حیفا[127] بحرالروم کے کنارے آباد ہے جس میں نخلستان اور دوسرے درخت بافراط ہیں۔ یہاں کشتی ساز رہتے ہیں جو بڑی کشتیاں

ل کوئی ماہر فن حساب کر کے یہ بتا سکتا ہے کہ آج تک کس قدر مدت ہوئی اور ثریا برج حمل میں کس مدت کے بعد آتا ہے۔ مترجم

ل یہ قدیم قلعہ تھا جس کے آثار باقی ہیں۔ اب عرب اس کو "قصر بنت الملک" کہتے ہیں۔ ترجمہ انگریزی سیاحت شام ناصر خسرو۔

بناتے ہیں اور ان سمندری کشتیوں کو جودی[128] کہتے ہیں۔

الکنیسہ[129] ایک فرسنگ کی مسافت طے کر کے میں حیفا سے دوسرے گاؤں میں پہنچا جس کا کنیسہ نام تھا، یہاں سے دریائی سڑک (یعنی وہ سڑک جو بحر الروم کے کنارے کنارے گئی ہے) گھوم کر جانب مشرق ایک پہاڑ کے اندر چلی گئی ہے، یہ حصہ جنگل اور پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے جس کو وادی تماسیح (گھڑیال) کہتے ہیں۔ دو فرسنگ کے بعد پھر دریائی سڑک آگئی ہے جس کے کنارے بحری جانوروں کی ہڈیاں بکثرت نظر آئیں جو مٹی میں گھل مل کر پتھر کی طرح سخت ہوگئی تھیں اور یہ لہروں سے ٹکرانے کا نتیجہ تھا[1]۔

قیساریہ[130] وادی مذکور طے کر کے میں قیساریہ پہنچا جس کا فاصلہ عکہ سے سات فرسنگ ہے، قیساریہ خوبصورت شہر ہے جس میں نہر جاری ہے، نخلستان (کھجوروں کے درخت) نارنگی اور ترنج کے درختوں کی افراط ہے۔ فصیل مستحکم ہے، دروازہ آہنی ہے، شہر میں پانی کی نہریں جاری ہیں، جامع مسجد خوبصورت ہے اور صحن مسجد میں بیٹھ کر بحر الروم[131] کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ اس مسجد میں سنگِ مرمر کا ایک مٹکا رکھا ہوا تھا جس کا منہ چینی کے مرتبان کی طرح تنگ تھا جس میں تین من سے زیادہ پانی آتا تھا۔

شنبہ کا دن اور شعبان کی آخیر تاریخ (۲۹، فروری) تھی کہ قیساریہ سے روانہ ہوا۔ ایک فرسنگ تک برابر ریگ مکی پر چلنا پڑا، اس مرتبہ بھی انجیر اور زیتون کے درخت بکثرت نظر آئے۔ پہاڑ اور جنگل کا تمام راستہ درختوں سے

---

[1] کسی زمانہ میں یہاں بحر الروم ہوگا جو زلزلہ سے غائب ہوگیا ہے اور زمین برآمد ہوگئی ہے جس میں سے گھڑیال کی ہڈیاں نکلتی ہیں اور یہی وجہ تسمیہ وادی کی ہے۔ اب اس جگہ نہر ازرق (نہر نیلگوں) رواں ہے پلینی کے نقشہ میں یہ وادی درج ہے۔

گھرا ہوا تھا۔

کفر سابا اور کفر سلام

چند میل چل کر ایک شہر میں پہنچا، جس کو کفر سابا[۱۳۲] اور کفر سلام کہتے تھے۔ یہاں سے رملہ تین فرسنگ تھا۔ تمام راستہ درختوں سے بھرا پڑا تھا جیسا کہ اوّل لکھ چکا ہوں۔

رملہ[۱۳۳] یا فلسطین

یک شنبہ غرہ رمضان (یکم مارچ) کو رملہ میں داخل ہوا، قیساریہ سے رملہ کا فاصلہ آٹھ فرسنگ ہے۔ رملہ بہت بڑا شہر ہے، جس کی اونچی اور مستحکم فصیل پتھر اور چونہ سے بنائی گئی ہے اور لوہے کے پھاٹک لگے ہوئے ہیں۔ شہر سے بحرالروم تین فرسنگ ہے۔ رملہ کے باشندے برساتی پانی پیتے ہیں۔ ہر مکان میں حوض موجود ہے جس میں بارش کا پانی بھر لیتے ہیں، جامع مسجد میں بھی ایک بڑا حوض ہے، جب یہ لبریز ہوتا ہے تو جس کا دل چاہے پانی بھر لے جائے۔ مسجد کا رقبہ تین[۳۰۰] سو قدم سے دو[۲۰۰] سو قدم تک ہے۔ (۳۰۰ × ۲۰۰) ایک برآمدہ پر لکھا ہوا تھا کہ ۱۵ محرم ۴۲۵ھ (۱۰ دسمبر ۱۰۳۳ء) کو یہاں ایک بڑا زلزلہ آیا تھا جس نے بکثرت عمارتیں ڈھادی تھیں لیکن کسی شخص کو صدمہ نہیں پہنچا تھا، اس شہر میں سنگِ مرمر بافراط ہے، اکثر عمارتیں اسی پتھر کی ہیں جس میں تکلفات اور نقاشی سے کام لیا گیا ہے۔ یہ نرم سنگِ مرمر آرہ سے تراشا جاتا ہے جس میں دانتے نہیں ہوتے اور ریگ کی درزوں میں ڈالتے جاتے ہیں اور لکڑی کی طرح طول کی جانب سے آرہ کو کھینچتے ہیں۔ اور عرض کو چھوڑ دیتے ہیں اور پتھر کے تختے بنا لیتے ہیں، میں نے یہاں رنگ برنگ کے پتھر دیکھے۔ سبز، سرخ، سیاہ، سفید لیکن یہ سب مصنوعی رنگ تھے۔

یہاں ایک خاص قسم کا انجیر پیدا ہوتا ہے جس سے بہتر اور کہیں نہیں ہوتا اور ملکوں ملکوں جاتا ہے۔ رملہ کو ممالک شام اور مغرب میں فلسطین کہتے ہیں۔

تیسری رمضان (۳ مارچ) کو رملہ سے چل کر موضع لتردون[۱۳۴] پہنچا، اور یہاں سے قَرْیَۃُ الْعِنَب (انگور کا گانو) میں آیا۔ راستہ میں خودرو سداب (پودینہ کی طرح کی ایک گھاس کا نام ہی) بکثرت دیکھنے میں آئی جو پہاڑ اور جنگل میں اُگی ہوئی تھی۔ اس گانو میں ایک خوبصورت چشمہ پانی کا دیکھا جو ایک چٹان سے نکلا تھا اور یہاں لوگوں نے (سیّاحوں کے قیام کے لیے) مختصر مکانات بنا دیے ہیں۔ یہاں سے سامنے کے رُخ پر چلے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں اور جب نیچے اُتریں گے تو کوئی شہر ملے گا لیکن ذرا بلندی پر چل کر ایک بڑا جنگل ملا جس کی زمین کہیں سخت اور کہیں نرم تھی اور پہاڑ کی چوٹی پر شہر بیت المقدس آباد ہی، ساحل طرابلس سے بیت المقدس تک چھپّن فرسنگ اور بلخ سے بیت المقدس تک آٹھ سو چھہتّر (۸۷۶) فرسنگ کا فاصلہ ہی۔

۶۔ بیت المقدس

سیاحت کا دوسرا سال | پانچویں رمضان ۴۳۸ھ (۵ مارچ ۱۰۴۷ء) کو بیت المقدس میں داخل ہوا۔ گھر سے[۵۲] نکلے ہوئے آج پورا شمسی سال ہو گیا تھا اور روزمرّہ کے سفر سے کسی جگہ قیام و آرام نصیب نہیں ہوا تھا۔

شامی اور اس نواح کے باشندے بیت المقدس کو **قدس** کہتے ہیں، شامیوں میں سے کوئی حج کو نہیں جاتا ہی بلکہ ایام حج میں یہ لوگ قدس شریف میں حاضر ہوتے ہیں اور موقف میں ٹھیر کر دستور کے مطابق عید کی قربانی کرتے

---

[۱۳۴] اصل نسخہ میں خاتون ہی۔ یہ غلط ہی صحیح نام لتردن ہی۔ نوٹ ملاحظہ ہو۔

[۵۲] ناصر خسرو ۲۳ شعبان ۴۳۷ھ کو مرو شاہ جان سے روانہ ہوا تھا اور سلخ شعبان ۴۳۸ھ میں قیساریہ سے قدس کو روانہ ہوا۔ اس حساب سے سیاحت کا ایک سال ختم ہوا اور رمضان ۴۳۸ھ سے دوسرا سال شروع ہوا۔

ہیں۔ کسی سال ذی الحجہ کی ابتدا میں بیس ہزار سے زیادہ زائرین یہاں آتے ہیں اور اپنے بچّوں کے ختنے کراتے ہیں اور ممالک روم اور دیگر مقامات سے بکثرت عیسائی اور یہودی یہاں کے گرجاؤں اور ہیکلوں کی زیارت کو آتے ہیں۔ (بیت المقدس کے بڑے گرجا کے حالات اپنے موقع پر تحریر ہوں گے۔)

شہر بیت المقدس اور اس کے نواح کا علاقہ کوہستانی ہے۔ تمام زراعت اور زیتون و انجیر کے درخت آبپاشی سے محروم ہیں۔ تاہم اشیا کی افراط ہے اور نرخ ارزاں ہے، دولت مندوں میں سے بعض ایک ہزار آٹھ سو چھتّر من (تقریباً ۱۶۸۰۰ گیلن) روغن زیتون حوض اور چاہات میں بھر لیتے ہیں۔ پھر اس کو دوسرے ملکوں میں (تاجرانہ حیثیت سے) لے جاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ملک شام میں کبھی قحط نہیں پڑا ہے اور ثقہ لوگوں سے میں نے سنا ہے کہ ایک بزرگ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھ کر عرض کیا تھا کہ "یا رسول اللہ! معاش میں ہماری اعانت فرمائیے۔" ارشاد ہوا کہ "روٹی اور روغن زیتون میرے ذمہ ہے۔" اب میں شہر بیت المقدس کا حال لکھتا ہوں۔ یہ شہر پہاڑ پر آباد ہے اور اس میں صرف بارش کا پانی رہتا ہے البتہ دیہات میں پانی کے چشمے ہیں۔ شہر میں کوئی چشمہ نہیں ہے کیونکہ شہر پہاڑ پر آباد کیا گیا ہے اور شہر کے گرد پتھر اور چونہ کی مضبوط دیوار ہے اور لوہے کے پھاٹک ہیں۔ آبادی میں کسی درخت کا پتہ نہیں ہے۔ بیت المقدس بڑا شہر ہے اور فی زمانہ (عہد سیاحت ناصر خسرو) اس کی مردم شماری بیس ہزار ہے۔ بازار خوبصورت اور عمارات بلند ہیں۔ شہر میں پتھر کے چوکوں کا فرش ہے۔ اور جہاں پہاڑ تھا اس کو کاٹ کر ہموار کر دیا ہے۔ چنانچہ بارش ہونے پر تمام شہر دُھل کر صاف ہو جاتا ہے۔

شہر میں دستکاروں کی افراط ہے اور ہر پیشہ ور (صنّاع) کے بازار

جُداگانہ ہیں، فصیل شہر کی جو مشرقی دیوار ہی، وہی جامع مسجد کی دیوار ہی۔

ساہرہ | جب جامع مسجد سے آگے بڑھو تو مسلسل ایک بڑا جنگل ملتا ہی جس کو ساہرہ کہتے ہیں اور مشہور ہی کہ یہی میدان قیامت ہی اور یہی محشر خلائق ہوگا۔ اور محض اسی خیال سے اطراف عالم سے آکر لوگ یہاں قیام کرتے ہیں تاکہ اس مقدس سرزمین میں اُن کا انتقال ہو۔ اور جب خدا کا وعدہ پورا ہو تو مقام موعود پر حاضر ہو جائیں۔ خدا وندا ! بندوں کو اس دن تو اپنی پناہ میں رکھنا اور ان کے گناہوں کو معاف کرنا۔ آمین یا رب العالمین۔

اس جنگل کے کنارے ایک بڑا مقبرہ ہی اور بکثرت مقدس مقامات ہیں جہاں حاضر ہو کر لوگ نمازیں پڑھتے ہیں اور حاجت براری کی دعائیں مانگتے ہیں اور خدا ان کی دعائیں پوری کرتا ہی۔ اللھم تقبل حاجاتنا واغفر ذنوبنا وسیاتنا وارحمنا برحمتک یا ارحم الراحمین۔ (اے خدا! ہماری مرادوں کو پورا کر اور ہمارے گناہوں اور بداعمالیوں کو معاف فرما اور اے سب سے بڑے رحم کرنے والے اپنی رحمت سے ہم پر رحم کر)۔

مسجد اور دشت ساہرہ کے مابین نشیب میں ایک وادی ہی اور پھر اس وادی میں جو بطور خندق کے ہی قدیم طرز کی بڑی بڑی عمارتیں ہیں۔ ایک مکان کے اوپر میں نے دیکھا کہ پتھر کا ترشا ہوا گنبد رکھا ہی جو بالکل ہی عجیب وغریب تھا اور سمجھ میں نہیں آتا ہی کہ اپنی جگہ سے وہ کیونکر اُٹھایا گیا ہی۔ لیکن یہ روایت زباں زد ہی کہ یہ فرعون کا محل تھا۔ اور وادی مذکور یہی وادی جہنم ہی۔

وادی جہنّم | میں نے دریافت کیا کہ اس جگہ کا یہ نام کس نے رکھا ہی ؟ لوگوں نے بیان کیا کہ امیرالمومنین عمر خطاب رضی اللہ عنہ

کے عہد خلافت میں یہاں (دشت ساہرہ) فوج کا قیام ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وادی کو دیکھ کر اس کا نام وادی جہنّم رکھا تھا۔ عوام کا بیان ہی کہ جو شخص اس وادی کے سرے تک جائے تو اس کو دوزخیوں کی آواز سُنائی دیتی ہی۔ میں آخیر تک گیا لیکن میں نے تو کچھ نہیں سنا۔ شہر سے جنوب کی طرف نصف فرسنگ چلنے پر جب نشیب میں اتریں تو چشمہ

عَین سلوان

عین سلوان[۱۳۷] ملتا ہی۔ یہ چشمہ ایک پتھر سے نکلا ہی۔ جس کے کنارے بکثرت عمارات ہیں اور اسی چشمہ سے گانویں پانی جاتا ہی۔ یہ آباد موضع ہی جس میں باغات لگائے ہیں۔ لوگوں کا بیان ہی کہ اس چشمہ میں غسل کرنے سے امراض کہنہ دُور ہو جاتے ہیں اور اس چشمہ کے متعلق کثرت سے اوقاف ہیں۔

بیت المقدس کا شِفاخانہ

بیت المقدس کا شفاخانہ (بیمارستان[۱]) اچھا ہی اور مصارف کے لیے بڑی جایداد وقف ہی اور بکثرت لوگوں کو ہر قسم کی دوائیں اور شربت مفت ملتے ہیں اور شفاخانہ کے طبیب وقف کی آمدنی سے تنخواہ پاتے ہیں۔ اور شہر کے مشرقی کنارہ پر جامع مسجد (مسجد اقصےٰ) ہی، جس کی ایک دیوار وادی جہنّم کے کنارے ہی۔ جب مسجد کے بیرونی رُخ سے اس دیوار کو دیکھیں تو وہ تقریبًا سو گز کی معلوم ہوتی ہی جو بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہی اور جس میں مٹّی اور چونہ کی جوڑائی نہیں ہی اور صحن مسجد سے تمام دیواروں کی چوٹیاں ایک سیدھ میں نظر آتی ہیں اور یہ مسجد اقصیٰ[۱۳۸] محض سنگ صخرہ کی وجہ سے بنائی گئی ہی۔

---

[۱] شفاخانہ کا نام بیمارستان اس لیے ہی کہ اس میں مریضوں کے قیام کے لیے وارڈ ہوتے تھے اور یہ ایرانیوں کی ایجاد ہی۔

صخرہ مبارک اور مسجد اقصےٰ

یہ سنگ صخرہ[139] وہی ہے جس کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ تم اس کو اپنا قبلہ بناؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمان خداوندی کے مطابق اس کو قبلہ بنایا تھا، لیکن اسی زمانہ میں حضرت موسیٰ کا انتقال ہوگیا اور عمر نے وفا نہ کی، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ تک یہی سنگ صخرہ قبلہ بنا رہا لہٰذا اس کے گرد مسجد تعمیر ہوئی۔ چنانچہ صخرہ وسط مسجد میں آگیا اور وہی مخلوق کا قبلہ قرار پایا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو قبلہ جانتے تھے اور اسی طرف سجدہ کرتے تھے یہاں تک کہ ایزد تبارک تعالیٰ کا فرمان صادر ہوا کہ تمھارا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔ (تفصیلی بیان اپنے موقع پر آتا ہے) میں مسجد کی پیمائش کرنا چاہتا تھا پھر خیال آیا کہ اول غور سے مسجد کی شکل وصورت دیکھ لوں اس کے بعد پیمائش کرلی جائے گی۔ چنانچہ اس خیال سے مدتوں مسجد میں چل پھر کر دیکھتا رہا تو جانب شمال، قبہ یعقوب علیہ السلام کے قریب ایک محراب میں کتبہ ملا جس میں لکھا تھا کہ طول اس مسجد کا سات سو چار ہاتھ اور عرض چار سو پچپن ہاتھ ہے۔ یہ پیمائش گز ملک[140] کے مطابق ہے اور یہ وہی گز ملک ہے جس کو خراسان میں گز شاہگاں کہتے ہیں اور یہ گز پیمائش میں ڈیڑھ ہاتھ سے کچھ ہی کم ہوتا ہے۔ (نومٹھی، ابن حوقل)۔

مسجد کا فرش سنگین ہے اور پتھر کی درزوں کو رانگ سے بند کیا ہے اور مسجد شہر و بازار کے مشرق جانب واقع ہے، کیونکہ جب بازار سے مسجد میں داخل ہوں تو مشرق سامنے پڑتا ہے، ایک بڑا خوبصورت دروازہ ہے جو بیس گز اونچا اور بیس گز چوڑا ہے جس میں دو بغلی کھڑکیاں نکالی ہیں، چنانچہ دروازہ اور کھڑکیاں اور ایوان طرح طرح کے نقش ونگار اور مینا (شیشے پر سبز لاجوردی کام کو مینا کہتے ہیں) کے کام سے آراستہ ہیں اور یہ کام پلاستر کے اوپر بنایا گیا ہے جس کے دیکھنے

سے آنکھوں کو چکا چوند ہوتی ہو اور دروازے پر جو کتبہ لگا یا ہو وہ بھی مینا کاری جس پہ سلطان مصر کا لقب لکھا ہوا ہو۔ جب سورج کی کرنیں اس دروازے پر پڑتی ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہو اور سڈول پتھر کا ایک گنبد اس دروزہ کے اوپر ہو۔

اور دو دروازے پُر تکلف ہیں جس کے اوپر دمشق کا پیتل (جو بعینہٖ سونا معلوم ہوتا ہو) جڑا ہوا ہو، جس پر سونا گھوٹ کر بے شمار بیل بوٹے بنائے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پندرہ گز اونچا اور آٹھ گز چوڑا ہو اور اس دروازہ کا نام باب داؤد ہو۔ جب اس دروزہ سے نکلیں تو داہنے ہاتھ پر دو بڑے دالان ملتے ہیں جن میں سے ہر ایک میں انتیس ستون سنگ مرمر کے ہیں اور ہر ستون کا بالائی جوڑ یعنی سر بند اور نیچے کے پائے (کرسیاں) رنگین سنگ مرمر کے ہیں اور درزوں کو قلعی سے بند کیا ہو اور ستون کے اوپر پتھر کی محرابیں ہیں جس میں گارے اور چونہ کا نام نہیں ہو بلکہ تلے اوپر پتھر رکھ دیے گئے ہیں، چنانچہ کسی محراب میں چار یا پانچ پتھر سے زیادہ نہیں ہیں اور یہ سلسلہ عمارت مقصورہ[1] تک ہو۔ جب اس دروازہ سے بائیں ہاتھ پر جائیں (یہ مسجد کا شمالی حصہ ہو) تو ایک لانبا دالان ملتا ہو جس میں چونسٹھ محراب ہیں اور سنگ مرمر کے ستونوں پر قایم ہیں۔ اور اس دیوار کے قریب ایک دوسرا دروازہ ہو جس کو باب السقر کہتے ہیں اور طول مسجد اقصیٰ کا شمال سے جنوب کی طرف ہو اور چونکہ اس رخ سے مقصورہ تراش لیا ہو، لہٰذا صحن مربع ہو گیا ہو اور قبلہ جنوب کی طرف پڑتا ہو اور شمال کی طرف یکے بعد دیگرے دروازے ہیں جن میں سے ہر ایک سات گز چوڑا اور بارہ گز اونچا ہو اور اس دروازہ کو باب الاسباط کہتے ہیں۔

---

[1] مسجد کے اس حصہ کو مقصورہ کہتے ہیں جو کٹھرہ لگا کر خلفا، سلاطین اور عمائدین ملک کے نماز پڑھنے کے لیے محدود کر دیا جاتا ہو اور یہ ایک امن کی جگہ ہوتی ہو۔

اور جب اس دروازے سے مسجد کے صحن کی طرف چلیں جو جانب مشرق ہی تو پھر ایک بڑا دروازہ ملتا ہی جس میں تین در ہیں، اور اسی قدر بڑے ہیں جیسا کہ باب الاسباط ہی۔ ان دروازوں پر لوہے اور پیتل کا ایسا کام بنایا گیا ہی جس سے زیادہ خوبصورت ہونا غیر ممکن ہی۔ اس دروازہ کو **باب الابواب** کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اور پھاٹک دُو دُو در کے ہیں اور یہ سہ درہ ہی اور ان دو شمالی دروازوں کے مابین اس دالان پر جس کی محرابیں ستونوں پر ہیں ایک قبہ ہی اور یہ قبہ اونچے ستونوں پر قایم ہی جو قندیل اور چراغ دانوں سے آراستہ ہی۔ اور اس کو قبہ یعقوب علیہ السلام کہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے اور صحن مسجد پر ایک عمارت ہی جس کی دیوار پر ایک دروازہ نصب ہی جس کے باہر صوفیوں کے لیے دو ریاضت گاہیں بنی ہوئی ہیں جن کے اندر خوبصوت مصلّے اور محرابیں بنی ہیں اور اس جگہ ہمیشہ صوفیوں کے جھگمٹے رہتے ہیں اور وہ اسی جگہ نماز پڑھتے ہیں لیکن جمعہ کے دن مسجد میں آتے ہیں اور تکبیر کی آواز بالاخانے تک پہنچ جاتی ہی اور مسجد کے رکن شمالی پر دوسری خوبصورت عمارت ہی جس پر ایک شاندار اور خوبصورت قبہ بنا ہوا ہی اور اس پر تحریر ہی "ھذا محراب زکریا"۔ روایت ہی کہ حضرت زکریا علیہ السلام ہمیشہ اس جگہ نماز پڑھا کرتے تھے اور مشرقی دیوار پر مابین مسجد ایک بڑا دالان ہی جس کو سڈول پتھر سے گویا ایک ڈال تراش لیا ہی۔ اس کی اونچائی پچاس گز اور چوڑائی تیس گز ہی جس میں نقاشی اور منبت کاری کی گئی ہی اور اس دالان میں دس خوبصورت دروازے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ہر دو دروازوں کے مابین ایک پایہ ہی۔ ان دروازوں میں بہت کچھ تکلف کیا گیا ہی جس میں لوہے اور دمشقی پیتل کے کڑے اور گل میخیں جڑی ہوئی ہیں۔ روایت ہی کہ اس عمارت کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے

بنایا تھا، جب اس کے اندر مشرق سے داخل ہوں تو ان دروازوں میں سے جو دائیں ہاتھ پر ہیں۔ایک باب الرحمتہ اور دوسرے کو باب التوبہ کہتے ہیں اور یہی وہ دروازہ ہی جہاں خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول کی تھی۔ اس دروازہ پر ایک خوبصورت مسجد ہی۔کسی زمانہ میں یہ ایک اندرونی دالان تھا جس کو اب مسجد کی صورت میں تبدیل کر دیا ہی۔ اس مسجد میں طرح طرح کے فرش بچھے ہوئے ہیں اور اس کے خدام بھی جداگانہ ہیں، یہاں ہر وقت لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہی جو نماز اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں کیونکہ اسی جگہ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، اسی بنا پر ہر شخص معافی گناہ کا امید دار ہی۔

روایت ہی کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جیسے ہی چوکھٹ کے اندر قدم رکھا ہی، ویسے ہی بذریعہ وحی قبولیت توبہ کی خوش خبری آگئی اور آپ اسی جگہ ٹھیر گئے اور عبادت میں مشغول ہوئے اور ناصر نے بھی (یعنی میں نے) اس جگہ نماز پڑھی اور خدا سے مناجات کی کہ اس کو گناہوں سے بچنے اور عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خداوند عالم تمام بندوں کو ایسی توفیق دے جس میں رضائے الٰہی ہی۔ اور اپنے حبیب اور آل اطہار کے صدقہ میں گناہوں سے توبہ نصیب کرے۔

مشرقی دیوار کا جو جنوبی گوشہ ہی اسی سمت پر کعبہ ہی اور شمالی دیوار کے سامنے ایک زمین دوز مسجد ہی (بطور تہ خانہ) جس میں بہت سی سیڑھیاں اُتر کر داخل ہوتے ہیں۔ یہ مسجد طول میں ۲۰ گز اور عرض میں ۱۵ گز ہی اور سنگ مرمر کے ستونوں پر سنگین چھت قایم ہی۔

مہد عیسیٰ علیہ السلام | اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارہ (پالنا)

اسی جگہ رکھا ہوا ہے۔ یہ پتھر کا ہے اور اس قدر بڑا ہے جس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے بھی اس میں نماز پڑھی ہے اور اس کو زمین میں ایسا نصب کر دیا ہے کہ جنبش نہ کر سکے۔ یہ وہی ہنڈولہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن میں جھولا کرتے تھے اور لوگوں سے باتیں کیا کرتے تھے، چنانچہ یہ گہوارہ مسجد میں بجائے محراب کے قایم ہے۔

اور اسی مسجد میں جانب مشرق محراب مریم علیہا السلام ہے اور دوسری محراب حضرت زکریا علیہ السلام کی ہے۔ کلام مجید میں حضرت زکریا اور حضرت مریم کی شان میں جس قدر آیات نازل ہوئی ہیں وہ ان محرابوں پر لکھی ہوئی ہیں۔ روایت ہے کہ یہ مسجد مولد عیسےٰ علیہ السلام ہے اور پتھر کے ایک ستون پر دو انگلیوں کے نشان موجود ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس کو پکڑا ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت مریم نے وضع حمل کے وقت اس ستون کو دو انگلیوں سے دبایا تھا اور یہ مسجد مہد عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔ پیتل اور چاندی کی بکثرت قندیلیں آویزاں ہیں جو تمام رات جلتی ہیں۔ جب اس مسجد کے دروازہ سے آگے بڑھیں اور مشرقی دیوار سے بڑی مسجد تک پہنچیں تو ایک دوسری مسجد ملتی ہے جو اس مسجد (مہد عیسیٰ) سے دوچند بڑی ہے اور اس کو مسجد الاقصیٰ کہتے ہیں۔

مسجد الاقصیٰ یہ وہی مسجد ہے جس میں خدائے عز و جل نے نبی کریمؐ کو شب معراج میں مکہ معظمہ سے یہاں تک پہنچایا تھا۔ اور پھر آپ یہاں سے آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔ جس کا تذکرہ کلام مجید کی اس آیت میں ہے سُبْحَانَ الَّذِیٓ[1] اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی ۔ اس جگہ خوشنما

---

(1) "وہ خدا عجز اور درماندگی کے عیب سے پاک ہے) جو اپنے بندے محمدؐ کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا۔"

عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ جن میں پاکیزہ فرش بچھے ہوئے ہیں۔ اور جس کی خدمت کے لیے ہمیشہ خدّام دست بستہ حاضر رہتے ہیں۔

جب (جنوبی مشرقی) دیوار کی طرف لوٹو تو اس گوشہ سے تقریباً ۲۰۰ گز تک کوئی عمارت نہیں ہو بلکہ مسجد اقصیٰ کے صحن کا ایک حصہ ہو اور مسجد کی صدر عمارت (یعنی بڑی محراب کا وہ دالان جس پر گنبد ہوتے ہیں) کا طول چار سو آٹھ ہاتھ ہو جس کے داہنے ہاتھ پر رقبہ حرم کے اندر جنوبی اور غربی دیوار کے گوشہ میں مقصورہ واقع ہو۔ اور مجموعی حیثیت سے چھت کا طول (مغربی ضلع کی لمبائی) ۴۲۰ ہاتھ اور عرض ۱۵۰ ہاتھ ہو۔ اور مسجد الاقصیٰ میں جملہ دو سو اسی (۲۸۰) سنگ مرمر کے ستون ہیں اور ان پر پتھر کی محرابیں ہیں اور ان ستونوں کے سربند اور تنے منقش ہیں۔ اور درزوں کو رانگ سے ایسا بند کر دیا ہو جس سے زیادہ مستحکم ہونا غیر ممکن ہو۔ اور ہر دو ستونوں کے مابین چھ ہاتھ کا فاصلہ ہو۔ اور تمام فرش رنگین سنگِ مرمر کا ہو، اور ان پتھروں کی درزوں پر رانگ کی ٹیپ ہو۔

مسجد الاقصیٰ کا مقصورہ

مقصورہ (مسجد و رقبہ حرم کی) جنوبی دیوار کے وسط میں ہو اور بہت بڑا ہو جس میں سولہ (۱۶) ستون ہیں اور قبہ بھی بہت بڑا ہو جس پر میناکاری کی گئی ہو جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔

مقصورہ کے اندر مغربی چٹائیوں کا فرش ہو۔ قندیلیں اور چراغ دان جدا جدا زنجیروں میں لٹکے ہوئے ہیں اور بڑی محراب میناکار بنائی ہو، جس کے ہر دو جانب سنگِ مرمر کے ستون عقیق سرخ کی طرح ہیں۔ اور مقصورہ کی چاروں طرف کی دیوار سنگِ مرمر کی ہو اور دائیں ہاتھ پر امیر معاویہ کی محراب ہو اور بائیں ہاتھ پر حضرت عمرؓ کی محراب ہو۔

اس مسجد کی چھت لکڑیوں سے پٹی ہوئی ہو جو نقش و نگار سے آراستہ ہو،

مقصورہ کے صحن کی جانب پندرہ دروازے ہیں جس میں خوبصورت جوڑیاں چڑھی ہوئی ہیں اور ہر ایک دروازہ دس گز اونچا اور چھ گز چوڑا ہی۔ چنانچہ منجملہ پندرہ[1] کے دس دروازے اس دیوار میں ہیں جس کا طول ۴۲۰ ہاتھ ہی اور پانچ دروازے اس دیوار میں ہیں جس کا طول ۱۵۰ ہاتھ ہی اور منجملہ ان دروازوں کے ایک خالص پیتل کا ہی جو نہایت خوبصورت اور پُر تکلف ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ گویا طلائی ہی کیونکہ خالص و نرم چاندی سے زمین تیار کرکے اس پر نقش و نگار بنائے ہیں۔ اور خلیفہ مامون الرشید عباسی کا نام اس پر منقش ہی۔ بیان کیا جاتا ہی کہ مامون الرشید نے اس دروازہ کو بغداد سے بھیجا تھا۔ جب مسجد کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں اس وقت اس مسجد کا اندرونی حصہ ایسا روشن ہو جاتا ہی گویا ایک کھلا ہوا صحن ہی جس میں چھت نہیں ہی۔ البتہ ہوا اور بارش کے زمانہ میں دروازے بند رہتے ہیں اور مسجد کے اندر روشنی روزنوں سے آتی ہی اور صدر عمارت کے ہر چہار جانب باشندگان ممالک شام اور عراق کی طرف سے صندوق رکھے ہیں (خیرات کے لیے) اور مجاور بیٹھے رہتے ہیں جیسا کہ مسجد الحرام مکہ معظمہ میں دستور ہی۔

اور مسجد الاقصیٰ کے باہر بڑی دیوار پر جس کا ذکر ہو چکا ہی، ایک عمارت ہی، جس میں بیالیس محراب ہیں اور تمام ستون رنگین سنگِ مرمر کے ہیں اور یہ عمارت مغربی عمارت سے جا کر مل جاتی ہی اور اندرونی حصہ مسجد میں ایک حوض ہی کہ جب اس پر ڈھکنا رکھ دیا جاتا ہی تو زمین کے برابر نظر آتا ہی۔ یہ حوض برساتی پانی کے لیے ہی۔ اور دیوار جنوبی پر ایک دروازہ ہی، وہاں ایک وضو خانہ ہی اور پانی بھی رہتا ہی کہ اگر کسی کو وضو کی ضرورت ہو تو از سرِ نو وضو کرے، کیونکہ اگر کوئی وضو کے لیے مسجد سے باہر جائے تو پھر نماز نہیں مل سکتی ہی۔ اس لیے کہ حرم مسجد بہت

---

[1] برٹش میوزیم اور پروفیسر شیفرڈ کے نسخہ میں (بابت پیمائش) اختلاف ہی۔

طویل ہی اور تمام عمارتوں کی چھت پر رانگ کی ٹیپ کی گئی ہی اور مسجد میں حوض اور
تالاب بہت ہیں جو زمین کھود کر بنائے گئے ہیں، کیونکہ کل مسجد پہاڑی چٹان پر ہی
چنانچہ برساتی پانی کا کوئی حصہ ضایع نہیں جاتا ہی بلکہ تالابوں میں جمع ہوتا ہی۔
اور یہی پانی لوگ بھر کرلے جاتے ہیں اور رانگ کے پرنالے ہیں جن کے ذریعہ
سے پانی بہتا ہی اور پرنالوں کے نیچے سنگین حوض بنے ہوئے ہیں، جن کے پیندے
میں سوراخ ہیں جن کے اندر سے پانی بہ کر نالیوں کے ذریعہ سے حوض میں چلا جاتا ہی، جو
آمیزش سے پاک وصاف ہوتا ہی اور اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہوتی
ہی۔ شہر سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر میں نے ایک بہت بڑا تالاب دیکھا جس
میں پہاڑ سے آکر پانی جمع ہوتا ہی اور اس میں ایسی نالیاں بنائی ہیں جن کے
ذریعہ سے شہر کی مسجد میں پانی آتا ہی۔ اور تمام شہر میں سب سے زیادہ پانی کی افراط
مسجد میں رہتی ہی۔ شہر کے جملہ مکانات کے اندر حوض بنے ہوئے ہیں جن میں برسات
کا پانی جمع ہوتا ہی، کیونکہ برساتی پانی کے علاوہ اور کوئی انتظام نہیں ہوسکتا ہی۔
اور ہر شخص وہ پانی (جو برسات میں) چھتوں سے بہ کر گرتا ہی جمع کرلیتا ہی اور حمام
وغیرہ میں یہی پانی خرچ ہوتا ہی۔ جس قدر حوض مسجد میں ہیں ان میں کبھی مرمت
کی ضرورت نہیں ہوتی ہی کیونکہ یہ سب سنگِ خارا کے بنے ہوئے ہیں اور اگر
کسی میں درز پڑجاتی ہی یا سوراخ ہوجاتا ہی تو اس کو ایسا مضبوط بنا دیتے ہیں کہ
پھر کبھی خراب نہیں ہوتا۔ روایت ہی کہ ان حوضوں کو سلیمان علیہ السلام نے
تعمیر کرایا ہی اور حوض کے دہانے اس قسم کے ہیں جیسے تنور اور کنٹویں کا منہ ہوتا
ہی اور ہر حوض کے اوپر ایک پتھر رکھا ہوا ہی تاکہ کوئی چیز اس میں نہ گرے۔
شہر بیت المقدس کا پانی اور سب جگہ سے صاف ستھرا ہی اور اگر تھوڑی سی بھی
بارش ہوجاتی ہی تو دو تین دن تک پرنالوں سے پانی بہا کرتا ہی۔ جب ہوا صاف

ہوجاتی ہے اور بادلوں کا نشان نہیں رہتا تب بھی پانی کے قطرے ٹپکتے رہتے ہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ شہر بیت المقدس پہاڑ کی چوٹی پر ہے اور زمین ہموار نہیں ہے لیکن مسجد الاقصیٰ کی زمین برابر اور ہموار ہے اور مسجد کے باہر دیگر مقامات کے مقابلہ میں جہاں نشیب ہے، مسجد کی دیوار بہت اونچی ہے، کیونکہ بنیاد نشیبی حصہ پر رکھی گئی ہے اور جہاں بلندی ہے وہاں دیوار بہت چھوٹی ہے لہٰذا جن مقامات میں شہری آبادی اور محلے نشیب میں ہیں، وہاں مسجد میں صحن کے جانب سُرنگ لگاکر زمین دوز دروازے نکالے ہیں، ان دروازوں میں سے ایک کو "باب النبیؐ" کہتے ہیں جو قبلہ رُو یعنی جنوب کی طرف ہے۔ اس دروازہ کی چوڑائی دس گز ہے اور بلندی سیڑھیوں کے مقابلہ میں کسی جگہ پانچ گز رہ گئی ہے۔ یعنی سرنگ کی چھت کسی جگہ بیس گز بلند ہے جس پر مسجد کی عمارت ہے اور سرنگ کی چھت اس قدر مضبوط ہے جس کے اوپر مسجد اقصیٰ جیسی بڑی عمارتیں بنائی ہیں اور پھر اس پر کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ اور ایسے بھاری پتھر لگائے ہیں کہ عقل میں نہیں آتا کہ قوت بشری نے ان کو اٹھاکر کس طرح یہاں تک پہنچایا ہے۔

روایت ہے کہ یہ عمارت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی تعمیر کردہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں اسی راستہ سے مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تھے۔ یہ دروازہ مکہ معظمہ کی سڑک پر ہے اور اس دروازہ کے قریب دیوار پر ایک بڑی سپر کے برابر نشان ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب (عم رسول اللہ صلعم) نے اس جگہ قیام فرمایا تھا اور چونکہ آپ پیٹھ لگاکر بیٹھے تھے لہٰذا سپر کا پورا نقش دیوار پر بن گیا ہے اور مسجد کے اس دروازہ پر (یعنی زمین دوز دروازہ کی چھت پر) ایک در میں دو کواڑ لگائے ہیں۔ مسجد کی دیوار باہر سے تقریباً پچاس گز بلند ہے اور اس دروازے کی تعمیر سے یہ غرض تھی

کہ اس محلہ کے باشندوں (جس میں مسجد کا یہ ضلع شامل ہے) کو مسجد میں چکر کاٹ کر نہ آنا پڑے۔ اور مسجد کے داہنے ہاتھ پر دیوار میں ایک پتھر ہے جس کا طول گیارہ ہاتھ اور عرض چار ہاتھ ہے، چنانچہ اس سے بڑا کوئی دوسرا پتھر مسجد میں نہیں ہے۔ البتہ چوگزے اور پنچ گزے پتھر بافراط دیوار میں نصب ہیں جو سطح زمین سے تیس اور چالیس گز کی بلندی پر ہیں اور عرض مسجد میں ایک شرقی دروازہ ہے جس کا نام باب العین ہے۔ جب اس دروازہ سے نکل کر نشیب کی طرف اُترتے ہیں تو چشمہ سلوان ملتا ہے۔

اور اسی قسم کا ایک دوسرا زمین دوز دروازہ ہے جس کا نام باب الحطہ ہے۔ روایت ہے کہ یہ وہ دروازہ ہے جس کی نسبت خدائے عزوجل نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ وہ اسی دروازہ سے مسجد میں داخل ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "ادخلوا الباب سجدًا و قولوا حطة نغفر لکم خطیٰکم وسنزید المحسنین"[1]

ایک تیسرا دروازہ اور ہے جس کو باب السکینا کہتے ہیں جس کے اندرونی دالان میں ایک مسجد ہے، جس میں بکثرت محرابیں ہیں اور اس کا پہلا دروازہ بند ہے جس میں کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں تابوت سکینہ (جس کا تذکرہ کلام مجید میں ہے) رکھا ہوا ہے جس کو فرشتے اٹھایا کرتے تھے اور جامع بیت المقدس میں اوپر اور نیچے کُل نو دروازے ہیں، جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں۔

چبوترہ صخرہ کا بیان

مسجد الاقصیٰ کے صحن میں ایک چبوترہ ہے۔ سنگِ صخرہ جو اسلام سے پہلے

---

[1] دروازے میں داخل ہونا جھکے جھکے اور کہتے جانا کہ توبہ ہے، ہم معاف کر دیں گے تمھاری خطائیں اور ابھی ابھی مزید بڑائی اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو۔

قبلہ تھا، اسی چبوترہ کے وسط میں رکھا ہوا ہی۔ اور چبوترہ بنانے کا یہ سبب ہی کہ صخرہ بلند تھا اور اس پر عمارت بنانی غیر ممکن تھی، اس لیے چبوترہ تعمیر کیا ہی جس کی پیمائش طولاً تین سو تیس ۳۳۰ ہاتھ اور عرضاً تین سو ہاتھ اور بلندی بارہ گز ہی اور صحن مسطح خوبصورت سنگ مرمر کا ہی اور دیواریں بھی اسی پتھر کی ہیں جس کی درزیں رانگ سے بند ہیں۔ اور اطراف چبوترہ کو سنگِ مرمر کے چوکوں سے بطور حظیرہ گھیر لیا ہی اور اس کی ساخت اس قسم کی ہی کہ بجز مقررہ راستوں کے کسی دوسرے راستہ سے اس پر چڑھ نہیں سکتے ہیں۔ اور جب چبوترہ پر چڑھ جائیں تو مسجد اقصیٰ کی چھت سے قریب ہو جاتے ہیں۔ صحن چبوترہ میں ایک زمین دوز حوض ہی جس میں اس جگہ کا برساتی پانی نالیوں سے جا کر جمع ہو جاتا ہی۔ اس حوض کا پانی مسجد کے تمام حوضوں کے پانی سے بدرجہا پاک و صاف ہی۔ اس چبوترہ پر چار قُبّے ہیں جن میں سب سے بڑا قبہ صخرہ ہی جو قبلہ رہ چکا ہی۔

قبہ صخرہ کا بیان

مسجد الاقصیٰ کی بنیاد اس طرح پر ڈالی گئی ہی کہ چبوترہ مذکور صحن میں آگیا ہی اور چبوترہ کے وسط میں قبہ صخرہ ہی اور صخرہ ٹھیک قبہ کے اندر ہی اور عمارت صخرہ ہشت پہل ہی، جس کا ہر ضلع تینتیس ۳۳ ہاتھ ہی۔

عمارت صخرہ چار سمت میں چار دروازے ہیں، یعنی مشرقی، مغربی، شمالی، جنوبی۔ اور دو دروازوں کے مابین ایک ضلع ہی۔ تمام دیواریں ترشے ہوئے پتھر کی ہیں، جس کا طول بیس ہاتھ ہی اور صخرہ کا محیط سو ۱۰۰ گز ہی۔ صخرہ شکل و صورت میں خوشنما نہیں ہی یعنی نہ چوکور ہی نہ گول۔ بلکہ پہاڑی پتھروں کی طرح ایک بے ڈول پتھر ہی۔ صخرہ کے چاروں طرف چار مربع ستون قایم ہیں جو

اونچائی میں دیواروں کے برابر ہیں، پھر ہر دو ستونوں کے درمیان (منجملہ چار) سنگ مرمر کے دوہرے گول ستون اور ہیں، جو بلندی میں بڑے ستونوں کے برابر ہیں۔ اور ان بارہ ستونوں اور اسطوانوں پر گنبد کی بنیاد قایم ہی جس کے نیچے صخرہ ہی اور جس کا محیط ایک سو بیس ہاتھ ہی۔ اس عمارت میں جو ستون اور اسطوانہ ہیں اس کی تفصیل یہ ہی کہ جو کھمبے چوکور (مربع) ہیں، ہیں ان کو ستون کہتا ہوں اور جو ستون ایک ڈال پتھر کے گول (مدوّر) ہیں اُن کو اسطوانہ سے تعبیر کرتا ہوں۔

بعدازاں اِن ستونوں اور دیوار مکان کے مابین خوش نما پتھروں سے چھ ستون اور بنائے گئے ہیں۔ پھر ہر دو ستونوں کے مابین تین عمود رنگین سنگ مرمر کے برابر فاصلہ دے کر قایم کیے گئے ہیں۔ جس طرح پہلی صف میں دو ستونوں کے مابین دو عمود تھے، اسی طرح یہاں دو ستونوں کے درمیان میں تین عمود ہیں اور ہر ستون کا بالائی حصہ چوگوشہ ہی، جن میں سے ہر ایک گوشہ ایک محراب کا پایہ ہی اور ہر عمود کے دو گوشے ہیں، چنانچہ ہر عمود پر دو محرابیں ہیں۔ اور اس حساب سے ہر ستون پر چار محرابیں ہوتی ہیں۔ اس وقت یہ بڑا گنبد، جو بارہ ستونوں پر صخرہ کے نزدیک قایم ہی ایک فرسنگ سے پہاڑ کی چوٹی کی طرح نظر آتا ہی، کیونکہ گنبد جڑ سے چوٹی تک تیس ہاتھ ہی۔ اور پھر بیس گز کی بلندی پر دیوار اور ستون اٹھائے گئے ہیں، جو دراصل خانۂ صخرہ کی دیوار ہی اور مکان صخرہ بارہ گز اونچے چبوترہ پر ہی۔ اس حساب سے سطح مسجد سے گنبد کی چوٹی تک باسٹھ گز ہوتے ہیں اور اس مکان کی (اوپر[1] اور نیچے) چھت لکڑی کی ہی۔ اور ان جملہ ستونوں پر ایسی صنعت سے دیوار

---

[1] اصل عبارت یہ ہی "بام وسقف این خانہ بنجارت پوشیدہ است"۔ ہماری رائے میں بام سے اصلی چھت مراد ہی اور سقف سے چوبی چھت گیری مقصود ہی جس کے نمونہ دہلی وغیرہ کی عمارتوں میں ہنوز موجود ہیں۔ دانہ بام کھلی ہوئی چھت کو کہتے ہیں اور سقف وہ حصہ ہی جو پٹا ہوا ہوتا ہی۔

اُٹھائی ہو کہ جس کی نظیر کہیں اور نہیں ملے گی۔

صخرہ قد آدم زمین سے بلند ہو اور سنگِ مرمر کا ایک مُحجّر اس کے گرد ہو تاکہ کوئی اس کو چھو نہ سکے۔ سنگ صخرہ نیلگوں ہو اور کسی نے آج تک اس پر قدم نہیں رکھا ہو۔ اور جانب قبلہ ایک طرف گڑھا سا ہو اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ کوئی شخص اس پر سے گزرا ہو، جس کے پانوں پتھر میں دھس گئے ہیں اور وہ ایسی نرم مٹی تھی جس میں پانوں کی اُنگلیوں کے نشان بن گئے ہیں۔ علاوہ بریں قدم کے سات نشان بھی اس پر موجود ہیں۔ اور میں نے یوں سنا ہو کہ جس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام یہاں تشریف رکھتے تھے اور حضرت اسحٰق علیہ السّلام کا بچپن تھا یہ ان کے قدم کے نشان ہیں۔

صخرہ مبارک میں ہمیشہ مجاور اور درویش (عابد) رہا کرتے ہیں، اور یہ مکان ریشمی فرش وغیرہ سے آراستہ رہتا ہو اور صخرہ کے عین وسط میں ایک نقرئی قندیل، چاندی کی زنجیر میں لٹکی ہوئی ہو۔ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چاندی کی قندیلیں آویزاں ہیں، جن پر ہر ایک کا وزن لکھا ہوا ہو۔ اور یہ قندیلیں سلطان مصر کا عطیہ ہیں۔ میں نے حساب لگایا تو سینتیس[۳۷] من چاندی کی مختلف اشیا وہاں موجود تھیں۔

یہاں میں نے ایک شمع دیکھی جس کا طول سات ہاتھ اور جس کی جسامت تین بالشت کی تھی، جس میں کافور رُباحی اور عنبر وغیرہ کی آمیزش تھی۔ لوگوں کا بیان ہو کہ سلطان مصر سالانہ بکثرت شمعیں بھیجا کرتا ہو۔ چنانچہ منجملہ ان کے یہ بڑی شمع بھی ہو (جس کے نیچے) طلائی حروف میں سلطان مصر کا نام لکھا ہوا تھا۔ خدا کے گھروں میں سے یہ (صخرہ یا بیت المقدس) تیسرا مکان ہو۔ کیونکہ علمائے دین میں مشہور ہو کہ جو نماز بیت المقدس میں پڑھی جائے وہ پچیس[۲۵] ہزار اور جو مدینہ طیبہ

میں پڑھی جائے وہ پچاس ہزار اور جو خانہ کعبہ میں پڑھی جائے وہ ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہو۔ خداوند عالم اپنے سب بندوں کو یہاں تک پہنچنے کی توفیق دے۔

یہ میں کہہ چکا ہوں کہ تمام چھتوں اور گنبدوں کی پشت پر رانگ کی ٹیپ کی گئی ہو۔ اور حرم کے چاروں طرف بڑے دروازے قایم ہیں منجملہ ان کے دو دروازے چوب ساج کے ہیں۔ مگر یہ دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں۔

قبۂ سلسلہ عمارت صخرہ کے بعد (چبوترہ پر) ایک اور قبہ ہو جس کو قبۂ سلسلہ کہتے ہیں اور یہ وہ مقام ہو جہاں داؤد علیہ السّلام کی زنجیر لٹک رہی ہو۔ اور علما میں مشہور ہو کہ بجز راستباز کے کسی ظالم اور غاصب کا ہاتھ اس زنجیر تک نہیں پہنچتا ہو۔ اور یہ قبہ آٹھ عمود اور چھ سنگین ستونوں پر قایم ہو، جن کے سب رُخ کھلے ہوئے ہیں، البتہ قبلہ رُخ اوپر تک بند ہو اور اس جگہ ایک خوبصورت محراب بنائی ہو۔ اور نیز اس چبوترہ پر ایک دوسرا قبہ بھی ہو جو سنگِ مرمر کے چار ستونوں پر قایم ہو۔ اور اس کا بھی قبلہ والا رُخ بند ہو۔ اور یہاں بھی ایک خوبصورت محراب ہو جس کو قبہ جبرئیل علیہ السّلام کہتے ہیں۔

قبۂ جبرئیل علیہ السّلام اس قبہ میں سنگی فرش نہیں ہو، بلکہ یہاں کی زمین خود پتھریلی ہو، جس کو ہموار کر لیا ہو۔ روایت ہو کہ شب معراج میں اس مقام تک براق آیا تھا اور اسی جگہ سے حضور سرورِ عالمؐ براق پر سوار ہوئے تھے۔

قبۃ الرسول قبہ جبرئیلؑ کی پشت پر دوسرا قبہ ہو جس کو قبۂ رسول کہتے ہیں اور ان دونوں قبوں میں بیس ہاتھ کا فاصلہ ہو۔ یہ قبہ بھی سنگِ مرمر کے چار ستونوں پر قایم ہو۔ روایت ہو کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل قبہ صخرہ میں نماز پڑھی اور صخرہ پر ہاتھ رکھا۔ اور جب آپ قبہ سے باہر

تشریف لائے تو صخرہ تعظیماً اپنی جگہ سے بلند ہوا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا ہاتھ صخرہ پر رکھا تب وہ اپنی جگہ پر آکر ٹھیر گیا۔ اور آج تک اسی طرح معلق ہے۔ رسول مقبول اسی قبہ میں تشریف لائے تھے، بدیں وجہ یہ حضور سے منسوب ہے۔ اور اسی جگہ براق پر سوار ہوئے تھے اور یہی اس قبہ کی عظمت کا سبب ہے صخرہ کے نیچے ایک بڑا غار ہے جس میں ہمیشہ شمع روشن رہتی ہے۔ روایت ہے کہ جب صخرہ بلند ہونے لگا تو حصہ زیرین خالی رہ گیا اور جب ٹھیرا تو بحال خود قایم رہا۔

چبوترہ کی سیڑھیوں کا بیان

صحن مسجد الاقصیٰ پر چڑھنے کے لیے چھ راستے ہیں اور ہر ایک کا نام جداگانہ ہے چنانچہ قبلہ کی طرف دو راستے ہیں جس کو سیڑھیوں سے طے کرتے ہیں، جب چبوترہ کے وسط میں ٹھیریں تو سیڑھیوں کا ایک سلسلہ دائیں ہاتھ پر ہے اور دوسرا بائیں پر، پہلے سلسلے کو مقام النبی اور دوسرے کو مقام غوری کہتے ہیں۔

مقام النبی اس لیے کہتے ہیں کہ شب معراج میں حضور انور انھی سیڑھیوں سے گزر کر چبوترہ پر تشریف لے گئے تھے اور پھر وہاں سے قبہ صخرہ میں اور حجاز کی سڑک بھی اسی سمت میں ہے۔ ان سیڑھیوں کی موجودہ چوڑائی بیس ہاتھ ہے، جو سب سڈول پتھر تراش کر بنائی گئی ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ ہر سیڑھی میں ایک یا دو مربع پتھر کے چوکے نصب ہیں۔ اور اس انداز سے سیڑھیاں بنائی ہیں کہ اس پر مع سواری کے بھی چڑھ سکتے ہیں۔ اور سیڑھیوں کے اوپر سبز سنگ مرمر کے چار ستون ہیں جو بعینہٖ زمرد کے معلوم ہوتے ہیں اور ان پر ہر رنگ کے بکثرت نقطے ہیں۔ ان میں سے ہر عمود کی بلندی دس ہاتھ ہے اور گولائی اس قدر ہے کہ دو آدمیوں کے ہاتھوں کے حلقہ میں آجائیں۔ پھر چار ستونوں پر تین

محراب ہیں، چنانچہ ایک محراب دروازہ کے مقابل ہو اور دو دائیں بائیں واقع ہیں اور پچھلا رخ محرابوں کا سیدھا ہو، جس پر کنگرے بنے ہوئے ہیں اور یہ کنگرے مرتع نظر آتے ہیں۔ اور یہ عمود اور محرابیں طلا اور مینا کے کام سے منقش ہیں، جس سے زیادہ خوبصورت ہونا مشکل ہو اور چبوترہ پر جس قدر تکیے بنائے ہیں، وہ تمام و کمال سبز مرمر کے ہیں اور منقط ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ وادی میں پھولوں کے تختے کھلے ہوئے ہیں۔

مقام غوری

اور مقام غوری کا یہ نقشہ ہو کہ اس پر جانے کے لیے تین زینہ ہیں۔ ایک مقابل چبوترہ اور دو پہلو میں، چنانچہ تین جگہ سے لوگ اس پر چڑھتے ہیں۔ اور یہاں بھی تینوں زینوں کے اوپر ویسے ہی ستون ہیں، جن پر محراب اور کنگرے ہیں اور پتھر کی سیڑھیاں بھی اسی ترتیب سے تراش کر لگائی ہیں۔ اور ہر سیڑھی دو یا تین بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہو۔ اور ایوان کی پیشانی پر خوبصورت طلائی حروف میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی :-

" امر بہ الامیر لیث الدولہ نوشتگین غوری"[1] (یعنی یہ عمارت امیر لیث الدولہ نوشتگین کے حکم سے تعمیر ہوئی ہو)

کہتے ہیں کہ لیث الدولہ سلطان مصر کا غلام تھا جس نے یہ راستے اور سیڑھیاں بنائی ہیں۔ اور چبوترہ کے مغربی طرف بھی دو جگہ سیڑھیاں بنوا کر راستہ نکال دیا ہو اور ویسا ہی خوشنما جیسا کہ بیان کر چکا ہوں۔

مقام شرقی

اسی طرح مشرقی جانب بھی ایک راستہ ایسے ہی تکلف سے بنایا ہو۔ اور اس پر عمود قایم کر کے محراب بنائی ہیں، جس پر

---

[1] امیر لیث الدولہ فاطمی خلیفہ الظاہر باللہ (۴۱۹ھ / ۱۰۲۸ء لغایت ۴۳۳ھ / ۱۰۴۱ء) کے عہد میں امیر الجیوش (سپہ سالار اعظم) تھا۔

کنگرے ہیں۔ اور اس کا نام مقام شرقی ہے۔

مقام شامی

اور شمالی جانب بھی ایک راستہ ہے جو بہت اونچا اور چوڑا ہے۔ اور اس پر بھی ویسے ہی عمود اور محرابیں ہیں۔ اور اس کو مقام شآمی (شمالی) کہتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ ان چھ راستوں کی تعمیر میں ایک لاکھ دینار (سات لاکھ پچاس ہزار روپیہ) لاگت آئی ہوگی۔

صحن مسجد (چبوترہ پر نہیں) پر ایک جگہ ہے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد (اطولِ حظیرہ) جانب شمال پتھر تراش کر بنائی ہے، جس کی دیوار قدآدم سے زیادہ نہ ہوگی اور اس کو محراب داؤد کہتے ہیں[۵۵]۔

حظیرہ کے قریب ایک قدآدم ناہموار (ڈول) پتھر رکھا ہوا ہے اور اس کا اگلا حصّہ اس قدر چوڑا ہے کہ جس پر ایک چھوٹا سا مصلّے بچھ سکتا ہے، کہتے ہیں کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کی کُرسی ہے، جس پر آپ بزمانہ تعمیرِ ہیکل بیٹھا کرتے تھے۔ یہ مضمون میں نے جامع بیت المقدس میں لکھا ہوا دیکھا تھا۔ اور اسی جگہ میں نے اپنے روزنامچے میں لکھ لیا تھا، مسجد کے نوادرات سے یہ ہے کہ میں نے وہاں درخت خور[۱۳۱] دیکھا۔

بیت المقدس سے مدینۃ الخلیل کی روانگی

بیت المقدس سے میں نے مشہد حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کی زیارت کا قصد کیا۔ چہارشنبہ غرہ ذی قعدہ ۴۳۸؁ ہجری (۲۹ اپریل ۱۰۴۷؁ء) کو منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوگیا۔ بیت المقدس سے حبرون یعنی مشہد خلیل تک چھ فرسنگ کا فاصلہ ہے اور راستہ دکن کی طرف جاتا ہے۔

---

[۵۵] اصطخری لکھتا ہے کہ عمارات بیت المقدس میں محرابِ داؤد سب سے پہلی عمارت ہے جو رملہ سے چل کر نظر آتی ہے۔ یہ عمارت ۵۰ گز طول اور ۳۰ گز عرض میں ہے۔ اور اس مسجد کی ہر ایک محراب پیغمبروں کے نام سے منسوب ہے۔

راہ میں مواضعات کی کثرت ہی، کھیت اور باغات افراط سے ملتے ہیں، انگور، انجیر، زیتون اور خود رو سماق کے درخت بے شمار ہیں اور یہ سب جنگلی ہیں، ان کو پانی نہیں ملتا ہی۔

شہر سے دو فرسنگ کے فاصلے پر چار گانو کا ایک کھیڑہ آباد ہی، یہاں پانی کا چشمہ ہی اور باغات بہت ہیں۔ اور موزونیت مقام کے اعتبار سے اس مقام کا نام فرادیس (جمع فردوس) ہی۔

شہر بیت المقدس سے ایک فرسنگ پر عیسائیوں کا ایک مقدس مقام ہی جس کو بیت اللحم کہتے ہیں۔ یہاں ہمیشہ عیسائیوں کا مجمع رہتا ہی۔ اور بکثرت زائرین آتے ہیں اور قربانی کرتے ہیں۔ اور یونان سے عیسائی بہت آتے ہیں بیت المقدس سے چل کر رات کو میں نے اسی جگہ قیام کیا تھا۔

صفت مشہد خلیل صلوات اللہ علیہ

ملک شام اور بیت المقدس کے باشندے اس مشہد کو صرف خلیل کہتے ہیں اور موضع مطلون[۱] کا جہاں یہ مشہد واقع ہی نام نہیں لیتے ہیں۔ اور علاوہ مطلون کے مصارف کے لیے متعدد دیہات وقف ہیں۔ مطلون میں پتھر سے ایک چشمہ نکلا ہی، جس سے تھوڑا پانی نکلتا ہی۔ اور ذرا آگے بڑھ کر ایک نہر نکالی ہی جس کو گانو کے قریب پہنچا دیا ہی اور گانو کے باہر ایک حوض بنایا ہی جس کا منہ بند رہتا ہی اور اس میں پانی جمع کرتے ہیں تاکہ ضائع نہ ہو اور زائرین اور باشندگان موضع کا اسی پانی پر گزارہ ہی۔

---

[۱] حبرون یا مطلون۔ مرطون، بیت عینون اور بیت ابراہیم، یہ چاروں مواضعات متصلہ ہیں جن میں مطلون بہت مشہور رہی۔ (از سیاحت نامہ قدسی انگریزی)

مشہد حضرت ابراہیم خلیل اللہ مشہد خلیل گانو کے کنارے جنوبی سمت میں ہے۔ اور یہاں جنوبی سمت حقیقت میں مشرقی سمت ہے۔ مشہد کی چاروں دیواریں ترشے ہوئے پتھر کی ہیں، جس کا طول اسّی ہاتھ اور عرض چالیس ہاتھ اور ارتفاع بیس ہاتھ ہے اور دیوار کی چوٹی کا اتار دو ہاتھ ہے۔ اور عمارت کے عرض میں محراب و مقصورہ بنایا ہے۔ اور پھر مقصورہ میں خوبصورت محراب جداگانہ ہیں مقصورے کے اندر دو قبریں ہیں، جن کے سرہانے قبلہ رخ ہیں۔ دونوں قبریں قدِ آدم اونچی ہیں، اور ترشے ہوئے پتھر کی ہیں۔ ان میں سے جو دائیں ہاتھ پر ہے وہ حضرت اسحاق بن ابراہیم کی ہے۔ اور دوسری قبر آپ کی بی بی (ربقہ) کی ہے اور ان دونوں قبروں میں دس ہاتھ کا فاصلہ ہے۔

مشہد کی زمین اور دیوار قیمتی فرش اور مغربی چٹائیوں سے آراستہ ہے، یہ چٹائیاں حریر (دیبا) سے زیادہ نفیس ہیں، یہاں میں نے چٹائی کا ایک مصلیٰ دیکھا جس کو امیر الجیوش (سپہ سالار) نے بھیجا تھا، یہ امیر سلطان مصر کا غلام ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مصر میں اس مصلے کی قیمت تیس دینار مغربی (دوسو پچیس یا پندرہ پونڈ) ہے، اگر دیبائے رومی (بقدر مصلی) خرید کیا جاتا تو اس سے کم دام میں آجاتا، میں نے ایسا مصلیٰ کہیں نہیں دیکھا ہے۔

جب مقصورہ سے برآمد ہوں تو صحن مشہد میں دو عمارتیں ملتی ہیں، جو قبلہ رخ ہیں، چنانچہ دائیں ہاتھ پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مزار مبارک ہے۔ اور یہ بڑی عمارت ہے جس کے اندر ایک اور مکان ہے مگر اس کے گرد طواف نہیں کرسکتے ہیں، اس میں چار کھڑکیاں (یا جالدار کٹہرے) ہیں۔ اور زوّار انھیں کھڑکیوں سے مزار کی زیارت کرتے ہیں۔ اس مکان کی زمین اور دیواریں دیبا سے آراستہ ہیں۔ اور قبر پتھر کی بنی ہوئی ہے، جو تین گز لانبی ہے۔ قندیلیں اور چراغدان چاندی

کے بکثرت آویزاں ہیں۔

دوسرا مکان جو قبلہ کے بائیں ہاتھ پر ہی، اس میں حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہی۔ اور اس مکان کے مابین ایک راستہ ہی (بطور دالان) جس سے دونوں طرف جا سکتے ہیں۔ یہاں بھی قندیل اور چراغدان بکثرت آویزاں ہیں۔ ان مزارات سے نکل کر قریب ہی دو مقبرے اور ملتے ہیں۔ چنانچہ دائیں ہاتھ پر یعقوب علیہ السلام کی قبر ہی اور بائیں ہاتھ پر ان کی بی بی (لیّا) مدفون ہیں۔ بعد ازاں جو مکانات ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان خانے ہیں۔ اور اس مشہد (درگاہ) میں جملہ چھ قبریں ہیں اور چار دیواری کے باہر ایک غار ہی، جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا مقبرہ ہی، جس کا گنبد خوبصورت اور قبر سنگین ہی۔ اور (مابین قبر یوسف علیہ السلام اور مشہد) جنگل کی جانب ایک بڑا قبرستان ہی جہاں دور دور سے مُردے لاکر دفن کیے جاتے ہیں۔ اور مقصورے کی چھت پر جو حجرے ہیں اس میں مہمان ٹھیرا کرتے ہیں۔ مشہد خلیل کے متعلق بہت سے دیہات وقف ہیں۔ جس میں بیت المقدس کی آمدنی والی جائداد بھی شامل ہی۔

یہاں گیہوں کم اور جَو زیادہ پیدا ہوتا ہی۔ زیتون کی بھی افراط ہی۔ مہمانوں مسافروں اور زائروں کو (کھانے کے ساتھ) روغن زیتون بھی دیا جاتا ہی چکیاں بکثرت ہیں، جن میں بیل اور خچر چلتے ہیں۔ اور تمام دن آٹا پسا کرتا ہی اور لونڈیاں دن بھر روٹیاں پکایا کرتی ہیں۔ ان روٹیوں میں سے ہر ایک کا وزن ڈیڑھ سیر ہوتا ہی۔

خوان خلیل ہر مہمان کو لنگر خانہ سے ایک کلچہ روٹی اور ایک پیالہ مسور کی دال کا ملتا ہی۔ اور دال روغن زیتون میں بگھاری جاتی ہی اور منقّیٰ (انگور خشک) بھی دیے جاتے ہیں، اور مہمان داری کا یہ دستور

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانہ سے آج تک جاری ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک دن میں پانچ سو زائر آجاتے ہیں اور سب کی دعوت ہوتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس مشہد میں دروازے نہ تھے، کوئی اس کے اندر نہیں جا سکتا تھا، بلکہ باہر سے زیارت کرتے تھے۔ جب مصر میں خلیفہ المہدی[۱۴۲] (بانی خاندان فاطمیہ) حکمران ہوا تو اس نے حکم دیا کہ مشہد میں دروازے لگائے جائیں اور بہت سا سامان بھیج دیا اور فرش وغیرہ سے آرائش کے علاوہ عمارت بھی بڑھا دی گئی۔ اور یہ جدید دروازہ مشہد کی شمالی دیوار میں لگایا گیا ہے، جو زمین سے چار گز اونچا ہے۔ اور دونوں طرف پختہ سیڑھیاں بنائی ہیں جس پر ایک طرف سے چڑھتے ہیں اور دوسری جانب سے اتر جاتے ہیں اور (راستہ کی روک کے لیے اس جگہ) لوہے کا ایک چھوٹا سا دروازہ بھی ہے۔

ناصر خسرو کا پہلا حج براہ بیت المقدس ۴۳۸ھ

الغرض میں مشہد خلیل سے بیت المقدس کو واپس آیا اور جو قافلہ حجاز کو جا رہا تھا اس کے ہمراہ پیدل ہو لیا۔ ہمارا راہ نما ایک تیز رفتار اور خوبصورت آدمی تھا، جس کو ابو بکر ہمدانی کہتے تھے۔

ذی قعدہ ۴۳۸ھ کی پندرھویں تاریخ (۱۴ مئی ۱۰۴۷ء) کو میں بیت المقدس سے روانہ ہو کر تین دن کی مسافت طے کرنے کے بعد اس منزل میں پہنچا جس کو ارعر (عرعر) کہتے ہیں۔ یہاں بھی پانی کے چشمے اور درخت تھے۔ دوسری منزل میں پہنچا جس کو وادی القریٰ کہتے ہیں۔ پھر تیسری منزل میں آیا جہاں سے دس دن میں مکہ معظمہ پہنچا۔

امسال کہیں سے قافلہ نہیں آیا تھا اور قحط پڑ رہا تھا۔ کوچۂ عطاران میں جو باب النبی کے متصل ہے میں نے قیام کیا۔ اور دوشنبہ کے دن عرفات کو

گیا، لیکن عربوں کی جانب سے خطرہ تھا، عرفات سے لوٹ کر مکہ معظمہ میں دو یوم قیام کیا اور شام کے راستہ سے بیت المقدس کو واپس آگیا۔

سیاحت کا تیسرا سال
چار سو انتالیس ہجری ۴۳۹ھ

پانچویں محرم ۴۳۹ھ (۲ر جولائی ۱۰۴۷ء) کو بیت المقدس میں داخل ہوا، مکہ معظمہ اور حج کا تذکرہ فی الحال ملتوی کرتا ہوں، اخیر حجوں کے بعد تفصیل سے بیان کروں گا۔

بیعۃ القمامہ ۱۴۲

بیت المقدس میں عیسائیوں کا ایک گرجا ہے۔ جس کا نام بیعۃ القمامہ ہے، یہ مقدس گرجا ہے۔ اور ہر سال ممالک یونان سے بکثرت زائر یہاں آتے ہیں۔ اور روم کا بادشاہ (امپیرر آف بزنطائن) بھی مخفی طور پر آیا کرتا ہے جس کی عموماً خبر نہیں ہوتی ہے، چنانچہ خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے عہد میں بھی یہ بادشاہ آیا تھا، لیکن الحاکم اس کی آمد سے واقف تھا۔ اور اس نے اپنے اردلی سے ایک سوار کو قیصر کے پاس بھیجا اور پتہ بتا دیا کہ اس شکل و صورت کا ایک آدمی جامع بیت المقدس میں بیٹھا ہوا ہے، تم اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ حاکم بامر اللہ نے مجھے بھیجا ہے اور پیام دیا ہے کہ "تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمھاری آمد سے غافل ہوں، لیکن اطمینان رکھو تمھارے ساتھ کوئی مخالفانہ کارروائی نہیں کی جائے گی"۔ پھر حاکم نے اس کلیسا کو برباد کر دیا جو مدت تک ویران پڑا رہا۔ جب قیصر روم نے سفارتوں کے ذریعہ تحائف بھیجے اور صلح کا طالب ہوا اور معذرت کی تب دوبارہ گرجے کی تعمیر کی اجازت ہوئی اور از سر نو بنایا گیا۔

یہ گرجا وسیع رقبہ میں ہے، جس میں آٹھ ہزار آدمی آسکتے ہیں۔ اور رنگین سنگ مرمر سے نہایت پر تکلف بنایا گیا ہے، جس میں نقش و نگار کے ساتھ تصویریں بھی ہیں۔ اور گرجا کے اندرونی حصے کو دیبائے رومی سے آراستہ کیا ہے۔ اور

دیواروں پر طلا کار نصاویر بنائی ہیں۔ جن پر بکثرت سونا چاندی صرف کیا ہے۔ اور مسیح علیہ السلام کی تصویر کئی جگہ بنائی ہے جس میں آپ خچر پر سوار ہیں۔ علاوہ بریں حضرت ابراہیم، اسمعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کے بیٹوں کی بھی تصویریں ہیں، جس پر روغن سندروس کی وارنش کی گئی ہے۔ اور ہر تصویر کے اوپر ایک باریک و شفاف شیشہ چڑھا ہوا ہے جس میں ہر تصویر کا چہرہ صاف نظر آتا ہے۔ یہ انتظام اس لیے ہے کہ تصاویر گرد و غبار سے محفوظ رہیں اور خدام روزانہ ان شیشوں کو صاف کیا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی مقامات ہیں جو پُر تکلف ہیں، جن کے لکھنے میں طوالت ہے۔

اس گرجا میں بہشت اور دوزخ کا بھی منظر دکھایا گیا ہے، چنانچہ ایک حصّہ میں جنّت اور جنّت والوں کا نقشہ ہے۔ اور دوسرے حصّہ میں دوزخ اور دوزخیوں کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ اور ایسے ہی اور بھی مناظر ہیں۔ اور یہ وہ مرقّع ہے جس کی نظیر ساری دنیا میں نہ ہوگی۔ اس گرجا میں دن رات علمائے نصاریٰ اور راہب انجیل مقدّس پڑھا کرتے ہیں اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

ناصر خسرو بیت المقدس سے براہ خشکی مصر جاتا ہے،

اوّل میں نے قصد کیا تھا کہ بیت المقدس سے براہ دریا (بحر الروم) مصر اور پھر مصر سے مکّہ معظمہ کو روانہ ہوں، مگر ہوا مخالف چل رہی تھی اس لیے براہ دریا نہ جا سکا اور خشکی کے راستہ سے چل کر رملہ ہوتا ہوا اس شہر میں پہنچا جس کو عسقلان[۱۴۴] کہتے ہیں۔ عسقلان کی مسجد اور بازار بہت خوبصورت تھے۔

یہاں ایک پرانی محراب نظر آئی، لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ایک مسجد تھی اور اسی مسجد کی یہ بڑی سنگی محراب باقی ہے۔ اگر کوئی شخص اس محراب کو گرانا چاہے تو بڑی رقم صرف کرنے پر گر سکتی ہے۔

یہاں سے روانہ ہو کر راستہ میں بکثرت دیہات اور شہر نظر آئے جس کی تفصیل میں طول ہے لہذا اختصار کر دیا گیا۔

طینہ[۱۴۵] پھر میں طینہ میں پہنچا یہ بندرگاہ تھا اور یہاں سے تنیس[۱۴۶] کو جہاز روانہ ہوتے تھے لہذا تنیس تک میں جہاز میں گیا۔

جزیرہ تنیس تنیس ایک جزیرہ ہے اور خوبصورت شہر ہے۔ اور چونکہ خشکی سے فاصلہ پر ہے اس لیے شہر کی چھتوں سے ساحل نظر نہیں آتا ہے۔ گنجان شہر ہے، بازار اچھے ہیں۔ اور دو مسجدیں ہیں۔ شہر میں تقریباً دس ہزار دُکان ہوں گی۔ اور دو سو دکانیں عطاروں کی تھیں۔ گرمی کے زمانہ میں بازار دل میں کشکاب (جو کا حریرہ یا فالودہ) بکتا ہے کیونکہ شہر گرم سیر ہے، بیماری بہت رہتی ہے۔ یہاں رنگین قصب (ایک قسم کا ریشمی اور سوتی مشردع) بُنا جاتا ہے، جس کے عمامے، نقاب (روپوش) اور عورتوں کے پہننے کے کپڑے بُنے جاتے ہیں۔ تنیس سے بہتر رنگین قصب کسی اور ملک میں نہیں بُنا جاتا ہے۔ اور جو سپید ہوتا ہے وہ دمیاط میں بنا جاتا ہے۔ اور کارخانہ سلطانی میں جس قدر قصب تیار ہوتا ہے وہ نہ تو فروخت ہوتا ہے اور نہ کسی کو دیا جاتا ہے۔

میں نے سنا ہے کہ شاہ فارس نے بیس ہزار دینار تنیس میں بھیجے تھے کہ اس کی ذات خاص کے واسطے ایک ہاتھ کپڑا کارخانہ سلطانی کا بنا ہوا مل جائے چنانچہ کئی سال تک کارندے پڑے رہے، لیکن کپڑا خرید نہ کرسکے۔ تنیس میں اس کام کے پیشہ ور مشہور ہیں، جو خاص قسم کے کپڑے بُنتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کسی صناع نے بادشاہ مصر کے لیے ایک دستار تیار کی تھی، جس کا صلہ پانچسو دینار مغربی دیا گیا تھا۔ میں نے خود اس دستار کو دیکھا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چار ہزار دینار مغربی اس کی قیمت ہے۔

شہر تنیس میں بوقلمون (زرین دھوپ چھاں) بنا جاتا ہے۔ اور یہ وہ کپڑا ہے جس کی نظیر ساری دنیا میں اور کہیں نہیں ہے۔ یہ بوقلمون دراصل ایک زرین لباس ہے جو دن میں رنگ بدلتا رہتا ہے اور مشرق و مغرب میں یہ کپڑا اسی شہر سے جاتا ہے۔

روایت ہے کہ قیصر روم نے ایک سفیر بھیج کر سلطان مصر سے استدعا کی تھی کہ شہر تنیس مجھ کو دے دیا جائے۔ اور ممالک روم کے سو شہر اس کے معاوضے میں لے لیے جائیں، لیکن سلطان مصر نے منظور نہیں کیا۔ اور اس تبادلہ سے قیصر کی یہ غرض تھی کہ بوقلموں و قصب حاصل ہو۔

دریائے **نیل** جب طغیانی پر آتا ہے تو حوالی تنیس سے کھاری پانی بہا لے جاتا ہے۔ اور شہر سے دس فرسنگ تک پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ تمام جزیرہ تنیس اور خاص شہر میں زمین دوز مستحکم حوض بنے ہوئے ہیں۔ جس کو اس شہر میں مصانع (جمع مصنع) کہتے ہیں۔ جب نیل چڑھاؤ پر آتا ہے اور شہر کے کھاری پانی کو بہالے جاتا ہے اس وقت یہ حوض بھرے جاتے ہیں۔ اور حوض بھرنے کی ترکیب یہ ہے کہ "نالیاں کھول دی جاتی ہیں اور دریا کا پانی حوضوں میں بھر جاتا ہے" چنانچہ تمام شہر میں انھیں حوضوں کا پانی خرچ ہوتا ہے۔ جو طغیانی نیل کے زمانے میں بھر لیے جاتے ہیں اور دوسرے سال تک ان ہی حوضوں سے پانی خرچ ہوتا رہتا ہے۔ اور جس کے پاس بمقدار کثیر ہوتا ہے وہ دوسروں کے ہاتھ بیچ بھی ڈالتا ہے۔ علاوہ بریں وقفی حوض بھی موجود ہیں، جن سے غربا مستفید ہوتے ہیں۔ شہر تنیس کی مردم شماری پچاس ہزار ہے۔ حوالی شہر (گھاٹ) میں ہمیشہ ایک ہزار کشتیاں موجود رہتی ہیں۔ یہ کشتیاں تجارتی اور سرکاری دونوں قسم کی ہیں بلکہ سرکاری زیادہ ہیں۔ اور جزیرہ میں کچھ نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اور چونکہ شہر ایک جزیرہ ہے لہذا تمام کاروبار کشتیوں سے ہوتا ہے اور شہر میں احتیاطاً

مسلح فوج رہتی ہے، تاکہ فرنگ اور یونان کی سلطنتیں اس پر حملہ آور نہ ہو۔

میں نے معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ روزانہ ایک ہزار دینار مغربی (کشتیوں کا محصول) مصری خزانہ میں داخل ہوتا ہے، یہ یومیہ محصول ہے جس کا وصول کنندہ (مہتمم) صرف ایک ہی شخص ہے جس کو شہر والے ادا کر دیتے ہیں۔ اور یہ مہتمم پوری رقم (بغیر کسی قسم کی کمی کے) تاریخ معینہ پر داخل خزانہ کرتا ہے۔ اور کسی شخص سے جبر یہ کچھ نہیں لیا جاتا ہے۔

قصب (مشروع) اور بوقلموں جو خاص سلطان کے واسطے تیار کیا جاتا ہے اس کی پوری قیمت دی جاتی ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ کاریگر دل سے سلطان کا کام کرتے ہیں۔ اور ملکوں کی طرح نہیں ہے کہ جہاں وزیر و بادشاہ کی طرف سے کاریگروں پر سختیاں ہوتی ہیں۔ اونٹوں کے عماریے کے پردے اور گھوڑوں کے زین کے نمدے بھی سلطان مصر کے لیے بوقلمون سے بُنے جاتے ہیں۔

میوہ اور اشیاء خوردنی (ہر قسم کے غلے) مصر کے دیہات سے آتے ہیں۔ البتہ لوہے کی چیزیں مثلاً مقراض و چاقو وغیرہ بنتے ہیں۔ میں نے مصر کے بازار میں یہاں کی بنی ہوئی ایک قینچی دیکھی، جس کا مول پانچ دینار مغربی تھا اس کی ساخت[1] اس قسم کی تھی، کہ جب کیل نکال لیتے تھے تو کھل جاتی تھی اور جب کیل جڑ دیتے تھے تو چلنے لگتی تھی۔ یہاں عورتوں کو ایک بیماری ہو جاتی ہے، کہ صرع والیوں (عارضہ مرگی) کی طرح دو تین بار چیخ کر بے ہوش ہو جاتی ہیں، پھر بعد میں ہوش آجاتا ہے۔ میں نے خراسان میں سنا تھا کہ ایک جزیرہ ہے جہاں کی عورتیں بلیوں کی طرح چلاتی ہیں۔ اور یہ وہی شکل ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔

---

[1] عموماً قینچی کے دو پلڑے ہوتے ہیں اور ایک کیل سے جُڑے رہتے ہیں۔ لہٰذا مصری قینچی میں کوئی ندرت نہ تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساخت خراسان کی قینچیوں کے خلاف ہوگی جب اس کو ناصر خسرو نے بنظر تعجب لکھا ہے۔

تینس سے قسطنطنیہ[۱۴۷] کو بیس دن میں کشتی پہنچتی ہے، میں یہاں سے مصر کو روانہ ہوا۔ جب ہم دریا کے کنارے پہنچے تو رود نیل میں کشتی بلندی پر جاتی تھی، نیل، بحر الروم کے کے قریب پہنچ کر چند شاخوں میں پھیل جاتا ہے، اور اسی طرح سمندر میں گرتا ہے۔ میں جس راستہ سے سفر کر رہا تھا اس دھار کا نام رومش یا ہرمس تھا اور کشتی بلندی آب پر آرہی تھی الغرض میں سفر کرتا ہوا صالحیہ میں پہنچا۔

صالحیہ[۱۴۸] یہ شہر اشیاء خوردنی اور مال و اسباب سے پٹا پڑا تھا، یہاں کشتیاں بکثرت بناتے ہیں۔ اور ہر کشتی میں دو سو خروار مال بھرا جاتا ہے اور مصر کو لے جاتے ہیں، یہاں بقال خرید کر لیتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کاروبار میں سخت دقّت ہوتی، کیونکہ جانوران باربرداری کے ذریعہ سے مصر میں خوراک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ میں صالحیہ میں کشتی سے اترا اور رات ہی کو شہر میں چلا گیا۔

۷۔ ناصر خسرو کا قاہرہ میں داخلہ اور شوال ۴۴۱ھ تک قیام

یک شنبہ ساتویں صفر (ستمبر) ۴۳۹ھ یورماہ یزدجردی کا پہلا دن ارمزد تھا) کو میں قاہرہ میں داخل ہو گیا تھا۔

شہر اور صوبہ مصر کا بیان

مصر کا جغرافیہ دریائے نیل جنوب و مغرب سے نکل کر مصر ہوتا ہوا بحر الروم (بحر ابیض) میں گرتا ہے۔ اور نیل جب طغیانی پر آتا ہے تو دو مرتبہ چڑھاؤ[۱] پر آتا ہے۔ اور اس کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو نہر جیحون[۱۴۹] کی شہر ترمذ[۱۵۰] میں۔

نیل ولایت نوبیا[۱۵۱] سے گزر کر مصر میں آتا ہے (ولایت نوبیا کوہستانی

---

[۱] اول مرتبہ جب نیل طغیانی پر آتا ہے تو اس کا پانی تین چار دن تک سبز رہتا ہے۔ اس کے بعد ہی پھر جوش پر آتا ہے اب اس کا پانی خون کی طرح سرخ ہوتا ہے۔ یہ حالت تقریباً دس دن تک رہتی ہے۔ گویا پندرہ یوم کے اندر دو مرتبہ چڑھاؤ پر آتا ہے۔

ملک ہے، اور صحرائے نوبیا طے کرنے کے بعد مصر کا علاقہ آجاتا ہے۔ اور پہلا سرحدی شہر اُسوان ملتا ہے۔ یہ کل مسافت تین سو فرسنگ کی ہے۔ نیل کے کنارے تمام شہر اور ملک آباد ہیں۔ اور اس حصہ ملک کو صَعید الاعلیٰ[۱۵۲] کہتے ہیں۔

اُسوان[۱۵۳] (یا آبشارستان) پہنچ کر کشتی آگے نہیں بڑھتی کیونکہ پانی تنگ دروں سے نکل کر بہت تیزی سے بہتا ہے، اُسوان کی بلندی پر جانب جنوب نوبیا ہے، جس کا فرمانروا دوسرا ہے۔ نوبیا کے باشندوں کا چمڑا سیاہ ہوتا ہے، یعنی حبشی ہیں اور مذہباً عیسائی۔

سوداگر کوڑیاں کنگھیاں اور مرجان (مونگا) اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور نوبیا سے غلام خرید کر لاتے ہیں۔ مصر میں غلام عموماً حبشی ہوتے ہیں یا رومی۔ نوبیا کی پیداوار میں گندم اور ارزن[۱] میری نظر سے گزرا دونوں کا رنگ سیاہ تھا۔

نیل کا منبع[۱۵۴] اس وقت تک دریائے نیل کا منبع فی الحقیقت دریافت نہیں ہوا ہے، اور میں نے سنا ہے کہ سلطان مصر نے تحقیق کی غرض سے ایک معتمد کو روانہ کیا تھا جو ایک سال تک نیل کے کنارے چلتا رہا اور منبع کی تحقیقات ہوتی رہی، لیکن کوئی شخص اس کی حقیقت کو دریافت نہ کر سکا، مگر ہاں یہ کہتے ہیں کہ دریائے نیل جبل القمر کے جنوب سے نکلتا ہے[۲]۔

نیل کی طغیانی[۱۵۵] جب آفتاب برج سرطان میں داخل ہوتا ہے تو نیل میں طغیانی ہوتی ہے۔ اور موسم سرما کے مقابلہ میں (یہ زمانہ نیل کے سکون کا ہے) اس وقت پانی بیس ہاتھ اونچا ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ بڑھتا ہے[۳]۔

---

[۱] ارزن ایک قسم کا ادنی درجہ کا غلہ ہے جس کو چینا کہتے ہیں اور جو کبوتروں کو دیا جاتا ہے۔
[۲] دریائے نیل منبع سے مصب تک تقریباً ۶۵۰۰ کیلومیٹر ہے (رولمن کی تاریخ مصر)
[۳] یعنی طغیانی ایک دم سے نہیں ہوتی ہے بلکہ انچوں کے حساب سے پانی بڑھتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ گز بلند ہوتا ہے۔ پیمائش بڑی احتیاط سے درج رجسٹر ہوتی ہے۔ علی پاشا مبارک نے تاریخ مصر میں صدیوں کی پیمائش درج کی ہے۔

شہر میں پانی کی پیمائش کے لیے پیمانے بنے ہوئے ہیں۔ اور نگرانی کے لیے ایک افسر مقرر ہے۔ جس کی ایک ہزار دینار تنخواہ ہے۔ چنانچہ یہ افسر دیکھتا رہتا ہے کہ پانی کس قدر بڑھا۔ اور جس دن طغیانی شروع ہوتی ہے، اسی دن سے منادی کراتا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے دریائے نیل میں اس قدر طغیانی کر دی اور آج اتنے انگل پانی بڑھ گیا اور جب یہ کسر بڑھ کر ایک گز ہو جاتی ہے اس وقت لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اور عام خوشی مناتے ہیں، یہاں تک کہ پانی اٹھارہ ہاتھ بلند ہوتا ہے اور یہ مقررہ پیمائش ہے، یعنی جب اس مقدار سے کم طغیانی ہوتی ہے تو باعث نقصان سمجھتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں، منّت مانتے ہیں اور غمگین ہو جاتے ہیں۔ اور جب یہ مقدار بڑھ جاتی ہے تو جوش مسرّت میں جلسے کرتے ہیں۔ اور جب تک یہ طغیانی اٹھارہ ہاتھ تک نہ پہنچے، سلطان مصر کو رعایا پر تشخیص مالگذاری کا حق نہیں ہے نیل سے بکثرت نہریں اطراف میں کاٹ کر لے گئے ہیں۔ اور پھر ان نہروں سے رجبے نکالے ہیں جس کے کنارے شہر و قصبات آباد ہیں۔ اور ان نہروں کے کنارے اس قدر (رہٹ) چلتے ہیں کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔

مصر کے تمام مواضعات بلندی پر آباد ہیں (تاکہ غرق نہ ہوں) اور طغیانی کے وقت تمام ملک زیر آب ہوتا ہے۔ اور ایک موضع سے دوسرے موضع تک ڈونگی میں جاتے ہیں۔ اور مصر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مٹی کے بند بنے ہوئے ہیں، جس کے اوپر سے آمد و رفت جاری ہے (یعنی دریائے نیل کے پہلو سے)۔

سالانہ دس ہزار دینار مغربی خزانہ سلطانی سے ایک معتمد کے ہاتھ بھیجے جاتے ہیں۔ اور اس رقم سے نئے بند باندھے جاتے ہیں۔ ملکی باشندے ان چار مہینوں میں جب کہ مصر کی زمین تہ آب ہوتی ہے۔ اپنے ضروری کاموں سے

فارغ ہو لیتے ہیں۔ اور شہر و دیہات میں ہر شخص اس قدر روٹیاں پکا کر رکھ لیتا ہے کہ جو چار مہینے کے لیے کافی ہوں۔ اور یہ روٹیاں سکھا کر رکھتے ہیں کہ خراب نہ ہو جائیں۔

دریائے نیل کی طغیانی کا یہ اصول ہے کہ پہلے دن سے چالیس دن تک بڑھتا ہے۔ اور اٹھارہ ہاتھ بلند ہو کر ٹھیر جاتا ہے، پھر چالیس یوم تک ایک حالت پر رہتا ہے (یعنی نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے)۔ بعد ازاں چالیس دن تک آہستہ آہستہ گھٹا کرتا ہے۔ اور اس حالت پر آجاتا ہے جو موسم سرما میں ہوتی ہے (اصلی مقدار پر) جس قدر زمین برآمد ہو کر خشک ہوتی جاتی ہے کاشتکار اس کو دیکھ بھال کر کھیتی کرتے ہیں۔ مصر والوں کی خریف اور ربیع (موسم گرما و سرما کی زراعت) کی کاشت اسی اصول پر ہوتی ہے اور پھر ان کو دوسرے پانی کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔ شہر مصر (قاہرہ) دریائے نیل اور بحر الروم کے مابین آباد ہے۔

دریائے نیل جنوب سے نکل کر شمال کی طرف بہتا ہے۔ اور بحر الروم میں گرتا ہے۔ مصر سے اسکندریہ تک تیس فرسنگ کی مسافت سمجھی جاتی ہے۔ اسکندریہ[۱۵۶] بحر الروم اور دریائے نیل کے کنارہ آباد ہے۔ اسکندریہ سے کشتیوں میں بافراط میوہ مصر کو جاتا ہے۔

اسکندریہ کا مینار[۱۵۷] اور آئینہ حراقہ

اسکندریہ میں ایک منارہ ہے، جس کو میں نے خود دیکھا ہے اور اس وقت تک صحیح و سالم تھا، اس منارہ پر ایک آتشی شیشہ لگا ہوا تھا۔ جب قسطنطنیہ سے کوئی جہاز آتا اور آئینہ کے مقابل پہنچتا تو شیشہ سے آگ کے شعلے نکل کر جہاز کو جلا دیتے تھے۔ رومیوں نے بڑی جد و جہد اور فریب سے اپنے آدمی بھیج کر اس شیشہ کو توڑ دیا۔ حاکم بامر اللہ[۱۵۸] فاطمی کے عہد حکومت میں ایک صناع نے حاضر ہو کر درخواست

کی تھی کہ "میں اس کو سابق کی طرح بنا دوں گا" حاکم بامر اللہ نے جواب دیا کہ "مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ روم والے (یونانی) اب خود سالانہ خراج بھیجا کرتے ہیں۔ اور وہ رضامند ہیں کہ میری فوجیں علاقہ میں جائیں"

اسکندریہ میں برساتی پانی پیا جاتا ہے۔ اسکندریہ کے تمام جنگل میں وہ سنگی ستون بکھرے پڑے ہیں، جس کا میں اول بیان کر چکا ہوں۔ بحرالروم، قیروان[159] تک بہتا چلا گیا ہے۔ اور مصر سے قیروان تک ڈیڑھ سو فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

قیروان ایک ولایت ہے جس کا سب سے بڑا شہر سلجماسہ[160] ہے۔ اور جس کے چار فرسنگ پر بحرالروم ہے۔

سلجماسہ و مہدیہ

سلجماسہ بڑا شہر ہے اور جنگل کے کنارے آباد ہے۔ جس کی فصیل مضبوط ہے، سلجماسہ کے پہلو میں شہر مہدیہ[161] ہے، یہ وہ شہر ہے جس کو امیرالمومنین حسین ابن علیؓ کی اولاد میں سے مہدی نے ملک مغرب اور اندلس فتح کرنے کے بعد آباد کیا تھا۔ مہدیہ آج کل سلطان مصر کے قبضہ میں ہے، یہاں برف گرتی ہے، مگر ٹھیرتی نہیں ہے (پگھل کر بہ جاتی ہے) بحرالروم اندلس سے دائیں ہاتھ پر جانب شمال پھر جاتا ہے۔ اندلس اور مصر میں ایک ہزار فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اور یکل اسلامی آبادی ہے۔

اندلس

اندلس (اسپین) ایک وسیع ولایت ہے، مگر کوہستانی علاقہ ہے۔ برف گر کر جم جاتی ہے۔ باشندے گورے چٹے ہیں، بال سرخ ہیں۔ اور کرنجی آنکھ والے زیادہ ہیں۔ جیسے صقلابیہ[162] کے باشندے ہوتے ہیں۔ اندلس بحرالروم کے نشیب میں ہے۔ اور آبادی سے بحرالروم جانب مشرق پڑتا ہے۔ جب اندلس سے دست راست پر شمال کی طرف چلیں تو سمندر کا کنارہ روم سے متصل ہو جاتا ہے۔ اندلس سے غزہ[163] اور روم تک بکثرت آمد و رفت جاری ہے

اور اگر چاہیں تو جہاز اور سمندری راستہ سے بھی قسطنطنیہ جا سکتے ہیں لیکن خلیج (سمندری شاخیں) بہت پڑتی ہیں، جن میں سے ہر ایک دو یا تین سو فرسنگ تک چلی گئی ہے۔ الغرض بغیر کشتی (جہاز) کے سفر نہیں ہو سکتا ہے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے اکثر سنا ہے کہ بحر الروم کا دور چار ہزار فرسنگ ہے۔ اور ایک شاخ اس سمندر کی ظلمات میں ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حصہ سمندر کا منجمد ہے، کیونکہ یہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی ہے۔

جزیرہ صقلیہ[۱۶۴] منجملہ اُن جزائر کے جو اس سمندر میں ہیں، ایک جزیرہ صقلیہ (سسلی) بھی ہے۔ مصر سے صقلیہ تک بیس دن میں کشتی پہنچتی ہے۔ علاوہ بریں اور بھی بہت سے جزیرے ہیں۔ کہتے ہیں صقلیہ کا رقبہ اسّی فرسنگ مربع ہے۔ اور سلطان مصر کی حکومت ہے، جہازوں کے ذریعہ ہر سال صقلیہ کا مال مصر میں آتا ہے۔ اور باریک کتان کی تجارت ہوتی ہے۔ جس کا ایک تھان مصر میں دس دینار مغربی (ساٹھ روپیہ) کو فروخت ہوتا ہے۔

شہر قلزم و بحر قلزم[۱۶۵] مصر سے جانب مشرق چل کر بحر قلزم میں پہنچتے ہیں اور قلزم سمندر کے کنارے ایک شہر ہے جو مصر سے تیس فرسنگ ہے۔ بحر قلزم[۱۶۶] دریائے محیط[۱] کی ایک شاخ ہے، جو عدن سے پھٹ کر شمال کی طرف جاتی ہے، اور قلزم میں جا کر پھر یہ شاخ مل کر الگ ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ عرض اس خلیج کا دو سو فرسنگ ہے۔ دریائے قلزم اور مصر کے مابین ایسا پہاڑی اور جنگلی علاقہ ہے جس میں پانی اور گھاس تک نہیں ہے۔ جو شخص مصر سے

---

[۱] بحر الکاہل (اٹلانٹک اوشن) بحر ظلمات (پاسفک اوشن) بحر ہند (انڈین اوشن) بحر منجمد شمالی (ارکٹک اوشن) اور بحر منجمد جنوبی (انٹارکٹک اوشن) کے مجموعہ کو متقدمین دریائے محیط کہتے تھے۔ اور ناصر خسرو دریائے محیط سے اس کی مشرقی شاخ بحر الہند، بحر فارس، اور مغربی شاخ جو بلاد بربر اندلس، افریقیہ، مصر و شام تک گئی ہے مراد لیتا ہے۔

مکہ معظمہ کو جاتا ہی، اس کو جانب مشرق چلنا پڑے گا۔ قلزم پہنچ کر دو راستے ہو جاتے ہیں، ایک جانب خشکی، دوسرا جانب سمندر (بحر احمر) چنانچہ خشکی کے راستہ سے پندرہ دن میں مکہ معظمہ پہنچتے ہیں۔ یہ تین سو فرسنگ کا بیاباں ہی۔ اور مصر کا قافلہ اکثر اسی راستہ سے جاتا ہی۔

جار ١٦٧ء اگر دریائی راستہ سے جائیں تو بیس دن میں جار پہنچتے ہیں۔ اور جار ایک چھوٹا سا شہر ہی جو صوبہ حجاز میں بحر قلزم کے کنارے آباد ہی۔ جار سے مدینہ نبوی تک تین دن کا راستہ ہی۔ اور مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ سو فرسنگ ہی۔ اگر کوئی شخص جار سے ہوتا ہوا مسلسل بحر قلزم میں سفر کرتا چلا جائے تو ساحل یمن پر جا نکلے گا۔ اور پھر وہاں سے خلیج عدن پر، اگر اور آگے بڑھے تو ہندوستان پہنچ جائے گا، اسی طرح چین تک سفر کر سکتا ہی۔ اور اگر کوئی مسافر عدن سے جنوب کی طرف روانہ ہو۔ اور مغرب کو جانا چاہے تو زنجبار اور حبش تک جا سکتا ہی۔ جس کی تفصیل اپنی جگہ پر لکھوں گا۔ اور اگر مصر سے جنوب کی طرف جائیں اور براہ نوبیا سفر کریں، تو ولایت مصامدہ میں پہنچیں گے، یہ حصہ ملک ایک عظیم الشان چراگاہ ہی، جس میں مواشی کی افراط ہی، اس علاقہ کے آدمی سیاہ چمڑہ ہڈی کے سخت اور ہاتھ پاؤں کے زبردست ہوتے ہیں۔ اور یہ مصری فوج میں بہ تعداد کثیر بھرتی ہیں۔ بڑے بدصورت اور چوڑے چکلے ہیں۔ اُن کو مصامدہ (افریقہ کے حبشی) کہتے ہیں، تلوار اور نیزہ سے پیادہ لڑتے ہیں۔ اور کسی اسلحہ سے نہیں لڑ سکتے ہیں۔

شہر قاہرہ کا بیان

فسطاط یا قاہرہ ١٦٨ء جب شام سے مصر جاتے ہیں تو پہلا شہر قاہرہ ملتا ہی،

مکہ، کیونکہ مصر جنوب میں ہے اور اس کو قاہرہ معزیہ کہتے ہیں اور قدیم نام فسطاط ہے فسطاط کا ترجمہ (لشکرگاہ یا چھاؤنی ہے) اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امیرالمومنین حسین بن علی صلوات اللہ علیہم اجمعین کی اولاد میں سے ایک شخص نے جس کا نام المعز لدین اللہ تھا (متوفی سنہ $\frac{۳۶۵ھ}{۹۷۵ء}$) ملک مغرب سے اندلس تک فتح کر لیا تھا اور مغرب سے براہِ نیل مصر پر فوج کشی کی تھی اور دریائے نیل کو کوئی شخص عبور نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ اوّل تو یہ دریا بہت بڑا ہے، دوسرے اس میں گھڑیالوں کی افراط ہے، جو جانور پانی میں گرتے ہیں یہ اس کو فوراً نگل جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ حوالی شہر میں (گھاٹ پر) ایک طلسم بنایا ہے کہ یہ گھڑیال آدمی اور جانوروں کو نگل نہ جائیں۔ اور شہر سے ایک تیر کے فاصلہ پر پانی کے اندر بجز مقررہ گھاٹ کے کسی اور راستے سے کوئی شخص نہیں جا سکتا ہے۔

روایت ہے کہ المعز لدین اللہ نے اس مقام تک فوج بھیجی تھی جہاں آج شہر قاہرہ آباد ہے اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "جب تم وہاں پہنچو گے تو ایک کالا کتا تم سے پہلے پانی میں کود جائے گا۔ تم اس کے پیچھے چلے جانا، بلا کھٹکے پار اُتر جاؤ گے۔" بیان کیا جاتا ہے کہ تیس ہزار سوار یہاں پہنچے تھے جو سب خلیفہ کے غلام تھے۔ چنانچہ وہ کالا کتا فوج کے آگے ہو لیا، اور فوج اس کے پیچھے پیچھے چلی اور دریا سے پار ہو گئی۔ اور کسی کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ کسی مورخ نے آج تک اس کا حوالہ نہیں دیا ہے کہ کوئی سوار رود نیل سے پار اترا ہو۔ یہ واقعہ $\frac{۳۶۳ھ}{۹۷۳ء}$ کا ہے۔ خلیفہ خود براہ دریا کشتی پر آیا تھا۔ جن کشتیوں پر خلیفہ مصر میں آیا تھا، یہ کشتیاں قاہرہ پہنچ کر خالی کی گئیں اور پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دی گئی تھیں جس طرح عموماً چیزیں پھینک دی جاتی ہیں۔ اس قصہ کے راوی نے ان کشتیوں کو خود دیکھا تھا، جو شمار میں سات تھیں، ہر ایک کشتی طول میں ڈیڑھ سو

ہاتھ اور عرض میں ستر ہاتھ تھی۔ اور اسّی برس تک یہ کشتیاں اس جگہ پڑی رہیں اس قصّہ کا راوی ۴۴۱ھ میں مصر میں داخل ہوا تھا۔

جس زمانہ میں المعز لدین اللہ مصر میں داخل ہوا ہے، اس وقت ملک مصر خلافت عبّاسیہ کے ماتحت تھا اور عبّاسی گورنر نے معز کی خدمت میں حاضر ہوکر اطاعت قبول کرلی تھی۔ اور معز مع اپنی فوج کے اس جگہ اترا تھا۔ جہاں آج قاہرہ آباد ہے۔ چنانچہ اس چھاؤنی کا نام قاہرہ رکھا گیا۔

قاہرہ کی ابتدائی آبادی

جب فوج کا قیام ہوگیا تب سختی سے یہ حکم نافذ ہوا کہ قدیم شہر میں ایک سپاہی بھی نہ جانے پائے، نہ کسی کے گھر میں ٹھیرے بلکہ اسی جنگل میں شہر آباد ہو۔ اور خدامِ دولت کو بھی حکم دیا کہ ہر ایک اپنے لیے ایک مکان و محل بنائے۔ چنانچہ ترقی کرکے یہ آبادی شہر کے درجہ پر پہنچ گئی جس کی نظیر نہیں ہوسکتی۔ میں نے اندازہ کیا کہ قاہرہ میں بیس ہزار دوکانوں سے کم نہ ہوں گی اور یہ سب شاہی ملکیت تھیں اور بکثرت ایسی دکانیں تھیں جن کا ماہواری کرایہ دس دینار مغربی ہے اور کوئی دُکان دو دینار سے کم کرایہ کی نہ تھی۔ سرائے، حمّام اور دیگر جائداد اس قدر ہے کہ جس کا شمار و قیاس نہیں، یہ سب شاہی ملکیت تھی۔ اور بجز سکونتی مکان کے (یا جو اس کا تعمیر کردہ ہو) کوئی شخص کسی جائداد کا مالک نہ تھا۔ میں نے سنا ہے کہ قاہرہ اور قدیم مصر میں آٹھ ہزار مکانات ہیں جو خلیفہ کی جانب سے کرایہ پر دیے جاتے ہیں۔ اور ماہوار کرایہ لیا جاتا ہے۔ اور باہمی رضامندی پر دُکانیں دی جاتی ہیں اور واپس لی جاتی ہیں اور کسی کے ساتھ جبری کارروائی نہیں کی جاتی۔ ایوان خلافت وسط قاہرہ میں ہے جس کے اطراف کھلے ہوئے ہیں۔ اور کوئی عمارت محل سرا کے قریب نہیں ہے۔

مہندسوں (سروے پارٹی) نے پیمائش کی تو یہ محلات شہر میافارقین

کے برابر تھے۔ محل کے چاروں طرف میدان ہی جس میں رات کو ایک ہزار آدمی پہرہ دیتے ہیں۔ یعنی پانچ سو سوار اور پانچ سو پیادے، نماز مغرب کے وقت سے قرنا، ڈھول اور جھانجھ بجاتے ہیں اور محلات کے چاروں طرف صبح تک گشت لگاتے ہیں۔ شہر کے باہر سے جب قصر خلافت کا نظارہ کریں تو وہ مثل ایک پہاڑ کے نظر آتا ہی۔ کیونکہ اس میں بکثرت بلند عمارتیں ہیں، اور شہر کے اندر سے کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ محل کی دیواریں اونچی ہیں۔

کہتے ہیں کہ محل میں بارہ ہزار تنخواہ دار ملازم ہیں اور عورتوں وکنیزوں کی تعداد کس کو معلوم ہوسکتی ہی؟ ہاں یہ کہتے ہیں کہ تیس ہزار آدمی قصر خلافت میں رہتے ہیں حرم شاہی بارہ محلات پر تقسیم ہی۔ اور حرم کے دس دروازے ہیں جو سب سطح زمین پر ہیں۔ اور زمین دوز دروازے اس کے علاوہ ہیں۔ بیرونی دروازوں کے نام حسب ذیل ہیں :-

باب الذہب۔ باب البحر۔ باب السریج۔ باب الزہومہ۔ باب السلام باب الزرجد، باب الفتوح، باب العید، باب الذلاقہ۔ باب السریہ۔

زمین کے نیچے (سُرنگ) ایک دروازہ ہی جس میں سے خلیفہ سوار ہوکر نکلتا ہی شہر سے باہر ایک محل بنایا ہی جس کا راستہ سرنگ کے اندر سے ہی اور اس راستہ کی چھت بہت مضبوط بنائی ہی، حرم سرا سے محل تک اور محل کی دیواریں سب ایک ڈال پتھر کی ترشی ہوئی ہیں، جس کے اندر بلند ایوان اور خوبصورت مناظر ہیں اور صحن کے اندر چبوترے بنائے ہیں۔ تمام ارکان دولت اور خادم حبشی اور رومی ہیں۔ وزیر ایسا شخص مقرر کیا جاتا ہی جو زہد، پارسائی، امانت، صداقت اور علم وفضل میں سب سے بڑھکر ہو۔ عہد المعز لدین اللہ میں شراب نوشی کی رسم نہیں تھی اور کوئی خشک انگوروں کا بھی شربت (بنیذ) نہیں بناتا تھا کہ شاید شراب کا شک کیا جائے اور کسی

کی طاقت نہیں ہو کہ شراب پیے۔ اور جو کی ہلکی شراب بھی نہیں پیتے ہیں۔ ان کا مقولہ ہو کہ یہ بھی متوالا کر دیتی ہو کیونکہ کھینچ کر دوسرے قالب میں آئی ہو اور کوئی عورت بھی گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔

شہر قاہرہ کے تفصیلی حالات

قاہرہ کے پانچ دروازے ہیں۔ باب النصر، باب الفتوح، باب القنطرہ، باب الزویلہ باب الخلیج۔

قاہرہ میں فصیل نہیں ہو، لیکن عمارتیں ایسی اونچی ہیں جو فصیل سے کہیں زیادہ مضبوط اور بلند ہیں، ہر مکان اور محل ایک قلعہ کا درجہ رکھتا ہو۔ اکثر عمارتیں پنج منزلہ اور چھ منزلہ ہیں۔ اور دریائے نیل کا پانی پیا جاتا ہو۔ بہشتی اونٹوں پر پانی لے جاتے ہیں، جو کنویں نیل سے قریب ہیں ان کا پانی میٹھا ہوتا ہو اور جو دور ہیں وہ کھاری ہیں۔ مصر و قاہرہ میں پچاس ہزار اونٹ ہیں، جو آب کشی کرتے ہیں۔ اور ان ہی کے ذریعہ سے بہشتی پانی لاتے ہیں۔ اور جو بہشتی خود پانی بھرتے ہیں (مشک اٹھاتے ہیں) وہ جداگانہ ہیں۔ ان تنگ گلیوں میں جہاں اونٹ نہیں جا سکتا ہو پیتل کے گگروں اور مشکوں میں پانی لے جاتے ہیں۔ شہر میں مکانوں کے اندر باغ اور چمن ہیں، جن کی آبپاشی کنوؤں سے ہوتی ہو۔ حرم شاہی میں ایسے باغ ہیں جن سے زیادہ خوبصورت نہیں ہو سکتے۔ رہٹ کے ذریعہ سے باغوں میں پانی دیا جاتا ہو۔ چھتوں پر بھی درخت لگاتے ہیں اور سیرگاہ (پارک) بناتے ہیں۔ جس زمانہ میں میرا قیام قاہرہ میں تھا، ایک مکان جو طول میں ۲۰ بیس گز اور عرض میں ۱۲ بارہ گز تھا ماہانہ پندرہ دینار مغربی پر کرایہ دیا گیا تھا۔ یہ چو منزلہ عمارت تھی۔ تین منزلیں کرایہ پر اٹھی ہوئی تھیں اور سب سے اوپر کا درجہ مالک مکان سے پانچ دینار مغربی (ماہوار) پر مانگا جاتا تھا، مگر اس نے نہیں دیا، اور کہا کہ شاید

مجھے خود کبھی قیام کی ضرورت ہو۔ چنانچہ ایک سال تک میں قاہرہ میں رہا۔ لیکن مالک مکان ایک دو مرتبہ بھی نہ آیا (کہ اس کمرہ پر ٹھیرتا) یہ مکانات پاکیزگی اور لطافت میں ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا جواہرات سے بنائے گئے ہیں اینٹ، پتھر، گارے کا کیا ذکر ہے۔ قاہرہ کا ہر مکان جداگانہ تعمیر ہوا ہے یعنی کسی غیر شخص کے دیوار پر نہ تو درخت ہے نہ عمارت (دو چر دیوار مراد ہے) جو شخص چاہتا ہے اپنا مکان توڑ کر نئی عمارت بناتا ہے اور ہمسایہ کو صدمہ نہیں پہنچتا۔ جب قاہرہ سے جانب مغرب چلیں تو ایک بڑی نہر ملتی ہے جس کو خلیج کہتے ہیں۔ یہ نہر خلیفہ کے باپ نے نکالی ہے اور اس نہر کے کنارے تین سو مواضعات خالصہ آباد ہیں یہ نہر مصر قدیم سے نکل کر قاہرہ میں آئی ہے، پھر قاہرہ سے گھوم کر قصر خلافت کے سامنے سے گزرتی ہے، نہر کے کنارے دو محل بنائے گئے ہیں جس میں سے ایک کو **لولو** (موتی محل) اور دوسرے کو **جوہرہ** (جوہر منزل) کہتے ہیں۔ قاہرہ میں چار جامع مسجد ہیں اور سب میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے جس میں سے ایک کا نام جامع ازہر ہے، دوسری جامع النّور ہے، تیسری جامع حاکم بامر اللہ، چوتھی جامع معز لدین اللہ ہے۔ یہ جامع مسجد شہر کے باہر دریائے نیل کے کنارے ہے۔ مصر سے جب قبلہ کی طرف رُخ کریں تو مطلع حمل (نام برج) سامنے پڑتا ہے۔ مصر قدیم (فسطاط) سے قاہرہ تک ایک میل سے بھی کم فاصلہ ہوگا۔ مصر جنوب میں ہے اور قاہرہ شمال میں، دریائے نیل مصر سے گزر کر قاہرہ میں پہنچتا ہے۔ دونوں شہروں کے باغ اور عمارتیں متصل ہیں، موسم گرما میں تمام دشت اور جنگل مثل دریا کے نظر آتا ہے۔ شاہی باغ کا بیرونی حصہ جو بلندی پر ہے وہ نہیں ڈوبتا باقی کل حصہ تہ آب ہو جاتا ہے۔

افتتاحِ خلیج کا بیان

افتتاح خلیج کے تفصیلی حالات اور شاہانہ جلوس کا نظارہ

دریائے نیل جب چڑھاؤ پر آتا ہے تو شہریور ماہ (ستمبر) کی دسویں سے ماہ آبان (نومبر) کی بیسویں تک پانی کی طغیانی اٹھارہ گز تک ہوتی ہے، (اس مقدار سے جو معمولاً موسم سرما میں ہوا کرتی ہے) اور اس وقت تک تمام ملک کی نہروں کے دہانے بند رہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ نہر جس کو خلیج کہتے ہیں۔ اور جو مصر قدیم کے سامنے سے شروع ہوکر قاہرہ تک جاتی ہے (یہ نہر شاہی ہے) اس کے افتتاح کے لیے خلیفہ محل سے سوار ہوکر آتا ہے اور نہر کا دروازہ کھولتا ہے۔ اس رسم کے بعد تمام ملک کی خلیجوں اور نہروں کا پانی کھول دیا جاتا ہے۔ یہ سب سے بڑے جشن کا دن ہے۔ اور اس تقریب کا نام "رکوب افتتاح الخلیج" (افتتاح خلیج کا جلوس) ہے۔

جب شاہانہ سواری کے نکلنے کا زمانہ قریب ہوتا ہے، تو نہر کے کنارے ایک نہایت ہی شاندار شامیانہ خلیفہ کے لیے کھڑا کیا جاتا ہے جو دیبائے رومی کا ہوتا ہے اور اس پر زردوزی کا کام بنایا جاتا ہے۔ اور جواہرات سے سجایا جاتا ہے (یعنی جہاں تک سامان آرائش بہم پہنچ سکتا ہے) اور ایک سو سوار اس شامیانہ کے سایہ میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ پھر اس وسیع راستہ کے سامنے بوقلمونی خیمہ لگاکر دوسری بارگاہ سجاتے ہیں۔

اصلی جلوس نکلنے سے تین دن پہلے اصطبل میں ڈھول، نقارے اور قرنا بجاتے ہیں، تاکہ گھوڑے ان باجوں کی آواز سے مانوس ہو جائیں (یہ نقلی جلوس ہے جس کو Rehearsal. کہتے ہیں)

جس دن خلیفہ کی سواری نکلتی ہے، دس ہزار گھوڑے جن کے زین اور طوق سنہرے اور باگ ڈوریں جڑاؤ ہوتی ہیں، اور زین کے نمدے دیبائے رومی اور بوقلمون کے ہوتے ہیں، یہ خاصکر ایک ہی انداز کے سرکاری کارخانہ میں تیار ہوتے ہیں جن میں نہ سلائی ہوتی ہے، نہ کسی جگہ جوڑ ہوتا ہے، اور حاشیہ پر خلیفہ کا نام کڑھا ہوا ہوتا ہے۔ ہر کوتل گھوڑے پر زرہ یا جوشن پڑا رہتا ہے۔ اور زین کے اُبھرے ہوئے حصہ پر (سامنے کی طرف) خود رکھ دیتے ہیں۔ یا اسی قسم کے اور اسلحہ۔ اسی طرح اونٹ کجاؤں سے اور خچر عماریوں سے آراستہ اور زر و جواہر سے سجے ہوئے (اور جھولوں پر موتی ٹکے ہوئے) نکلتے ہیں، رسم افتتاح خلیج کی اگر تعریف کی جائے تو طوالت ہوگی۔

اس جلوس کے ہمراہ تمام شاہی لشکر ہوتا ہے۔ اور ہر فوج جداگانہ ہوتی ہے۔ اور ہر ایک کے پتے اور نام الگ الگ ہوتے ہیں۔ ایک فوج کو کتامیہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ قیروان سے المعز لدین اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ یہ بیس ہزار سوار ہیں۔ اور دوسری فوج کا نام باطلیان ہے، یہ مغربی ہیں، جو خلیفہ مصر کی آمد سے پہلے مصر میں آگئے تھے۔ یہ پندرہ ہزار سوار ہیں۔ اسی طرح پیادہ فوج مصامدہ کی تھی، یہ حبشی ملک مصمودیان کے باشندے تھے۔ یہ بھی بیس ہزار تھے۔ ایک فوج مشارقہ، (اہل مشرق) کی تھی، یہ قوی الجثہ ترکی اور عجمی تھے۔ اور مشارقہ اس لیے کہلاتے ہیں کہ یہ عربی النسل نہیں ہیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر مصر میں پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا نام اصل لفظ (مشرق) سے مشتق ہے، یہ دس ہزار تھے۔ ایک فوج کا نام عبید الشرا، ہے۔ یہ زر خرید غلام تھے۔ جو تعداد میں تیس ہزار تھے۔ ایک گروہ نیزہ بردار بدویوں کا تھا، یہ حجازی باشندے ہیں۔ جو پچاس ہزار تھے۔ ایک جماعت کا نام اِستادان (کھڑے رہنے والے) ہے

یہ کالے اور گورے غلام تھے، جو خاص خدمت کی غرض سے خریدے گئے ہیں۔ یہ تیس ہزار ہیں۔ ایک فوج سرائیاں (گھر کے غلام) کی تھی یہ پیادے مختلف ممالک کے تھے۔ اور نگرانی کے لیے ان کا سپہ سالار بھی الگ تھا۔ یہ لوگ صرف اپنے ملک کے اسلحہ استعمال کرتے تھے، یہ دس ہزار تھے۔ ایک فوج کا نام زنوج (باشندگان زنج یعنی حبشی) تھا یہ صرف تلوار سے لڑتے تھے، یہ تیس ہزار تھے۔ اور یہ کل تنخواہ دار فوج تھی، جن کا مشاہرہ بلحاظ درجہ مقرر تھا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک دینار کے لیے بھی کسی عامل یا رعایا کے نام دھایند تنخواہ کا حکم نامہ (چٹھی یا ہنڈی) جاری ہوا ہو۔ بلکہ والیان صوبہ سالانہ خراج داخل خزانہ کرتے تھے۔ اور خزانہ سے وقت معین پر تنخواہ تقسیم ہو جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی سپاہی اپنی تنخواہ کے لیے زمیندار و رعایا کو نہیں ستاتا تھا۔

ان کے علاوہ دیگر ممالک کے شاہزادے اطراف عالم سے آکر جمع ہو گئے تھے۔ اور ان کا شمار سوار و پیادوں میں نہ تھا، یہ شاہزادے ملک یمن، مغرب، روم، صقلاب، نوبیا اور حبشہ کے تھے اور سلاطین دیالمہ کی بھی اولاد تھی۔ جن کی مائیں اس ملک میں آگئی تھیں۔ علاوہ بریں گرجستان، دیالمہ اور خاقان ترکستان کے شاہزادے بھی تھے۔ ان کے علاوہ بکثرت فاضل، ادیب، شاعر، فقیہ اور مختلف طبقات کے لوگ تھے، جن کا وظیفہ مقرر تھا۔ اور کسی شریف زادے کا وظیفہ پانسو دینار سے کم نہ تھا، بلکہ بعض دو ہزار دینار مغربی کے منصب دار تھے، ان منصب داروں کے کوئی کام سپرد نہ تھا، بجز اس کے کہ جس وقت وزیر اعظم کا دربار ہو تو یہ جا کر سلام کر آئیں، اور رخصت ہوں۔ جلوس کی تفصیل کے بعد اب پھر افتتاح خلیج کا حال لکھتا ہوں۔

جس صبح کو خلیفہ افتتاح خلیج کے لیے نکلتا ہے اس روز دس ہزار مزدور

اجرت پر مقرر کیے جاتے ہیں، جن میں سے ہر مزدور ایک ایک کوتل گھوڑے کو لے کر چلتا ہے۔ اور سو سو کی قطار ہوتی ہے اور آگے آگے نقارے، ڈھول اور شہنائی بجاتے جاتے ہیں۔ فوج کا ایک حصہ ان کے پیچھے ہوتا ہے اور حرم سرا سے دہانہ خلیج تک اسی طرح جلوس نکلتا ہے اور پھر واپس آتا ہے۔ ہر مزدور کو جو کوتل گھوڑے لے جاتے ہیں، تین درہم اُجرت دیتے ہیں۔ گھوڑوں کے پیچھے اونٹ چلتے ہیں جن پر جھولے اور ہنڈولے کسے ہوتے ہیں۔ اور ان کے بعد خچر ہوتے ہیں جن پر عماریاں ہوتی ہیں۔ چنانچہ فوجوں اور کوتل گھوڑوں کے جلوس کے بعد دور سے امیر المومنین کی سواری نظر آتی ہے جو پورے قد کا ایک خوبصورت جوان ہے اور امیر المومنین حسین بن علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہم کی اولاد سے ہے۔ سر کے بال منڈے ہوئے تھے اور خچر پر سوار تھا، جس کی زین اور لگام بالکل سادی تھی، یعنی طلائی نقرئی کام کچھ نہ تھا۔ تمام لباس سفید تھا۔ کمر میں ایک بڑا پٹکہ بندھا ہوا تھا، جیساکہ عرب کا دستور ہے اور جس کو فارس والے دُرّاعَہ کہتے ہیں اس لباس کا نام دو بیقی (نرم اور نفیس حریر موضع دبیق کا بنا ہوا) ہے جس کی قیمت دس ہزار دینار ہے۔ اور اسی رنگ کا عمامہ بھی تھا۔ اور ایک بیش قیمت کوڑا ہاتھ میں تھا۔ اور خلیفہ کی سواری کے سامنے تین ہزار دیلمی پیادے تھے، جن کا لباس زربفت رومی کا تھا۔ کمریں کسی ہوئی تھیں اور آستینیں ڈھیلی تھیں جیساکہ مصر والوں کا دستور ہے۔ اور یہ سب پیادے چھوٹے چھوٹے نیزے اور تیر لیے ہوئے تھے۔ اور پائتابہ (آہنی کانٹے) چڑھائے ہوئے تھے، اور ایک چتر بردار گھوڑے پر سوار ہو کر خلیفہ کے ہمراہ چلتا ہے، جس کے سر پر مرصع زرین دستار ہوتی ہے اور لباس ایک ہی کپڑے کا ہوتا ہے جس کی قیمت دس ہزار دینار مغربی قرار دی جاتی ہے اور جو چتر اس خادم کے ہاتھ میں ہوتا ہے وہ

نہایت پر تکلف مرصع اور جڑاؤ ہوتا ہے اور بجز چتر بردار کے کوئی دوسرا سوار خلیفہ کے قریب نہیں ہوتا، خلیفہ کے آگے دیلمی ہوتے ہیں۔ اور دائیں بائیں خادم انگیٹھیاں لے کر چلتے ہیں جس میں عود و عنبر سلگتا جاتا ہے۔ امیرالمومنین کی سواری جب سامنے سے گزرتی ہے تو ملکی دستور کے مطابق رعایا (قدیم مصری) سجدہ کرتی اور دعائیں دیتی تھی۔ اس کے بعد وزیر کی سواری آتی ہے۔ جس کے جلوس میں قاضی القضاۃ، ارباب علم اور ارکان سلطنت بہ تعداد کثیر ہوتے ہیں اور خلیفہ کی سواری مقررہ راستہ تک یعنی خلیج کے دہانہ پر جا کر ٹھہر جاتی ہے۔ اور سوار یہاں پہنچ کر کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ایک ساعت کے بعد خلیفہ کے ہاتھ میں ایک نوکدار برچھا دیا جاتا ہے کہ وہ بند پر ماریں۔ چنانچہ خلیفہ کا ہاتھ پڑتے ہی تماشائی تیزی کے ساتھ کدال اور زمین شگاف بیلچہ سے بند کو کاٹ دیتے ہیں۔ جو پانی اوپر چڑھ جاتا ہے وہ خود بخود زور کر کے نیچے گرتا ہے اور خلیج میں چلا جاتا ہے اس روز مصر قدیم اور قاہرہ کی تمام مخلوق افتتاح خلیج کا نظارہ دیکھنے آتی ہے۔ اور عجیب و غریب کھیل تماشے کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ خلیج میں جو سب سے پہلے کشتی ڈالی جاتی ہے وہ اخرسون (مفرد اخرس) کی ہوتی ہے۔ اور یہ لوگ گنگ دلال کہلاتے ہیں (گونگے بہرے مساکین) اور کشتیوں پر سوار کرائے جاتے ہیں۔ اور یہ کارروائی بطور تفاول (شگون) کے ہوتی ہے۔ اور خلیفہ ان لوگوں کو صدقہ دیتا ہے۔

اکیس[۲۱] کشتیاں شاہی ہیں، جو محل کے قریب ایک تالاب میں پڑی رہتی ہیں، جس کی وسعت دو تین میدانوں کے برابر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کشتی کا طول پچاس گز اور عرض بیس[۲۰] گز ہے۔ اور کل کشتیاں طلائی نقرئی کام کی تھیں جن پر دیبا منڈھا ہوا اور جواہرات جڑے ہوئے تھے، اگر میں ان کی تعریف

کروں تو ایک دفتر ہو جائے۔ اکثر اوقات یہ کشتیاں تالاب میں اس ترتیب و سلیقہ سے رکھی جاتی ہیں، جیسے اصطبل میں خچر باندھے جاتے ہیں۔

شہر سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر بمقام عین الشمس ایک شاہی باغ ہے اور یہاں ایک خوبصورت چشمہ بھی ہے اور باغ بھی اسی چشمہ سے موسوم ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ باغ فرعون کا تھا، اس باغ کے قریب میں نے ایک پرانی عمارت دیکھی جس میں چار بہت بڑے پتھر تھے جو مینار کی طرح قایم تھے اور ان کا ارتفاع تیس۳۰ گز تھا۔ اور ان کے سروں سے پانی کی بوندیں ٹپکتی تھیں۔ اور کسی کو اس کا علم نہ تھا کہ یہ کیا ہے؟

شجر بلساں باغ کے اندر بلساں کے درخت تھے۔ روایت ہے کہ خلیفہ کا باپ تخم بلساں مغرب سے لایا تھا۔ اور اس ملک میں بویا گیا۔ اور ملک مغرب کے سوا ساری دنیا میں یہ درخت کہیں نہیں پیدا ہوتا ہے اور اب تو ملک مغرب میں بھی اس کا پتہ نہیں ملتا۔ اگرچہ بلساں کا بیج ہوتا ہے مگر وہ ہر جگہ اگتا نہیں ہے اور اگر اگتا بھی ہے تو تیل نہیں نکلتا، بلساں کا درخت، آس (ملک عرب کا مشہور درخت ہے) کی طرح ہوتا ہے اور جب یہ جوانی پر آتا ہے تو تلوار سے شاخوں میں کچوکے لگا کر جا بجا شیشے باندھ دیے جاتے ہیں، اس طریقہ سے اس کا تیل گوند کی طرح شاخوں میں سے نکلتا ہے اور جب پورے طور پر تیل نکل آتا ہے تو درخت سوکھ جاتا ہے۔ اور باغ بان لکڑیاں لا کر شہر میں بیچ ڈالتے ہیں۔ چھال موٹی ہوتی ہے جس کو درخت سے چھیل کر کھاتے ہیں اور بادام کا ذائقہ ہوتا ہے، درخت کی جڑ سے دوسرے سال کلّے پھوٹ آتے ہیں اور بڑے ہونے پر اس کے ساتھ بھی مذکورہ بالا عمل جرّاحی کیا جاتا ہے۔

قاہرہ کے محلّے شہر قاہرہ میں دس محلّے ہیں۔ اور محلہ کو یہاں حارہ[۱۷۳] کہتے

ہیں۔ ترتیب وار نام حسب ذیل ہیں۔ حارۃ برجوان، حارۃ زویلہ، حارۃ الجودریہ، حارۃ الامرار، حارۃ الدیالمہ، حارۃ الروم، حارۃ الباطلیہ، قصرالشوک، عبیدالشرار، حارۃ المصامدہ۔

قدیم شہر مصر کا بیان

جامع طولون

مصر (فسطاط) بلندی پر واقع ہے، شہر کے جانب مشرق پہاڑ ہے مگر اونچا نہیں ہے، بلکہ سنگین پشتہ کی طرح پتھروں کی سلیں ہیں۔ اور جامع طولون شہر کے کنارے بلندی پر ہے، جس کی دو دیواریں بہت مضبوط ہیں اور شہر آمد اور میا فارقین کے سوا میں نے ایسی خوبصورت دیوار کہیں نہیں دیکھی ہے۔ یہ مسجد کسی عباسی امیر کی تعمیر کردہ ہے جو مصر کا والی رہا ہے۔ حاکم بامراللہ (متوفی ۴۱۱ھ ۱۰۲۰ء) کے زمانہ میں (جو موجودہ خلیفہ کا دادا تھا) ابن طولون کے لڑکے قاہرہ میں آئے تھے اور انھوں نے تیس ہزار دینار مغربی پر مسجد کا بیع نامہ کر دیا تھا اور کچھ دنوں کے بعد ان لڑکوں نے مسجد کا دوسرا منارہ گرانا شروع کیا۔ حاکم بامراللہ نے ان سے کہلا بھیجا کہ یہ تو تم میرے ہاتھ بیع کر چکے ہو اب اسے کیوں گراتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے منارہ فروخت نہیں کیا ہے۔ چنانچہ پانچ ہزار دینار پر دوسرا منارہ بھی خرید لیا گیا۔ خلیفہ مصر رمضان المبارک میں اسی مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ اور ایّام جمعہ میں بھی۔ شہر طغیانی کے خوف سے بلندی پر آباد کیا گیا ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں بڑے اونچے پتھر تھے جن کو توڑ کر سطح کو ہموار کیا ہے۔ اب ایسے مقامات عقبہ (گھاٹی) کہلاتے ہیں۔ شہر مصر کو جب فاصلہ سے دیکھیں تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔

مصر کے مکانات

شہر کی بعض عمارتیں چودہ منزل کی ہیں اور کوئی سات منزل بھی ہے۔ میں نے ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ ایک شخص نے ست محلہ پر چمن لگایا تھا اور ایک بچھڑا کوٹھے پر لے جا کر پالا تھا، جب وہ جوان ہو گیا تو رہٹ کھینچتا تھا اور کنوئیں سے پانی نکالتا تھا۔ اس چھت پر نارنج، ترنج اور کیلے کے درخت لگائے تھے۔ اور یہ سب پھلتے تھے اور طرح طرح کے گلاب و نازبو (مروہ) کے پودے لگائے تھے۔

مصر کی گلیاں اور کوچے

میں نے ایک معتبر سوداگر سے سُنا ہے کہ مصر میں متعدد مکانات ہیں، جن میں کرایہ کے لیے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ اور پیمائش ان کی تیس تیس ہاتھ (۳۰ × ۳۰ = ۹۰۰) ہے جس میں تین سو پچاس آدمی رہ سکتے ہیں۔ مصر کے بعض بازاروں اور کوچوں میں دن رات قندیلیں روشن رہتی ہیں، کیونکہ ان گلیوں میں[۱] سورج کی روشنی نہیں آتی ہے۔ اور لوگوں کی آمد و رفت برابر جاری ہے۔

شہر مصر میں علاوہ قاہرہ کے سات جامع مسجدیں قریب قریب واقع ہیں اور دونوں شہروں میں پندرہ مسجدیں ہیں۔ جن میں جمعہ کے دن ہر جگہ نماز و خطبہ ہوتا ہے۔

باب الجوامع

وسط بازار میں ایک مسجد ہے جس کو باب الجوامع کہتے ہیں۔ یہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی تعمیر کردہ ہے، جب کہ آپ امیر معاویہؓ کی طرف سے مصر کے والی تھے۔ یہ مسجد سنگ مرمر کے چار سو ستونوں پر قایم ہے۔ اور جس دیوار پر صدر محراب ہے وہ کل سفید مرمر کی ہے اور پورا قرآن خوبصورت حروف میں ان دیواروں پر لکھا ہوا ہے۔ اور مسجد کے چاروں طرف بڑے بازار ہیں۔ اور مسجد کے دروازے بازار کی جانب ہیں جہاں قاری

[۱] بعض گلیاں دو دو فرلانگ طویل ہیں۔

اور مدرس درس دیا کرتے ہیں۔ اس بڑے شہر کی تفریح گاہ یہی مسجد ہی۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا ہی کہ یہاں پانچ ہزار آدمیوں سے کم مجمع ہو۔ جن میں طلبہ، عرائض نویس (قبالہ اور دستاویزات لکھنے والے) وغیرہ ہوتے ہیں۔ حاکم بامراللہ نے فرزندان عمرو بن عاص؄ سے یہ مسجد خرید کرلی ہی۔ کیونکہ ان لڑکوں نے حاکم سے کہا تھا کہ ہم محتاج اور فقیر ہورہے ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے باپ کی مسجد کی اینٹ و پتّھر کھود کر بیچ ڈالیں۔ چنانچہ حاکم بامراللہ نے ایک لاکھ دینار دے کر مسجد خرید لی اور مصر والوں کو گواہ کیا۔ بیع نامہ کے بعد عجیب و غریب عمارت کا اس مسجد میں اضافہ کیا گیا۔ منجملہ ان کے ایک چاندی کا فتیل سوز ایسا بنوایا جس میں سولہ پہل تھے۔ اور ہر پہلو ڈیڑھ ہاتھ کا تھا۔ چنانچہ کل محیط چوبیس ہاتھ تھا۔ جس میں کچھ اوپر سات۷ سو چراغ مقدس راتوں میں روشن کیے جاتے تھے۔ اس فتیل سوز کا وزن پچیس۲۵ قنطار نقرہ تھا۔ (ایک قنطار کا وزن سو رطل اور ایک رطل ۱۴۴ درہم نقرہ کا مانا گیا ہی) جب یہ فتیل سوز بن کرتیار ہوا تو مسجد کے کسی در میں نہیں سماتا تھا۔ تب مجبورًا ایک جدید دروازہ کھولا گیا اور اس کے اندر سے فتیل سوز کو مسجد میں لائے۔ اور پھر اس نئے دروازہ کو بند کردیا۔ اس مسجد میں ہمیشہ تلے اوپر دس رنگین چٹائیاں بچھی رہتی ہیں۔ اور روزانہ شب کو سو سے زیادہ قندیلیں روشن کی جاتی ہیں، قاضی القضاۃ کا دفتر اسی مسجد میں ہی۔

سوق القنادیل اس مسجد کے جانب شمال ایک بازار ہی، جس کو سوق القنادیل (قندیلوں کا بازار) کہتے ہیں، ایسا بازار کسی شہر میں نہ ہوگا، ساری خدائی کا نفیس اور قیمتی مال اس بازار میں ملتا ہی۔ میں نے اس بازار میں ہاتھی دانت کا بنا ہوا سامان دیکھا مثلًا صندوقچہ، کنگھی۔ اور چاقو وغیرہ۔ اور یہاں ایک قسم کا سخت بلّور دیکھنے میں آیا جو ملک

مغرب سے آتا ہے اور جس کو نادرہ کا صناع تراش کر چیزیں بناتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آج کل دریائے قلزم سے ایک قسم کا سخت بلور برآمد ہوا ہے، جو مغرب کے بلور سے بہت زیادہ لطیف اور شفاف ہے۔ میں نے ہاتھی کا ایک دانت دیکھا جس کا وزن کچھ اوپر سات من تھا۔ اور یہ ملک زنجبار سے آیا تھا۔ اور ایک چرسہ بیل کا دیکھا جو حبش سے آیا تھا، یہ تیندوے کی کھال سے مشابہ تھا، اس کے جوتے بنائے جاتے ہیں اور نیز ملک حبش سے پالتو مرغ لاتے ہیں جو قد میں بہت اونچا ہوتا ہے، اور جس کے پروں پر سفید نقطے ہوتے ہیں اور سر پر مور کی طرح کیس (کلغی) ہوتا ہے۔ مصر میں شہد اور شکر کی بھی افراط ہے۔ دَی (جنوری) کی تیسری تاریخ تھی اور ۴۱۶ھ ف تھا کہ میں نے حسب ذیل پھول اور میوے ایک ہی دن بازار میں دیکھے۔

مصر کے بازار میں میوے سبزی اور پھولوں کی افراط

سرخ گلاب، نیلوفر، نرگس، ترنج، نارنج لیموں مرکب، سیب، یاسمن، نازبو، بہی انار، امردد، خربوزہ، کچری، کیلہ، زیتون، تازہ ہڑ، خرمائے تر، انگور، گنا، بینگن، کدو، مولی، شلغم، کرم کلا، باقلہ، ککڑی، کھیرا، پیاز، لہسن، گاجر، چقندر۔ یہ خیال کرنے کی بات ہے کہ یہ سب میوے اور پھول مختلف موسم کے ہیں، یعنی کوئی خریف کے کوئی ربیع کے۔ بعض گرمی اور بعض جاڑے کے ہیں اور پھر ایک ہی فصل میں سب موجود ہیں، لوگ اس کو باور نہیں کریں گے، لیکن میری تحریر بلا غرض ہے، میں نے چشم دید واقعات لکھے ہیں اور جو سنی سنائی باتیں میں نے لکھی ہیں اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مصر ایک عظیم الشان صوبہ ہے، جس میں سردسیر اور گرم سیر ہر قسم کی ہوائیں چلتی ہیں اور ہر حصہ ملک سے چیزیں

آتی ہیں، جو بازاروں میں فروخت ہوتی رہتی ہیں۔

ظروف گلی مصر میں ہر قسم کے مٹّی کے برتن بنتے ہیں۔ اور وہ اس قدر لطیف اور شفاف ہوتے ہیں کہ اگر اس کے اوپر ہاتھ رکھو تو اندر عکس نظر آتا ہی۔ گلاس، بڑے پیالے اور رکابیاں وغیرہ بناتے ہیں۔ اور ان برتنوں پر ایسا لک (روغن) چڑھاتے ہیں جو دھوپ چھاں (بوقلمون) سے مشابہ ہوتا ہی۔ چنانچہ جس پہلو سے دیکھو نیا رنگ نظر آتا ہی۔ اور کانچ ایسا پاکیزہ اور شفاف بناتے ہیں کہ زبرجد معلوم ہوتا ہی۔ جس کو تول کر بیچتے ہیں۔

مصری سوت میں نے ایک معتبر بزاز سے سنا ہی کہ مصر میں باریک سوت جس کا وزن ایک درہم ہو، تین دینار مغربی کو بکتا ہی۔ (مساوی ۳½ دینار نیشاپوری) اور میں نے نیشاپور میں دریافت کیا تھا کہ اعلےٰ درجہ کے سوت کی کیا قیمت ہی تو جواب ملا تھا کہ جو سب سے بہتر ہو وہ بقدر یک درہم (وزن میں) پانچ درہم کو بکتا ہی۔

وسائل آبرسانی شہر مصر طولاً دریائے نیل کے کنارے واقع ہی اور اکثر محلات و مناظر ایسے موقع پر ہیں کہ اگر چاہیں تو دریائے نیل کا پانی ڈور (رسی) سے بھر لیں۔ لیکن عموماً شہر میں بہشتی نیل سے پانی لاتے ہیں، کوئی اونٹ پر لاتا ہی، کوئی کاندھے پر۔ اور دمشق کے پیتل کے گگرے بھی دیکھے، جس میں پیتالیس سیر پانی آتا ہی۔ اور یہ بالکل سونے کے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک کھارن کے پاس پانچ ہزار گگرے ہیں، جو کرایہ پر چلاتی ہی۔ اور فی گگرا ماہانہ کرایہ ایک درہم ہی، جب واپس کیا جائے تو شرط ہی کہ اصلی حالت پر ہو۔

جزیرہ مصر[۱۷۶] مصر کے سامنے مابین دریا ایک جزیزہ ہی، کسی وقت میں

یہاں شہر آباد کیا گیا تھا۔ یہ جزیرہ شہر کے مغربی جانب ہے، جس میں جمعہ مسجد اور باغات بھی ہیں۔ یہ جزیرہ حقیقت میں ایک چٹان پر ہے، جو نیل کے اندر ابھر آئی ہے۔ میں نے دریائے نیل کے ان دونوں شاخوں کا اندازہ کیا ہے، وہ وسعت میں جیحوں کے برابر ہوں گے۔ ان کی رفتار دھیمی (سُست) ہے۔ شہر اور جزیرہ کے درمیان چھتیس کشتیوں کا ایک پل باندھا گیا ہے۔

جیزہ [۱۷۷]

اسی طرح دوسرا شہر بھی نیل کے کنارے ہے جس کو جیزہ کہتے ہیں۔ یہاں بھی جمعہ مسجد ہے مگر پُل نہیں ہے۔ گھاٹ اور کشتی سے عبور کرتے ہیں، بغداد اور بصرہ کے مقابلہ میں بڑی اور چھوٹی کشتیوں کی مصر میں افراط ہے۔

مصری تاجروں کی ایمانداری

مصر کے دوکاندار مال کی صحیح قیمت بیان کرتے ہیں۔ اگر کوئی دوکاندار خریدار سے جھوٹ بولے، تو اس کو اونٹ پر بٹھا کر ایک گھنٹہ ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور وہ شہر میں گشت کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ شخص گھنٹہ بجا کر بلند آواز سے کہتا جاتا ہے کہ "میں نے غلط نرخ بتایا تھا جس کی ملامت اٹھا رہا ہوں اور جو جھوٹ بولے گا اس کی سزا یہی ہے۔" بقال، عطار، بساطی اور تمام دوکاندار خریدار کو سودا رکھنے کے لیے باردان دیتے ہیں۔ باردان سے کانچ یا مٹی کا برتن اور کاغذ (لفافہ) مراد ہے (یعنی ہر جنس کے حسب حال ظرف ہوتا ہے۔) خریدار کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ سودا رکھنے کے لیے ٹوکری یا زنبیل لیے پھریں۔

مصر کی پیداوار

مصر میں جلانے کا تیل شلجم اور مولی کے بیجوں سے نکالتے ہیں اور اس کو زیت حار (کڑوا تیل) کہتے ہیں۔ تلی (کنجد) کم پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا تیل نایاب ہے۔ روغن

زیتون سستا بکتا ہے۔ بادام سے پستہ کا نرخ ہمیشہ گراں رہتا ہے۔ اور پندرہ سیر مغز بادام کی قیمت ایک دینار سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔

کرایہ کے خچر

بازاری اور دوکاندار عموماً خچروں پر سوار ہو کر گھر سے بازار تک جاتے ہیں۔ جن پر زین کسا رہتا ہے۔ اور ہر سڑک و کوچہ میں زین کسے ہوئے خچر تیار ملتے ہیں، جس کا جی چاہے سوار ہو جائے۔ کرایہ بہت کم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پچاس ہزار چوپایہ (خچر) زین کسے ہوئے کرایہ پر چلتے ہیں۔ گھوڑے فوجی سپاہیوں کے لیے مخصوص ہیں باقی اصحاب دوکاندار، دیہاتی، پیشہ ور اور رؤسا، (خچروں پر ہی سوار ہوتے ہیں) میں نے بکثرت سیاہ و سفید دھاریوں کے خچر دیکھے ہیں جو گھوڑے سے کہیں بہتر تھے۔

مصر کا تمول

میرے زمانہ سیاحت میں یہاں کے لوگ بہت دولت مند تھے۔ ۴۳۹ھ (۱۰۴۷ء) میں (خلیفہ مستنصر باللہ) کے یہاں بیٹا پیدا ہوا حکم دیا گیا کہ تمام شہر اور بازار آراستہ کیے جائیں، اگر میں اس آرائش کی تعریف کروں تو بعض لوگوں کو یقین نہ آئے گا، بزازوں اور صرافوں وغیرہ کی دوکانیں زر و جواہر، نقد و جنس، زربفت اور قصب (مشروع) کے تھانوں سے اس طرح سجی ہوئی تھیں کہ بیٹھنے کے لیے جگہ باقی نہ تھی۔ رعایا خلیفہ کی جانب سے مطمئن ہے، کوئی شخص پولیس اور خفیہ نگاروں سے نہیں ڈرتا تھا، خلیفہ پر سب کو اعتماد ہے۔ کیونکہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ نہ کسی کے مال و دولت کا خواستگار ہے۔ میں نے مصر میں جس قدر تمول کی افراط دیکھی ہے، اگر اس کا بیان کروں تو میرے عجمی بھائی یقین نہ کریں گے مصریوں کی دولت مندی کا اندازہ میں نہیں کر سکتا ہوں۔ مصر کی جیسی آسایش میں نے کہیں نہیں دیکھی ہے۔ میں نے یہاں ایک عیسائی ساہوکار دیکھا جس کے پاس کشتیاں اور روپیہ کی اس قدر افراط تھی جس کا

اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ایک سال کا واقعہ ہو کہ دریائے نیل میں طغیانی نہ ہوئی اور غلّہ گراں ہو گیا۔ وزیر السلطنت نے اس ساہوکار کو طلب کر کے کہا کہ "یہ سال نہایت خراب ہو اور رعایا کی حالت دیکھ کر امیر المومنین بے چین ہو رہے ہیں لہٰذا بتاؤ کہ تم! نقدی یا اُدھار سے کس مقدار تک غلّہ دے سکتے ہو"؟ ساہوکار نے جواب دیا کہ" امیر المومنین اور حضور کے اقبال سے میرے پاس اس قدر غلّہ موجود ہو کہ چھ سال تک ملک کی خوراک کے لیے کافی ہو گا" اس وقت مصر کی مردم شماری اس قدر تھی کہ نیشاپور کی مجموعی آبادی بمشکل اس کے پانچویں حصّے کے برابر ہو گی۔ صاحب اندازہ سمجھ سکتا ہو کہ جس کے پاس اس قدر غلّہ ہو گا اس کے پاس زر نقد کس مقدار میں ہو گا؟ کیسی اچھی رعایا ہو اور کیسا عادل سلطان ہو، جس کا زمانہ ایسا پُر امن ہو کہ جس میں مال و دولت کی افراط ہو، نہ تو بادشاہ کسی پر ظلم کرتا ہو اور نہ رعیت اس سے کچھ مخفی رکھتی ہو۔

مصر کی کاروان سرائیں

یہاں میں نے ایک کاروان سرائے دیکھی جس کو دار الوزیر کہتے ہیں، یہ بزازہ ہو یہاں صرف قصب کے تھان فروخت ہوتے ہیں، اور نیچے کی منزل میں درزی بیٹھتے ہیں اور اس کے اوپر محرابی طاق (برج) ہیں۔ میں نے منتظم سرائے سے پوچھا کہ اس سرائے کی آمدنی کیا ہو؟ تو اس نے کہا کہ سالانہ بیس ہزار دینار مغربی وصول ہوتے تھے۔ لیکن آج کل اس سرائے کا ایک حصّہ شکستہ ہو گیا ہو جس کی مرمت ہو رہی ہو۔ لہٰذا ماہانہ آمدنی ایک ہزار دینار رہی۔ جس کا سالانہ بارہ ہزار ہوتا ہو مصر میں اگرچہ اس سے بڑی کوئی سرائے نہیں ہو، لیکن پھر بھی اس قسم کی دو سَو سرائیں (خان) موجود ہیں۔

دعوت ایوان الکبیر بزمانہ خلافت معد بن تمیم ملقب بہ مستنصر باللہ فاطمی سنہ ۴۴۰ھ

خلفائے فاطمین کا یہ دستور تھا کہ ہر سال عیدین کے موقعہ پر عام دعوت کرتے تھے۔ اور دربار عام میں خاص و عام طلب ہوتے تھے، چنانچہ خواص قصر خلافت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور عوام دوسرے مکانات میں ٹھیرائے جاتے ہیں۔ اس دعوت کے حالات میں بہت کچھ سُن چکا تھا، لیکن دلی خواہش تھی کہ میں اپنی آنکھ سے یہ سماں دیکھ لوں، دربار کے ایک کاتب سے میرے دوستانہ مراسم تھے، میں نے اس سے کہا کہ سلاطین عجم میں سلطان محمود غزنوی اور اس کے بیٹے سلطان مسعود کے دربار میں نے دیکھے ہیں، جو بڑی شان و شکوہ کے بادشاہ تھے۔ لیکن چاہتا ہوں کہ امیر المومنین کا دربار عید بھی دیکھ لوں۔ چنانچہ میرے اس دوست نے پردہ دار (صاحب الستر یا ناظر قصر خلافت) سے سفارش کر دی۔

قصر خلافت اور دعوت عید

رمضان المبارک سنہ ۴۴۰ھ (سنہ ۱۰۴۹ء) کی آخیر تاریخ تھی کہ دربار سجایا گیا، کیونکہ صبح کو عید تھی۔ خلیفہ عید کی نماز پڑھ کر دربار میں آتا ہے اور کھانے پر بیٹھ جاتا ہے چنانچہ پردہ دار نے مجھے بھی قصر خلافت میں پہنچا دیا، صدر دروازے سے آگے بڑھ کر ایسی شہ نشین اور محلات دیکھے کہ اگر اس کا بیان کروں تو ایک کتاب بن جائے۔ بارہ ایوان مسلسل تھے اور ہر ایک مربع تھا۔ میں جس ایوان کے اندر داخل ہوتا تھا وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت نظر آتا تھا، اور ان

ہے کہ اس یہودی کے مال کا اندازہ صرف خدا ہی کو ہے۔ اس کے محل کی چھت پر تین سو نقرئی گملے رکھے ہوئے تھے اور ہر گملہ میں درخت تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ گویا باغ لگا ہوا ہے۔ اور تمام پودے پھلوں سے جھوم رہے تھے۔ ابوسعید کے بھائی نے خلیفہ کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیجی کہ میں اس وقت دو لاکھ دینار مغربی داخل خزانہ کرتا ہوں، کیونکہ برادر مرحوم کے قتل سے ہم لوگ خوف زدہ ہو رہے ہیں۔ خلیفہ نے وہ عرضی باہر بھیج دی اور مجمع عام میں چاک کر ڈالی گئی۔ اور کہلا بھیجا کہ تم مطمئن رہو اور گھر کو واپس جاؤ، اب کسی کو نہ تم سے سروکار ہے اور نہ کوئی تمھارے مال و دولت کا محتاج ہے اور اس خاندان کی دلجوئی کی۔

محکمہ اوقاف ملک شام سے قیروان تک میں نے سفر کیا ہے، ہر ہر گانو اور قریہ میں جس قدر مساجد ہیں ان کے مصارف وکیل خلیفہ ادا کرتا ہے۔ اس صرفہ میں چراغ کا تیل، چٹائی، بوریہ، مصلے، مہتمم فراش، موذنوں کی تنخواہ اور وظائف داخل ہیں۔

ایک سال کا واقعہ ہے والئ شام نے عرضی بھیجی کہ "روغن زیتون امسال کم ہے، اگر فرمان عالی صادر ہو تو مساجد کے لیے کڑوا تیل (جو مولی اور شلجم کے بیجوں سے نکالا جاتا ہے) دیا جائے" اس پر حکم ہوا کہ تم صرف حکم کی تعمیل کرنے والے ہو وزیر نہیں ہو۔ (یعنی رائے دینے کے مجاز نہیں ہو) جس شی کا تعلق خانۂ خدا سے ہے اس میں تبدیلی جائز نہیں ہے۔ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا مشاہرہ دو ہزار دینار مغربی تھا اور اسی پڑتہ سے ماتحت قاضیوں کی تنخواہیں مقرر تھیں تاکہ یہ رعایا سے نہ تو رشوت لیں نہ کسی پر ظلم ہو۔

اعلان حج اور قافلوں کی روانگی یہ بھی دستور تھا کہ وسط رجب میں فرمان خلافت تمام مساجد میں سنایا جاتا تھا کہ مسلمانو! حج کا زمانہ آرہا ہے

اور حسب معمول امیر المومنین کی جانب سے فوج، گھوڑے، اونٹ اور زادِ راہ[۵] مہیا ہے۔ اور اسی قسم کے دوسری منادی رمضان المبارک میں ہوتی تھی اور آغاز ذیقعدہ سے قافلے ایک مقررہ پڑاؤ (فرودگاہ) پر جمع ہونے شروع ہوتے تھے۔ اور پندرھویں ذیقعدہ کو روانہ ہو جاتے تھے۔ اور اس لشکر کا روزانہ صرفۂ خوراک ایک ہزار دینار مغربی تھا (باستثنائے مواجب جیب خرچ) جو ہر حاجی کو بہ حساب بیس[۱] دینار دیا جاتا ہے۔ یہ قافلے پچیس[۲] یوم میں مکہ معظمہ پہنچتے تھے اور قیام دس دن ہوتا تھا۔ اور پھر پچیس[۵] یوم میں واپس آتے تھے، اس حساب سے ساٹھ[۶] یوم میں ساٹھ ہزار دینار مغربی ان کی خوراک کا صرفہ ہوتا تھا۔ اور صلے، انعامات، مشاہرات جداگانہ تھے، اور جو اونٹ کہ راستہ میں مرجاتے تھے ان کی قیمت بھی اس میں شامل نہیں ہے۔ الغرض ۴۳۹ھ ۱۰۴۸ء میں لوگوں کو ایک فرمان سلطانی سنایا گیا کہ "امیر المومنین حکم دیتے ہیں کہ امسال حجاج کا سفر کرنا مصلحت کے خلاف ہے، کیونکہ حجاز میں قحط ہے اور مخلوق مر رہی ہے اور میرا یہ حکم اسلامی ہمدردی کی بنا پر ہے"۔ چنانچہ حاجی رک گئے

۸۔ ناصر خسرو کی قاہرہ سے مکہ معظمہ کو روانگی

خلیفہ دستور کے مطابق سال میں دو مرتبہ غلافِ کعبہ روانہ کیا کرتا تھا اور چونکہ امسال محمل براہِ قلزم روانہ ہوا تھا۔ لہٰذا میں بھی اس قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوا اور غرہ ذی قعدہ کو مصر سے چل کر ساتویں تاریخ کو شہر قلزم میں آیا اور یہاں سے جہاز پر سوار ہو گیا۔ اور پندرھویں دن شہر جار میں داخل ہوا۔ آج ذیقعدہ کی بائیسویں[۲۲] تاریخ تھی، اور جار سے چار دن میں مدینہ رسول اللہ صلعم میں پہنچا۔

ناصر خسرو مدینہ میں

مدینہ طیبہ[۱۷۹] ایک صحرا کے کنارے آباد ہے، شہر کی

زمین مرطوب اور شورہ زار ہی، چشمہ کا پانی ہی، مگر کمی کے ساتھ، اور کھجوروں کے باغات ہیں، یہاں قبلہ جنوب کی طرف واقع ہی۔

مسجد نبوی وسعت میں مسجد الحرام کے برابر ہی، اور رسول مقبول کا حظیرہ منبر مسجد کے پہلو میں ہی، یعنی جب قبلہ کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوں تو بائیں جانب پڑتا ہی، چنانچہ جس وقت خطیب منبر پر کھڑا ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ذکر خیر کرکے درود پڑھتا ہی، تو (دائیں ہاتھ کی طرف) روضہ اطہر کی جانب اشارہ کرتا جاتا ہی، حظیرہ نبوی مخمس (پنج گوشہ) ہی۔ اور دیوارین ستون مسجد کے درمیان سے اٹھائی ہیں اور پانچ ستون ہیں۔ اس مکان کی چھت مثل حظیرہ کے ایک تکیہ نما دیوار سے گھیر دی ہی تاکہ اس پر کوئی چڑھ نہ سکے۔ اور چھت پر ایک جال لگا دیا ہی کہ چڑیاں بھی نہ جاسکیں۔ اور منبر و مقبرہ کے درمیان بھی ایک سنگِ مرمر کا ایک حظیرہ ہی، یہ ایک نیچی عمارت ہی جس کو **روضہ** کہتے ہیں۔

روایت ہی کہ یہ باغ، باغہائے بہشت سے ہی، رسول مقبول ارشاد فرماتے ہیں کہ "بین قبری ومنبری روضۃٌ من ریاضۃ الجنۃ" اور شیعوں کا قول ہی کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا مزار اسی جگہ ہی۔ اور مسجد کا ایک دروازہ شہر کے باہر جنوبی (شمالی) رخ پر ہی۔ اس کے بعد جنگل اور قبرستان ہی، جس میں امیر المومنین حضرت حمزہ بن عبد المطلب کا مزار ہی اور اس جگہ کو قبور الشہداُ کہتے ہیں۔ چونکہ حج کا زمانہ قریب تھا لہٰذا میں دو دن کے قیام کے بعد مدینہ طیبہ سے روانہ ہوگیا، سڑک مشرق کو جاتی تھی۔ مدینہ سے ۲ منزل پر ایک پہاڑ ہی اور اس میں ایک گھاٹی مثل درہ کے ہی جس کو جحفہ کہتے ہیں۔ اور یہ مقام مغرب و شام اور مصر کا میقات ہی، اور میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے حاجی

احرام باندھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک سال یہاں حاجیوں کا بڑا قافلہ پڑا ہوا تھا کہ یکایک سیلاب آگیا اور اہل قافلہ ہلاک ہوگئے۔ اور یہی وجہ تسمیہ جحفہ کی ہے، مکہ اور مدینہ میں سو فرسنگ کا فاصلہ ہے، مگر پہاڑی راستہ ہے میں آٹھ دن میں پہنچا تھا۔

ناصر خسرو کا دوسرا حج ۴۳۹ھ

یک شنبہ کے دن چھٹی ذالحجہ کو میں مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور باب الصفا میں اترا، اس سال مکہ میں قحط تھا، اور ایک دینار نیشاپوری میں چھ سیر روٹی فروخت ہوتی تھی، مجاور مکہ سے چلے گئے تھے اور کسی ملک کا قافلہ نہیں آیا تھا۔ بدھ کے دن خدا کے فضل سے ہم نے عرفات[۱۸] میں حج کیا، اور دو روز مکہ معظمہ میں ٹھیرے، بہت سے لوگ بھوک اور محتاجی کی بدولت حجاز سے باہر چلے گئے تھے، میں اس مرتبہ بھی حج اور مکہ کے حالات بیان نہ کروں گا آیندہ جب مکہ معظمہ میں چھ مہینے قیام ہوگا اس وقت جو کچھ دیکھوں گا اس کو تفصیل سے بیان کروں گا۔

مکہ معظمہ سے میں مصر کو روانہ ہوا اور پچھتر[۷۵] یوم میں داخل مصر ہوا اس سال پینتیس[۳۵] ہزار آدمی حجاز سے مصر میں آئے تھے، خلیفہ نے سب کو جوڑے پہنائے اور پورے ایک سال تک سب کو وظیفہ دیا، کیونکہ یہ لوگ ننگے اور بھوکے تھے، یہاں تک کہ باران رحمت کا نزول ہوا اور ملک حجاز میں کھانے پینے کی افراط ہوگئی، اس وقت خلیفہ نے ان سب کو پوشاک اور انعام دے کر حجاز کو رخصت کردیا۔

رجب ۴۴۰ھ (دسمبر ۱۰۴۸ء) میں دوسری مرتبہ فرمان خلافت سنایا گیا کہ حجاز میں قحط ہے اور حجاز کا جانا خلاف مصلحت ہے حاجی اپنے حال پر

رحم کر کے ارشاد خداوندی کی تعمیل کریں، چنانچہ امسال بھی حاجی نہیں گئے، لیکن خلیفہ کی طرف سے ارسال غلاف کعبہ اور امیر مکہ اور مدینہ اور مجاور و خدام کے لیے جو سالانہ وظیفہ حجاز کو جاتا تھا اس میں کمی اور رکاوٹ نہیں کی گئی۔ اور امیر مکہ کا تین ہزار دینار مشاہرہ اسپ و خلعت کے علاوہ سال میں دو مرتبہ بھیجا جاتا تھا چنانچہ امسال یہ وظیفہ قاضی عبداللہ (قاضی شام) کی معرفت روانہ کیا گیا، اور میں بھی قاضی صاحب کے ہمراہ براہ قلزم روانہ ہوا۔ اس مرتبہ ۲۵ پچیسویں ذیقعدہ کو جہاز جار میں پہنچا۔ حج کا زمانہ بہت ہی قریب آگیا تھا لہٰذا پانچ دینار پر ایک اونٹ کرایہ پر کر کے فوراً ہی روانہ ہو گیا۔

ناصر خسرو کا تیسرا حج ۴۴۰ھ

آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچ کر بہ توفیق خداوند عالم حج کیا، امسال ملک مغرب سے بہت بڑا قافلہ آیا تھا، واپسی کے وقت مدینہ طیبہ میں مغربیوں نے عربوں سے بدرقہ (راہ نما) مانگا، چنانچہ حج سے واپسی کے وقت دونوں میں جنگ ہوئی اور دو ہزار سے زیادہ مغربی قتل ہوئے اور اکثر حاجی مغرب کو واپس نہیں گئے۔

اعراب کی وحشیانہ خدمت

اسی سال خراسان کے بعض حاجی شام اور مصر کے راستے سے جہاز پر سوار ہو کر مدینہ پہنچے، ذی الحجہ کی چھٹی تاریخ تھی اور اس قافلہ کو عرفات تک ایک سو چار ۱۰۴ فرسنگ طے کرنا تھے، چنانچہ ان حاجیوں نے کہا کہ اگر تین یوم کے اندر کوئی ہم کو مکہ معظمہ پہنچا دے اور حج نصیب ہو جائے تو فی کس چالیس دینار کے حساب سے معاوضہ ادا کریں گے۔ چنانچہ بدوؤں نے ڈھائی دن میں عرفات پہنچا کر دینار وصول کر لیے، مگر مدینہ سے عرفات تک اس طرح لائے کہ تیز رفتار

اونٹوں پر ایک ایک حاجی کو باندھ کر ڈال دیا تھا، چنانچہ ان میں سے دو حاجی تو اونٹوں ہی پر مر گئے۔ چار زندہ تھے، لیکن وہ بھی نیم مردہ، عصر کا وقت تھا کہ یہ لوگ ہمارے پاس پہنچے، مگر اس حالت میں کہ نہ کھڑے ہو سکتے تھے اور نہ بات ہی کر سکتے تھے، ان کا بیان تھا کہ ہم نے راستہ میں ان بدویوں سے بہ منت کہا کہ زر کرایہ تمھارا ہو چکا، ہم کو چھوڑ دو کہ طاقت جواب دے چکی ہے، مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور اسی طرح لے کر آئے۔ الغرض وہ چار خراسانی حج کر کے شام کے راستہ سے واپس ہوئے، اور میں بھی حج سے فارغ ہو کر مصر کو روانہ ہو گیا، کیونکہ میری کتابیں وہاں رہ گئی تھیں، اور واپسی کا ارادہ نہ تھا۔

ناصر خسرو کی سیاحت کا پانچواں سال ۴۴۱ھ

اسی سال امیر مدینہ مصر میں آیا تھا اور خلیفہ کی جانب سے اس کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا، کیونکہ یہ امیر، امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے تھا چنانچہ میں بھی امیر مذکور کے ہمراہ جہاز میں شہر قلزم تک آیا، اور یہاں سے امیر کی معیت میں مصر تک گیا۔

والی حلب کی بغاوت

۴۴۱ھ کا واقعہ ہے کہ جب میں مصر میں تھا یہ خبر آئی کہ حلب کا والی خلیفہ سے باغی ہو گیا ہے۔ یہ خلیفہ کا ملازم تھا اور اس کا باپ شاہان حلب میں سے تھا، امیر المومنین کا یہ ایک غلام تھا جس کو عمدۃ الدولہ کہتے تھے، یہ غلام مطالبان کا سردار بھی تھا اور بہت دولت مند، اور مطالبی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو مصر کے پہاڑوں میں خزانہ اور دفینہ ڈھونڈا کرتے ہیں، یہ لوگ اطرافِ مغرب دیارِ مصر اور شام سے آیا کرتے ہیں اور مصر کے پہاڑ اور پتھروں میں تکلیف اٹھاتے ہیں اور کھدائی میں مال خرچ کرتے ہیں، چنانچہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اور بہتروں کا زر کثیر صرف

ہوجاتا ہے، اور کچھ بھی نہیں ملتا ہے۔ (کہتے ہیں کہ اس علاقے میں فرعون کے خزانے مدفون ہیں) اور جب کسی کو خزانہ مل جاتا ہے تو اس کا پانچواں حصہ حکومت کے نذر کرتا ہے، اور باقی خود لے لیتا ہے۔ الغرض خلیفہ نے اس غلام کو بڑی شان و شوکت سے حلب بھیجا اور اس کو بارگاہ و خیمہ وغیرہ (جو لوازمۂ ملوک سے ہے) مرحمت فرمایا، چنانچہ یہ غلام حلب پہنچ کر معرکہ آرا ہوا اور مارا گیا۔ یہ غلام اس قدر دولتمند تھا کہ دو مہینے تک آہستہ آہستہ اس کا خزانہ منتقل ہو کر خزانہ شاہی میں آتا رہا، اور اس کے حرم سرا میں تین سو کنیزیں تھیں، جن میں اکثر حسینہ جمیلہ تھیں۔ اور بعض ان میں سے معتمد الدولہ کے شبستان عیش کے لیے مخصوص تھیں۔ خلیفہ نے ان کنیزوں کو مختار کر دیا تھا کہ جو چاہیں اپنا نکاح کر لیں، چنانچہ جن خاص کنیزوں نے نکاح منظور نہیں کیا، ان کو مع ان کے مال و اسباب کے آزاد کر دیا کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں۔ اور ان میں سے کسی کی نسبت نہ کوئی خاص حکم ہوا، نہ کسی قسم کا جبر کیا گیا۔ اس غلام کے قتل ہو جانے پر والی حلب ڈر گیا کہ اب خلیفہ اور فوجیں بھیجے گا، چنانچہ اس نے اپنے ہفت سالہ لڑکے اور بی بی کو تحف و ہدایا کے ساتھ دربار میں بھیج کر معذرت چاہی۔ یہ لوگ تقریبًا دو مہینے تک شہر کے باہر پڑے رہے، نہ اندر آنے کی اجازت ہوئی، اور نہ ان کے تحائف قبول ہوئے، لیکن جب شہر کے قضاۃ اور ائمہ سفارش لے کر دربار میں پہنچے، تب ان کا ہدیہ قبول ہوا، اور خلعت سے سرفراز ہو کر رخصت ہوئے

مصر میں باغ لگانے کا قاعدہ

مصر میں یہ عجیب بات ہے کہ جس فصل میں کوئی باغ لگانا چاہے لگا سکتا ہے۔ کیونکہ جس قسم کے درخت مطلوب ہوں ہر وقت (ذخیرہ سے) مل سکتے ہیں، اور شائق لگا سکتا ہے، خواہ پھل والے ہوں یا بغیر پھل کے ہوں۔ اور

اس کام کے لیے دلال مقرر ہیں جو فوراً فرمائش کی تعمیل کرتے ہیں، ان ذخائر کی یہ حالت ہے کہ درختوں کو گملوں میں لگا کر چھتوں پر رکھتے ہیں، اور اکثر مکانات کی چھتیں باغ ہوتی ہیں اور درخت اکثر ثمر دار ہوتے ہیں۔ مثلاً نارنگی، چکوترہ، انار، سیب بہی، اور پھولوں میں گلاب اور نازبو وغیرہ۔ اگر کوئی خریدار ہو تو مزدور ان گملوں کو لکڑیوں میں باندھ کر جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں، اگر چاہو تو ان گملوں کو زمین میں دبا دو اور جب چاہو زمین سے نکال لو۔ چنانچہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے، اور درختوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ طریقہ مصر کے سوا تمام دنیا میں نہ میں نے دیکھا اور نہ کسی سے سنا ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ یہ ایک لطیف طرزِ عمل ہے۔ اب میں واپسی وطن کا تذکرہ براہ مکہ معظمہ (خدا اس کو آفات سے محفوظ رکھے) کروں گا، اور مصر سے شروع کرتا ہوں۔

ناصر خسرو کی قاہرہ سے (۱۴ ذی الحجہ ۴۴۱ھ) روانگی براہ صعید الاعلیٰ

میں نے قاہرہ میں عید کی نماز پڑھی اور سہ شنبہ کو بتاریخ ۱۴ ذی الحجہ ۴۴۱ھ (اپریل ۱۰۵۰ء) جہاز میں سوار ہو کر براہ صعید الاعلیٰ روانہ ہو گیا۔ ملک مصر کا یہ جنوبی حصہ ہے اور اسی حصہ ملک سے مصر میں دریائے نیل کا پانی آتا ہے۔ اور یہ بھی (صعید الاعلیٰ) گویا مصر کا ایک صوبہ ہے، اور بیشتر مصر کی سرسبزی کا باعث یہی حصہ ہے۔ اس میں نیل کے کنارے کنارے دونوں جانب بکثرت شہر اور قریہ آباد ہیں۔ جس کی تشریح موجب طوالت ہے۔ قاہرہ سے چل کر اب میں اس شہر میں پہنچ گیا جس کو اسیوط کہتے ہیں، یہاں افیون پیدا ہوتی ہے، یہ خشخاش ہے جس کا بیج سیاہ ہوتا ہے، جب درخت بڑھ جاتا ہے اور اس میں ڈوڈی بندھ جاتی ہے تو نشتر دیتے ہیں، اس سے ایک قسم کا لعاب (لیسدار شیرہ) نکلتا ہے، اسے بحفاظت جمع کرتے ہیں، اور اسی کا نام افیون ہے۔ خشخاش کا دانہ مثل زیرہ کے بہت ہی چھوٹا

ہوتا ہے۔

اسیوط ۱۸۱ اسیوط میں بکریوں کی بالوں کی پگڑیاں بنتی ہیں جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہوتی۔ عجم میں جو باریک قسم کا صوف جاتا ہے، اور جسے مصری کہتے ہیں وہ سب صعید الاعلیٰ کا ہوتا ہے، کیونکہ مصر میں صوف نہیں بنا جاتا ہے۔ میں نے اسیوط میں ایک پٹکا دیکھا جس کی نظیر نہ لہاور (لاہور) میں دیکھی نہ ملتان میں۔ اور ظاہری شکل وصورت میں مثل ریشم کے معلوم ہوتا تھا۔

قوص ۱۸۲ اُسیوط سے میں شہر قوص میں داخل ہوا، یہاں پتھر کی ایسی بڑی عمارتیں دیکھیں کہ جس کو دیکھ کر ہر شخص تعجب کرتا ہے۔ یہ ایک پرانا شہر ہے جس کی فصیل پتھر کی تھی اور اس کی تمام عمارتیں بڑے بڑے پتھروں سے بنائی گئی تھیں، جن میں بعض پتھر وزن میں سات سو پچاس ۷۵۰ اور ایک ہزار ایک سو پچیس ۱۱۲۵ من ہوں گے، اور تعجب یہ ہے کہ دس پندرہ فرسنگ تک اطراف قوص میں نہ کوئی پہاڑ ہے اور نہ پتھر ہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ کہاں سے اور کیونکر لائے گئے ہیں۔

اخمیم ۱۸۳ قوص سے چل کر اخمیم میں آیا۔ یہ بہت آباد شہر ہے۔ اور بڑی مردم شماری ہے۔ یہاں ایک مضبوط قلعہ ہے، کھجوروں کے درخت اور باغات بکثرت ہیں۔ یہاں بیس ۲۰ روز ٹھیرا رہا، کیونکہ یہاں سے دو راستے جاتے تھے، ایک صحرائی راستہ تھا جس میں پانی نہ تھا۔ اور دوسرا دریائی راستہ تھا۔ میں متردد تھا کہ کس راستہ سے سفر کروں۔ آخر کار دریا کے راستہ سے روانہ ہوا

اسوان اور شہر اسوان میں پہنچا۔ اس شہر کے جنوب میں ایک پہاڑ ہے، جس کے دہانے سے دریائے نیل نکلتا ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ کشتی یہاں سے بلندی پر نہیں جا سکتی ہے کیونکہ نیل تنگ راستوں اور پہاڑی چٹانوں

سے نکلتا ہوا نیچے کی طرف آتا ہے۔

اسوان سے ولایت نوبیا کا راستہ

اسوان سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر ولایت نوبیا کا راستہ ہے، نوبیا کے تمام باشندے عیسائی ہیں، اور نوبیا کا بادشاہ سلطان کو ہمیشہ تحائف بھیجتا رہتا ہے، اور معاہدہ یہ ہے کہ نوبیا والوں پر فوج کشی نہ ہو، اور وہ نقصان سے محفوظ رہیں۔ شہر اسوان بہت مستحکم ہے تاکہ نوبیا سے اس پر فوج کشی نہ ہو سکے۔ چنانچہ شہر اور ملک کی حفاظت کے لیے یہاں ہمیشہ فوج رہتی ہے۔

جزیرہ

شہر کے سامنے (مابین اسوان و قاہرہ) ایک جزیرہ ہے جو باغ کے مانند ہے۔ اس میں کھجور کے باغات اور زیتون وغیرہ کے درخت ہیں، اور کاشت بہت ہوتی ہے۔ رہٹ سے آبپاشی کرتے ہیں، درختوں کی بھی افراط ہے۔ یہاں اکیس[۲۱] دن قیام رہا کیونکہ بحر قلزم تک دو سو[۲۰۰] فرسنگ کا ایک جنگل سامنے تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ حجاج (اونٹوں پر سوار ہو کر) واپس آ رہے تھے۔ چنانچہ میں بھی اس انتظار میں ٹھیرا ہوا تھا کہ اونٹ آ جائیں تو کرایہ کر کے روانہ ہو جاؤں۔"

قیام اسوان کے زمانہ میں میری ملاقات ایک شخص سے ہو گئی، جس کا نام ابو عبداللہ محمد بن فلیج تھا۔ یہ پارسا اور نیک بخت آدمی تھا، اور کسی قدر منطق جانتا تھا، اس شخص نے اونٹوں کے کرایہ کرنے اور ہم سفر تلاش کرنے میں میری مدد کی۔"

سیاحت کا چھٹا سال ۴۴۲ھ

چنانچہ ایک اونٹ ڈیڑھ دینار پر کرایہ کیا۔ اور پانچویں ربیع الاول ۴۴۲ھ (جولائی ۱۰۵۰ء) کو میں اسوان سے روانہ ہو گیا۔ اب میں مشرق و جنوب کی طرف سفر کر رہا تھا، جب آٹھ فرسنگ طے ہو گئے تو ایک منزل آ گئی جس کا نام ضیقہ تھا۔

ضیقہ

جنگل کی جانب دراصل یہ ایک درہ تھا جس کے دونوں طرف قدرت

نے پہاڑ کی دو دیواریں کھینچ دی تھیں، اور دیواروں کے اندر سو۱۰۰ ہاتھ کا چوڑا میدان تھا، اور اس میدان میں ایک کنواں کھودا ہے جس میں پانی کی افراط ہے لیکن بد مزہ۔ اس منزل سے چل کر پانچ دن تک برابر جنگل میں چلنا پڑتا ہے جس میں پانی میسر نہیں آتا ہے لہذا ہر شخص نے پانی کی ایک مشک بھر کر رکھ لی تھی، آگے چل کر ایک دوسری منزل پر پہنچے جس کو حوضش کہتے ہیں۔

حوضش یہ ایک پہاڑ ہے جس میں پانی کے دو جھرنے ہیں، اور ایک گڈھے میں پانی جمع ہوتا رہتا ہے، یہ میٹھا پانی تھا اور جھرنا اس قدر چوڑا ہے جس کے اندر آدمی جاکر اونٹ کے لیے پانی بھر لاتے ہیں۔ سات دن ہو گئے تھے کہ اونٹوں کو پانی اور چارہ نہیں ملا تھا، کیونکہ اس راستہ میں دراصل کچھ نہ تھا۔ دن رات میں صرف ایک بار یعنی دھوپ تیز ہونے سے ظہر تک ٹھیر جاتے تھے اور باقی وقت چلنے میں گزرتا تھا۔ یہ پڑاؤ جن پر قیام ہوتا تھا، سب کو معلوم تھے، کیونکہ ایسی جگہ نہیں ٹھیرتے تھے جہاں آگ جلانے کو (لکڑی وغیرہ) کچھ نہ مل سکے۔ البتہ جہاں اونٹ کی مینگنیاں ملتی تھیں وہاں اتر کر کچھ پکا لیتے تھے، اونٹ بھی ان منزلوں سے واقف تھے اور سمجھتے تھے کہ اگر چلنے میں ذرا بھی کاہلی کی گئی تو پیاس کے مارے مر جائیں گے۔ اور بغیر ہنکائے جنگل میں منہ اٹھائے بھاگے چلے جاتے تھے، حالانکہ سڑک اور پگڈنڈی کا نشان تک نہ تھا، مگر پورب کی طرف خود ہی چلے جاتے تھے۔ کسی جگہ پندرہ۱۵ فرسنگ پر تھوڑا کھاری پانی مل جاتا تھا، اور کبھی تیس۳۰ و چالیس۴۰ فرسنگ تک پانی نہیں ملتا تھا۔

عیذاب ۱۸۳ انیسویں ربیع اوّل ۴۴۲ھ کو شہر عیذاب میں پہنچے۔ اسوان سے عیذاب تک پندرہ دن میں آئے، اور تقریباً دو سو۲۰۰ فرسنگ

راستہ طے کیا (چالیس میل روزانہ) شہر عیذاب دریا کے کنارے واقع ہے، جمعہ مسجد بھی ہے پانسو کی مردم شماری ہے، اور خلیفہ مصر کا مقبوضہ ہے۔ حبش، زنجبار اور یمن سے جو کشتیاں آتی ہیں، ان کا محصول عیذاب میں وصول کیا جاتا ہے۔ اور یہاں سے اونٹوں پر مال لاد کر شہر اسوان تک اسی جنگل کے راستے سے لے جاتے ہیں جس طرف سے کہ ہم لوگ آئے ہیں۔ اور پھر اسوان سے کشتیوں کے ذریعے سے (براہ نیل) مال جاتا ہے۔

قوم بجاہان

شہر عیذاب کے دائیں ہاتھ پر جب قبلہ رو کھڑے ہوں، تو سامنے ایک پہاڑ نظر آتا ہے، جس کی پشت پر ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ جہاں گھاس بافراط ہے۔ اور ایک بڑی قوم آباد ہے، جس کو بجاہان کہتے ہیں۔ یہ لامذہب ہیں، کسی پیغمبر و پیشوا پر ایمان نہیں لاتے ہیں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ آباد شہروں سے منزلوں دور رہتے ہیں۔ ان کے مقبوضہ جنگل کا طول ایک ہزار فرسنگ سے زیادہ، اور عرض تین سو فرسنگ ہوگا۔ اور اس بُعد مسافت میں صرف دو چھوٹے شہر آباد ہیں، جن میں سے ایک کا نام بحر النعام اور دوسرے کا عیذاب ہے۔

علاقہ مصر و نوبیا کا ایک مشترکہ جنگل

طول میں یہ جنگل مصر سے حبشہ تک یعنی شمال سے جنوب تک چلا گیا ہے۔ اور عرض میں ولایت نوبیا سے بحر قلزم تک یعنی مغرب سے مشرق تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ جنگل تمام و کمال قوم بجاہان سے آباد ہے، یہ لوگ فطرۃً بُرے نہیں ہیں، چوری ڈکیتی بھی نہیں کرتے ہیں، اپنے مویشیوں میں اُلجھے رہتے ہیں۔ مسلمان وغیرہ ان کے بچوں کو چُرا لے جاتے ہیں اور اسلامی شہروں میں لے جا کر بیچ ڈالتے ہیں۔

بحر قلزم

دریائے قلزم۔ ایک خلیج ہے جو بحر محیط سے پھٹ کر بطور ایک شاخ

کے عدن تک چلی گئی ہی۔ اور جانب شمال شہر قلزم تک آئی ہی۔ بحر قلزم کے کنارے جو شہر آباد ہیں اُنھیں کے نام سے وہ پکارے جاتے ہیں مثلاً کہیں بحر قلزم، کہیں بحر عیذاب اور کسی جگہ بحر النعام۔ بحر قلزم میں تین سو سے زیادہ جزیرے بیان کیے جاتے ہیں۔ ان جزائر سے کشتیاں آتی ہیں جس میں روغن اور پنیر ہوتا ہی۔ کیونکہ اس علاقہ میں گائے، بکریاں بکثرت ہیں، کہتے ہیں کہ یہاں کے باشندے مسلمان ہیں۔ کوئی (نسلاً) مصری ہی کوئی یمنی۔

شہر عیذاب میں کنویں اور چشمہ کا پانی نہیں ہی، بلکہ صرف آب باراں پر گزر ہی۔ اور جب کبھی بارش نہیں ہوتی ہی تو بجی (بجاہان) پانی لاکر فروخت کرتے ہیں، میں تین مہینے تک یہاں رہا، ایک مشک پانی کبھی ایک درہم کو اور کبھی دو درہم کو خرید کیا کرتا تھا۔ اور روانگی کشتی کے انتظار میں یہاں ٹھیرا ہوا تھا۔ کیونکہ شمالی ہوا چل رہی تھی اور مجھ کو جنوبی ہوا کی ضرورت تھی۔ یہاں کے لوگوں نے دیکھتے ہی مجھ سے درخواست کی کہ آپ ہماری خطابت (نماز پڑھانا) کریں میں نے بھی اس میں کچھ مضائقہ نہ سمجھا، اور جتنے دن تک عیذاب میں رہا نماز پڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ روانگی کشتی کا زمانہ آگیا۔ اور کشتیاں شمال کو روانہ ہوگئیں۔ عیذاب سے چل کر میں جدّہ میں داخل ہوا۔ بیان کیا جاتا ہی کہ جیسا اصیل اونٹ یہاں کے جنگل میں پیدا ہوتا ہی، ویسا کہیں اور نہیں ہوتا۔ اور اسی نواح سے مصر و حجاز کو اونٹ لے جاتے ہیں۔

ماہی قرش کا بیان[۱۸۵]

عیذاب کے ایک شخص نے (جس پر مجھے اعتبار ہی) بیان کیا کہ ایک مرتبہ یہاں سے جہاز حجاز کو جارہا تھا، جس پر اونٹوں کا ایک گلہ امیر مکّہ کے لیے بھیجا گیا تھا، اور میں بھی اسی پر سوار تھا کہ ایک اونٹ مرگیا، خلاصیوں نے اس کو بحر قلزم میں پھینک دیا کہ

معاً ایک مچھلی پورا اونٹ نگل گئی۔ البتہ ایک پاؤں کا کچھ حصّہ مچھلی کے منہ سے باہر نکلا ہوا تھا کہ دوسری مچھلی آئی اور اس نے اس مچھلی کو بجنسہٖ نگل لیا اور کسی قسم کا اثر اس مچھلی پر نمایاں نہ ہوا۔ اس مچھلی کا نام قرش تھا۔ اسی شہر میں میں نے مچھلی کا ایک خول دیکھا، جس کو خراسان میں **شفق** کہتے ہیں۔ اور میں خراسان میں گمان کیا کرتا تھا کہ یہ ایک قسم کی سوسمار (گوہ) ہے، یہاں آکر دیکھا تو وہ مچھلی تھی اور اس میں مچھلی کے پَر موجود تھے۔

ناصر خسرو کا ایک فیاض دوست

جس زمانہ میں کہ میرا قیام اسوان میں تھا، میرا ایک دوست تھا ابو عبداللہ محمّد بن فلیج (جس کا اوّل تذکرہ ہو چکا ہے) چنانچہ جب میں عیذاب کو آنے لگا تو عبداللہ نے بنظرِ محبّت، اپنے وکیل کے نام، جو عیذاب میں رہتا تھا ایک خط لکھ دیا تھا کہ "ناصر جو مانگے اس کو دے کر رسید لیتے رہو، حساب میں مجرا کر دیا جائے گا"۔ عیذاب میں تین مہینے میرا قیام رہا اور جو کچھ تھا وہ خرچ ہو گیا تھا اس ضرورت سے وہ خط میں نے وکیل مذکور کو دے دیا، اس نے فیاضانہ طریقہ سے کہا کہ خدا کی قسم میرے پاس ابو عبداللہ کی بہت سی چیزیں ہیں، جو مطلوب ہو وہ پیش کر دوں آپ مجھے وہ خط دکھائیں، مجھے محمّد فلیج کے حسن سلوک سے بہت تعجب ہوا کہ بغیر ملاقاتِ سابقہ میرے ساتھ ایسا شریفانہ برتاؤ کیا، اگر میں چالاک ہوتا اور جائز رکھتا تو اس خط کے ذریعہ سے ایک بڑی رقم وصول کر لیتا۔ الغرض میں نے وکیل مذکور سے تین من اور تین سیر آٹا لے لیا، اور یہ مقدار یہاں ایک بڑی چیز سمجھی جاتی ہے، اور میں نے اس کی ایک رسید لکھ کر دے دی۔ اور وکیل نے میری رسید اسوان بھیج دی۔ چنانچہ میری روانگی سے پہلے محمد فلیج کا جواب آگیا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ "میری ملک سے جو کچھ ناصر طلب کرے

وہ اس کو دے دو، اور اگر تم اپنے پاس سے دو گے تو میں اس کا بھی معاوضہ کردوں گا"
امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ کا ارشاد ہے کہ المومن لا یکون محتشماً ولا مغتنماً (مومن نہ شاندار بنتا ہے نہ مال غنیمت جمع کرتا ہے) یہ تذکرہ میں نے اس لیے لکھ دیا ہے تاکہ ناظرین سمجھیں کہ لوگ ایک دوسرے کا اعتبار کرتے ہیں اور فیاضی ہر جگہ ہے۔ اور فیاض لوگ ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

(۹) بندرگاہ جدہ

جدہ[۱۸۶] بڑا شہر ہے اور اس کی فصیل مضبوط ہے، اور بحر قلزم کے کنارہ (شمالی جانب) آباد ہے، پانچ ہزار کی مردم شماری ہے۔ بازار خوبصورت ہیں، اور جامع مسجد کا قبلہ مشرق کی طرف ہے۔ شہر کے باہر کسی قسم کی عمارت نہیں ہے، صرف ایک مسجد ہے، جو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مشہور ہے۔ شہر میں دو دروازے ہیں، ایک جانب مشرق جو شہر مکہ کے رُخ پر ہے، اور دوسرا جانب مغرب جو بحر قلزم کی طرف ہے۔ اگر جدہ سے سمندر کے کنارے کنارے جنوب کی طرف بڑھیں تو یمن کے شہر صعدہ میں پہنچ جائیں، جس کا فاصلہ پچاس فرسنگ ہے اور اگر جانب شمال سفر کریں تو جا کے میں داخل ہوں، جو ملک حجاز کا شہر ہے۔ شہر جدہ میں نہ درخت ہیں نہ کھیتی ہوتی ہے، ضرورت کی تمام چیزیں دیہات سے آتی ہیں، جدہ سے مکہ معظمہ بارہ فرسنگ ہے۔ امیر جدہ والی مکہ کا غلام تھا، جس کو تاج المعانی بن ابی الفتوح کہتے تھے اور مدینہ طیبہ بھی والی مذکور کی حکومت میں تھا۔

میں امیر جدہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بنظر شفقت، امیر جدہ نے واجب الادا محصول مجھ سے نہیں لیا اور معاف کر دیا، جس وقت میں دروازہ مشرق سے نکلا ہوں اس وقت امیر مذکور نے مکہ معظمہ میں یہ اطلاع کر دی تھی کہ یہ شخص ایک فقیہہ ہے، اور اس سے کسی قسم کا محصول نہ لیا جائے۔

جمعہ کے دن نماز ظہر کے وقت میں جدہ سے (براہ مسلم دروازہ) روانہ ہو کر یک شنبہ کے دن آخیر تاریخ جمادی الآخر کو مکہ معظمہ میں پہنچ گیا، نواح حجاز دمین کے حاجی عمرہ کے لیے شروع رجب میں مکہ معظمہ پہنچ جاتے ہیں۔ یہ بڑے چہل پہل کا زمانہ ہوتا ہے، اور اسی دھوم دھام سے عید ہوتی ہے۔ چونکہ ان حجاج کا راستہ قریب کا ہے اور کسی قسم کی دشواری نہیں ہے لہذا حج کے زمانہ میں آتے ہیں اور سال میں تین مرتبہ آیا کرتے ہیں۔

صفت شہر مکہ معظمہ [۱۸۷]

ناصر خسرو کا چوتھا حج مکہ معظمہ کا جغرافیہ اور ارکان حج کا بیان

شہر مکہ پہاڑوں کے مابین آباد ہے اور بلند ہے، اور شہر کے کسی جانب جائیں، جب تک داخل مکہ نہ ہوں سواد شہر نظر نہیں آتا ہے اور سب سے اونچا پہاڑ مکہ کے متصل کوہ ابوقیس [۱۸۸] ہے۔ پہاڑ گنبد کی طرح گول ہے، اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر تیر پھینکیں تو چوٹی پر پہنچتا ہے، اور ابوقیس شہر کے مشرق میں ہے۔ چنانچہ دَی (جنوری) کے مہینہ میں جب مسجد الحرام میں کھڑے ہوں تو آفتاب اس پہاڑ کی چوٹی سے نکلتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے اوپر ایک پتھر کا ستون قایم ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نصب کردہ ہے۔ پہاڑ کے درمیان جو کھلا ہوا میدان ہے وہی شہر مکہ ہے جس کی وسعت [۱] دو تیروں کی رفتار سے زیادہ نہ ہوگی۔ مسجد الحرام اس کھلے ہوئے حصہ کے اندر ہے اور مسجد کے چاروں طرف شہر آباد ہے، جس میں گلیاں اور بازار ہیں۔

---

[۱] مصنف نزہت القلوب نے شہر مکہ کا دور دو ہزار قدم سے زیادہ لکھا ہے۔ جس کو ناصر خسرو نے دوسرے الفاظ میں سمجھایا ہے۔

جہاں کہیں پہاڑ میں درہ آگیا ہی اس کو فصیل کی دیوار بنا لیا ہی اور دروازہ لگا دیا ہی۔ شہر میں کہیں درخت کا پتہ نہیں ہی، البتہ جانب مغرب دروازہ مسجد الحرام پر جس کو باب ابراہیم کہتے ہیں، کنویں کے اوپر چند بلند اور پرانے درخت موجود ہیں۔

کوہ صفا ۱۸۹ع

مسجد الحرام سے جانب مشرق ایک بڑا بازار ہی جو جنوب سے شمال کی طرف چلا گیا ہی، اور بازار کے سرے پر جنوب کی طرف کوہ ابو قبیس ہی، اور اس کے دامن میں کوہ صفا ہی جس کی شان یہ ہی کہ دامن کوہ کو سیڑھیوں کی طرح بلند کیا ہی اور اس میں پتھر اس ترتیب سے نصب کیے گئے ہیں کہ اس پر لوگ چڑھ جاتے ہیں، اور وہاں بیٹھ کر دعا کرتے ہیں اور اسی کا نام ہی صفا مروہ پر سعی کرنا۔

کوہ مروہ ۱۹۰ع

بازار کے آخر میں شمال کی طرف کوہ مروہ ہی۔ یہ پہاڑ کسی قدر اونچا ہی، جس پر لوگوں نے بکثرت مکانات بنائے ہیں اور یہ وسط شہر ہی۔ اور اسی بازار میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک حاجی دوڑتے ہیں۔ جو حاجی دور سے عمرہ کے لیے آتے ہیں، وہ مکہ سے نصف فرسنگ پر جاتے ہیں جہاں نشانات میل قایم ہیں اور مسجدیں بھی ہیں وہاں سے عمرہ کے لیے احرام باندھتے ہیں۔

احرام عمرہ اور حج

احرام کے یہ معنی ہیں کہ سلے ہوئے کپڑے جسم سے اتار کر ایک تہمد باندھتے ہیں اور دوسرا تہمد یا چادر اوپر سے اوڑھ لیتے ہیں۔ اور بلند آواز سے کہتے ہیں کہ لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ (اے خدا میں تیری خدمت کے لیے حاضر ہوں) اور میقات سے مکہ کی طرف آتے ہیں۔ اور جو شخص مکہ میں موجود ہو اور عمرہ کرنا چاہے وہ میل مقررہ تک جاتا ہی

اور وہاں سے احرام باندھتا ہی اور لبیک کے نعرے لگاتا ہی، اور مکہ میں عمرہ کی نیت سے داخل ہوتا ہی۔ اور جب شہر میں آتا ہی تو اوّل مسجد الحرام میں جاتا ہی، اور خانہ کعبہ کے قریب جا کر داہنے ہاتھ کو گھوم جاتا ہی۔ چنانچہ اس وقت کعبہ کے بائیں ہاتھ پر ہوتا ہی اور اس رکن میں داخل ہوتا ہی جہاں حجر اسود نصب ہی (یعنی رکن عراقی) پھر حجر اسود کو بوسہ دے کر آگے بڑھ جاتا ہی، اسی طرح واپس آتا ہی اور حجر اسود کو بوسہ دیتا ہی، اب ایک طواف ختم ہوا۔ چنانچہ اسی طرح سات طواف کیے جاتے ہیں۔ اوّل تین مرتبہ تیزی سے، اور دوسری چار مرتبہ آہستہ سے دوڑنا چاہیے۔ اور ختم طواف کے بعد مقام ابراہیم (جو خانہ کعبہ کے برابر ہی) میں حاضر ہو کر اس کے پیچھے کھڑا ہو، اس طرح پر کہ مقام ابراہیم اب زائر اور کعبہ کے درمیان میں ہو، پھر دو رکعت نماز پڑھے، جس کو نماز طواف کہتے ہیں۔ پھر چاہ زم زم پر جا کر پانی پیے، یا چہرہ پر ملے۔ اور مسجد الحرام سے براہ باب الصفا نکل جائے، اور باب الصفا مسجد الحرام کے اس دروازہ کا نام ہی، جس سے نکلتے ہی کوہ صفا سامنے آجاتا ہی۔ پھر حاجی کوہ صفا کی سیڑھیوں پر چڑھ جاتا ہی، اور رو بہ قبلہ ہو کر دعا پڑھے۔ اور دُعا مقررہ ہی۔ اور دعا کے بعد نیچے اتر آئے، اور بازار میں ہو کر مروہ کی طرف چلا جائے، یعنی اب جنوب سے شمال کی طرف پھر جائے۔ اس بازار سے گزرتے وقت مسجد الحرام کے سامنے آتے ہیں۔ یہ وہ بازار ہی کہ جس میں خود رسول اللہ نے سعی کی ہی اور دوسروں کو سعی کی ہدایت فرمائی ہی، یہ صرف پچاس قدم ہیں۔

اس مقام کے دونوں طرف چار مینار ہیں، کوہ صفا کی جانب سے لوگ دو میناروں کے اندر دوڑتے ہوئے آتے ہیں، اور بازار کی طرف جہاں دوسرے دو مینار ہیں، درمیان سے دوڑتے ہوئے گزر جاتے ہیں، پھر کوہ مروہ

تک آہستہ آہستہ چلتے ہیں اور سیڑھیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور مقررہ دعا پڑھ کر واپس آتے ہیں۔ اور دوسری بار پھر اس بازار میں آتے ہیں، چنانچہ چار مرتبہ صفا سے مروہ پر اور تین بار مروہ سے صفا پر جاتے ہیں۔ اس طرح بازار سے سات مرتبہ گزرتے ہیں، جب مروہ سے نیچے اُترتے ہیں تو وہاں ایک بازار ہی اور سامنے ہی بیس دُکانیں ہیں جہاں بیٹھ کر حجام سر کے بال کاٹتے ہیں۔ جب عمرہ ختم ہو جاتا ہی اور حرم سے باہر آتے ہیں تو اس بڑے بازار میں جو جانب مشرق ہی داخل ہوتے ہیں، اس کا نام سوق العطارین ہی۔

اس بازار کی عمارتیں خوبصورت ہیں، جس میں عطاروں ہی کی دُکانیں ہیں۔ مکہ میں دو گرم حمام ہیں، جن کے فرش سنگ سبز کے ہیں، ان پتھروں کی سان بنائی جاتی ہی (سنگ فسان جس پر چاقو وغیرہ تیز کرتے ہیں) میرا قیاس ہی کہ مکہ معظمہ کے اندر شہری باشندے دو ہزار سے زیادہ نہیں ہیں، اور تقریباً پانسو مسافر اور مجاور ہوں گے۔

یہ قحط کا زمانہ تھا، اور ایک دینار مغربی میں چوبیس سیر گیہوں فروخت ہوتا تھا۔ بہت آدمی یہاں سے چلے گئے تھے۔ شہر مکہ میں بلاد خراسان، ماوراالنہر اور عراق وغیرہ کے لوگوں کے مکانات (رباط) موجود ہیں۔ لیکن اکثر شکستہ اور ویران تھے۔ خلفائے عباسیہ نے بکثرت خوبصورت عمارتیں بنائی ہیں لیکن اب ان میں سے بعض ویران ہو گئی ہیں اور بعض کی دیگر سلاطین نے مرمت کرادی ہی۔ مکہ معظمہ کے تمام چاہات کا پانی کھاری ہی، جس کو کوئی شخص پی نہیں سکتا ہی۔ البتہ بہت سے حوض اور پختہ تالاب موجود ہیں، جو دس ہزار دینار کی لاگت سے بنے ہوں گے۔ اور جب برسات کا پانی پہاڑی دروں سے بہ کر آتا ہی تو یہ بھر لیے جاتے ہیں۔ میرے قیام کے زمانہ میں یہ سب حوض و تالاب

خالی پڑے ہوئے تھے۔

ایک امیر عدن مسمی ابن شادول نے مکہ معظمہ میں ایک زمین دوز نہر (کاریز) تعمیر کی تھی، جس پر کثیر دولت صرف ہوئی تھی۔ عرفات میں اس نہر کے کنارہ کاشت ہوتی ہے اور اس جگہ نہر کو روک کر بند بنا لیا ہے جس پر خربزہ کے کھیت ہیں۔ بدیں وجہ مکہ معظمہ میں کمی پانی کی شکایت ہے۔ اور اس جگہ حوض بنے ہوئے ہیں، جس میں کاریز سے آکر پانی جمع ہوتا ہے، اور پھر اس میں سے بھشتی پانی بھرا کرتے ہیں۔ اور شہر میں لاکر فروخت کرتے ہیں۔ نصف فرسنگ چل کر راستہ میں ایک کنواں آتا ہے، جس کو بیر الزاہد کہتے ہیں، اس کا پانی میٹھا ہے، اس جگہ خوبصورت مسجد بھی ہے۔ اس کنویں سے بھی بھشتی پانی لاکر شہر میں فروخت کیا کرتے ہیں۔

مکہ معظمہ کی ہوا بہت گرم ہے، اور میں نے آخیر بہمن (فروری) میں تر و تازہ لکڑیاں، کھیرے اور بینگن دیکھے تھے۔

مکہ معظمہ میں اب چوتھی مرتبہ میرا آنا ہوا ہے، اور اس مرتبہ غرہ رجب ۴۴۲ھ سے ۲۰ ذی الحجہ تک قیام رہا۔ پندرہ فروردین (اپریل) کو بازار میں انگور آگئے تھے، جو دیہات سے شہر میں لاکر لوگ فروخت کر رہے تھے، اور اردی بہشت (مئی) کے شروع میں خربزہ بافراط آگیا تھا۔ اور نیز جاڑے میں تمام میوے ملتے ہیں، کبھی بازار خالی نہیں رہتا ہے۔

۱۰۔ ملکِ عرب اور ارض یمن[۱۹۱] کا بیان

حجاز اور یمن کا جغرافیہ مع دیگر حالات

مکہ معظمہ سے جب جنوب کی طرف سفر کریں تو ایک منزل کے بعد صوبہ یمن میں پہنچ جاتے ہیں اور بحر قلزم

کے کنارے کنارے کل یمن کا ملک ہے۔ یمن اور حجاز کی سرحد ملی ہوئی ہے اور ان دونوں ملکوں کی زبان عربی ہے۔ جغرافیہ کی اصطلاح میں، ارض یمن کو حمیر اور حجاز کو عرب کہتے ہیں۔ ان دونوں ملکوں کے تین طرف سمندر ہے اور یہ علاقہ مثل جزیرہ کے ہے، کیونکہ مشرق کی طرف دریائے بصرہ (شط العرب) اور مغرب میں بحر قلزم ہے (اول بیان ہو چکا ہے کہ بحر قلزم ایک خلیج ہے) اور جنوب میں بحر محیط ہے۔

اس جزیرہ (یمن و حجاز) کا طول کوفہ سے عدن تک شمالاً و جنوباً پانسو فرسنگ ہے۔ اور عرض عمان سے جار تک شرقاً غرباً چارسو فرسنگ۔ حجاز کا ملک (عربستان) کوفہ سے مکہ معظمہ تک ہے، اور زمین حمیر (یمن) مکہ معظمہ سے عدن تک ہے۔

عرب میں آبادی کم ہے۔ باشندے خانہ بدوش اور صحرائی ہیں، ان کا اثاث البیت مواشی، باربرداری کے جانور اور خیمے ڈیرے ہیں۔

ارض حمیر تین حصوں پر منقسم ہے، ایک حصہ کا نام تہامہ[۱۹۲] ہے۔ یہ حصہ در اصل بحر قلزم کا مغربی ساحل ہے، جس کے کنارہ بہت آباد شہر ہیں۔ مثلاً صعدہ[۱۹۳]، زبید[۱۹۴]، اور صنعا[۱۹۵] وغیرہ۔ یہ شہر جنگل کے رُخ پر آباد ہیں، اس صوبہ کا فرماں روا ابن شادول کا ایک حبشی غلام ہے۔ دوسرا حصہ یمن کا کوہستانی ہے جس کو نجد[۱۹۶] کہتے ہیں۔ یہ صحرائی علاقہ سرد سیر ہے، جس میں تنگ درے اور مضبوط قلعے ہیں۔ تیسرا حصہ مشرق کی طرف سے شروع ہوتا ہے، جس میں بکثرت شہر آباد ہیں مثلاً نجران عشر، بیشہ وغیرہ۔ اس حصہ میں بکثرت ناحیے واقع ہیں اور ہر ناحیہ ایک جداگانہ ملک ہے، جس کا رئیس بھی الگ ہوتا ہے اور یہ کل ملک کسی ایک مطلق العنان فرمانروا کے زیر حکومت نہیں ہے۔ سب خود سر قبائل ہیں۔ اور اکثر چور، ڈاکو اور راہزن ہیں۔ یہ علاقہ پیمائش میں دوسو اور ایک سو پچاس (۲۰۰×۱۵۰) فرسنگ ہے۔

میں یوم عید الصلیب میں یہ جشن منایا جاتا تھا اور خلیفہ کی سواری عین الشمس تک جاتی تھی۔ ۱۶ گز طغیانی ہونے پر منادی النیل تمام شہر میں گشت لگاکر بہ آواز بلند پکارتا تھا۔ "زاد اللہ الیوم کذا وکذا"۔ یعنی خدا نے آج رود نیل کو انچوں اور گزوں کے حساب سے اس قدر بڑھایا ہے۔

۱۷۳۔ جامع عمرو بن العاص قدیم مصر (فسطاط) میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو حصن بابل (قصر الشمع) کے قریب نیل کے شرقی کنارے پر تعمیر ہوئی ہے۔ اور فتح اسکندریہ کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے ۲۱ھ (۶۴۲ء) میں اس کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ سمت قبلہ کی تعیین میں اسی صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ مسجد کا طول ۵۰ گز اور عرض ۳۰ گز ہے۔ اور ۲۳۰ ستون ہیں جو کھنڈرات منف وغیرہ سے آئے تھے جو آیات قرآنی سنگ رخام پر منقش تھیں۔ قدیم طرز عمارت میں اب بہت فرق آگیا ہے۔ اس مسجد میں اب چھ دروازے ہیں۔ ۱۰۰۰۰ دس ہزار نمازی بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس مسجد کا نقشہ مسجد الحرام مکہ کے مطابق ہے۔

خلیفہ عبد العزیز اموی نے اپنے زمانہ گورنری میں از سر نو توسیع کی تھی جس پر عہد مامون الرشید میں عبد اللہ بن طاہر نے بہت کچھ اضافہ کیا۔ ۵۶۴ھ میں آگ سے جل کر برباد ہوگئی جس کی سلطان صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ تعمیر کی۔

۱۷۴۔ جزیرۂ مصر یا روضہ یہ جزیرہ فسطاط کا گویا ایک محلہ ہے، جو مشہور تفریح گاہ ہے۔ یہ وہ تاریخی مقام ہے جس جگہ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ٹوکرہ یا صندوق فرعون کی بی بی کو ملا تھا۔

۱۶۸ قاہرہ ملک مصر کا پایۂ تخت جو ۳۶۱ھ میں پورا تعمیر ہوا اور اب دُنیا کے سب سے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔

۱۶۹ تاسیس خلافت فاطمیہ و خلیفہ المعز لدین اللہ خلفائے فاطمیین مصر میں المعز لدین اللہ پہلا خلیفہ ہے ۳۴۱ھ سے ۳۶۵ھ تک حکومت کی۔

۱۷۰ قصر الکبیر جوہر رومی نے خلیفتہ المعز لدین اللہ کی سکونت کے لئے قاہرہ میں دو محل بنوائے تھے چنانچہ قصر الکبیر جس میں خلیفہ کی سکونت تھی، اُس میں ناصر خسرو کی صراحت کے مطابق دس دروازے تھے۔

سفرنامے میں بجائے باب قصر الشوک کے باب السر یہ درج ہے یہ کتابت کی غلطی ہے۔ یہ دسوں دروازے بیرونی کہلاتے تھے۔ اور سُرنگ کے راستے سے جانب شاہی خلیج (جس کا سالانہ جشن ہوتا تھا) جو اندرونی راستے تھے وہ جداگانہ تھے

علی پاشا مبارک نے جو مقریزی کا ذیل (الخطط الجدیدہ) لکھا ہے۔ اس میں جانب قبلہ باب الدیلم، اور "باب تربت زعفران" کا اور اضافہ کیا ہے۔

۱۷۱ جامع ازہر قاہرہ کی یہ پہلی مسجد ہے، جو قاید اعظم ابوالحسن جوہر رومی نے فتح فسطاط کے بعد تعمیر کی تھی۔ اسکو ابتدا میں جامع قاہرہ کہتے تھے۔

اس مسجد کا سنگ بنیاد بہ تاریخ سلخ جمادی الاولیٰ یوم شنبہ ۳۵۹ھ کو رکھا گیا۔ تھا۔ اور ۹ رمضان المبارک ۳۶۱ھ میں تعمیر مکمل ہو گئی تھی۔ اس میں پہلی نماز یوم جمعہ کو ادا ہوئی۔

۱۷۲ جشن وفاء النیل وفاء النیل کے حالات ناصر خسرو نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ لیکن مقدسی لکھتا ہے کہ خلافت فاطمیہ

مردم شماری اچھی ہے اور ہر نوع کی مخلوق ہے۔

۱۹۷ قصرِ غمدان قصر غمدان، یمن کے شہر صنعا میں ہے۔ اس محل کا اب ایک حصہ وسط شہر میں بطور ٹیلہ کے یادگار ہے۔ کہتے ہیں کہ اس محل کا مالک ساری دنیا کا بادشاہ تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس ٹیلے کے نیچے بکثرت خزانے ہیں، لیکن بادشاہ سے رعیت تک کوئی اس خزانہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتا ہے

عقیق صنعاء شہر صنعا میں عقیق نکالا جاتا ہے۔ یہ ایک پتھر ہے کہ جس کو پہاڑ سے تراشتے ہیں اور ان سنگ ریزوں کو ایک گرم توے میں ریت ڈال کر جلا دیتے ہیں۔ اور پھر ریت میں ڈال کر کچھ مدت تک سورج کی روشنی میں رکھتے ہیں، پھر چرخ پر چڑھا کر اس کو سڈول کرتے ہیں۔ میں نے مصر میں ایک تلوار دیکھی ہے جو یمن سے سلطان کے لیے آئی تھی۔ اس کا قبضہ و دستہ مثل یاقوت کے سراپا عقیق سرخ کا تھا۔

۱۱۔ مسجد الحرام اور خانہ کعبہ کا بیان

۱۹۸ مسجد الحرام میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ خانہ کعبہ مسجد الحرام کے صحن میں ہے اور مسجد الحرام شہر مکہ کے وسط میں۔ جس کا طول مشرق سے مغرب کو اور عرض شمال سے جنوب کی طرف ہے لیکن (بیرونی) دیوار مسجد زاویہ قائمہ نہیں بناتی ہے اور ارکان (ستون) کی ساخت اس قسم کی ہے کہ وہ گولائی کی طرف مائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو ہر طرف سے نمازیوں کا منہ خانہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔ باب ابراہیم علیہ السلام سے باب بنی ہاشم (موجودہ باب بنی شیبہ) تک مسجد کا طول بہت ہے، جس کی پیمائش چارسو چھبیس ہاتھ (تقریباً ۲۳۶ گز) ہے۔ اور عرض باب الندوہ (موجودہ

باب الزاویہ) سمت شمالی سے باب الصفا (سمت جنوبی) تک ہی۔ اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی تین سو چار ہاتھ (تقریبًا ۱۹۰ گز) ہی۔ اور مدور ہونے کی وجہ سے مسجد الحرام کہیں بہت تنگ اور کسی جگہ بہت کشادہ نظر آتی ہی۔ اور مسجد کے چاروں طرف تہرے دالان ہیں، جن کی چھت پٹی ہوئی ہو اور جس کو سنگ رخام کے ستون اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اور وسط عمارت بطور چوپڑ کے ہی۔ صحن مسجد (صدر عمارت) کی جانب طولاً پینتالیس[۴۵] محراب ہیں جن پر چھت قایم ہو اور عرض میں تیئیس[۲۳] محراب ہیں اور سنگ مرمر کے جملہ ستون ایک سو چوراسی[۱۸۴] ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ ستون خلفائے عباسیہ کے حکم سے بغداد سے براہ شام (فرات اور بحر الروم سے گزر کر) مکہ معظمہ میں آئے تھے۔ روایت ہی کہ جب یہ ستون مکہ میں پہنچ گئے تو وہ شکستہ رسیاں کہ جن سے کشتیاں اور چرخیاں بندھی ہوئی تھیں فروخت کردی گئیں تو ساٹھ ہزار مغربی دینار وصول ہوئے۔

ان ستونوں میں سے ایک باب الندوہ میں نصب ہی جو سنگ سرخ کا ہی کہتے ہیں کہ اس ستون کے وزن کے مطابق دینار تول کر قیمت دی گئی تھی اور اس کا وزن تقریبًا ایک سو بارہ[۱۱۲] من ہوگا۔

تفصیل ابواب مسجد الحرام

مسجد الحرام میں اٹھارہ[۱۸] دروازے ہیں اور سب محرابی ہیں۔ جو سنگ مرمر کے ستونوں پر قایم ہیں۔ اور کسی محراب میں ایسا دروازہ نہیں لگایا ہی جس کو کھول سکیں۔ جانب مشرق چار دروازے ہیں، گوشہ شمالی سے (پہلا دروازہ) باب النبی ہو جو تین محراب پر قایم ہی۔ اور اسی دیوار کے گوشہ جنوبی میں ایک دروازہ ہی وہ بھی

لے اس کل رقبہ میں اب بھی نماز ہوتی تھی۔ ناصر خسرو نے پیمائش میں لفظ ارش استعمال کیا ہی جو گز کے معنی میں ہی موجودہ ارش کی مقدار دس گرہ ہی۔ جس کو عرب عرشون کہتے ہیں۔

باب النبی سے موسوم ہے۔ ان دونوں دروازوں کا درمیانی فاصلہ سو ہاتھ سے زیادہ ہے۔ اس دروازے میں دو محراب ہیں، جب اس دروازہ سے برآمد ہو تو سامنے عطاروں کا بازار ہے، جس کی ایک گلی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دولتکدہ تھا۔ حضورؐ اسی دروازہ سے نماز کے لیے مسجد الحرام میں تشریف لاتے تھے۔ اور اسی دروازہ سے نکل کر مشرقی دیوار کی جانب باب علی علیہ السلام ہے۔ یہ وہ دروازہ ہے جس سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسجد میں ادائے نماز کے لیے آتے تھے۔ اس دروازہ کی تین محرابیں ہیں۔ جب اس دروازہ سے مسجد میں جاؤ تو مسجد کے گوشہ پر دوسرا مینارہ ہے جو سعی کے راستہ پر پڑتا ہے۔ اس مینارہ سے جو باب بنی ہاشم میں ہے دوڑنا چاہیے۔ اور یہ مینار بھی منجملہ ان چار میناروں کے ہے (جس کا ذکر سعی صفا مروہ میں ہو چکا ہے) جنوبی دیوار میں (کہ جو دراصل مسجد کا طول ہے) سات دروازے ہیں۔ پہلا دروازہ رکن کے قریب ہے جو نصف دائرہ کی صورت میں ہے، اس کو باب الدقاقین (باب بغلہ) کہتے ہیں۔ یہ دو محرابوں پر قایم ہے اور جب کسی قدر مغرب کی طرف چلیں تو ایک اور دروازہ دو محراب کا ملتا ہے جس کو باب الفسانین (باب پاشا) کہتے ہیں۔ ذرا اور آگے بڑھیں تو باب الصفا ملتا ہے۔ اس دروازہ کی پانچ محرابیں ہیں۔ اور ان میں وسطی محراب بہت بڑی ہے اور دو بغلی چھوٹی ہیں۔ اور رسول مقبولؐ اسی دروازہ سے ہو کر کوہ صفا کو تشریف لے گئے ہیں۔ اور وہاں آپ نے دعا فرمائی ہے۔ اس وسطی محراب کی دہلیز میں ایک بہت ہی سفید پتھر لگا ہوا ہے، یہ پہلے سیاہ رنگ کا تھا، جس پر رسولؐ نے اپنا قدم مبارک رکھا تھا۔ اور اس پتھر میں قدم مبارک کا نقش بن گیا ہے، اور صرف نشان قدم کو سنگ سیاہ سے تراش کر سنگ سفید میں وصل کر دیا ہے۔ چنانچہ پاؤں کی انگلیوں کے پوریں مسجد کے اندر

واقع ہوئی ہیں۔ بعض حاجی اس نشان قدم کا بوسہ لیتے ہیں۔ اور بعض تبرکاً اس پر پاؤں رکھتے ہیں، لیکن میں نے نقشِ قدم چومنے کو واجب سمجھا۔

باب الصفا سے جانب مغرب تھوڑی دور چل کر باب السطوی (باب[1] الرحمۃ و باب الجیاد) ہے جو دو محراب پر قایم ہے۔ اور تھوڑے فاصلہ پر باب التمارین (باب تکیہ مصری) ہے دو محراب پر۔ اور اس دروازہ سے آگے دو محراب پر باب المعامل (باب حمیدیہ) ہے۔ اور اس کے قریب ابوجہل کا مکان ہے۔ جہاں اس وقت پائخانہ ہے۔ اور مغربی دیوار میں جو در اصل مسجد کا عرض ہے، تین دروازے ہیں۔ چنانچہ پہلے جنوبی گوشہ میں باب عروہ (باب الوداع) ہے، جس میں دو محراب ہیں۔ اور اس ضلع کے وسط میں باب ابراہیم علیہ السلام ہے، جس میں تین محراب ہیں اور شمالی دیوار پر کہ جو مسجد کا طول ہے چار دروازے ہیں۔ چنانچہ مغربی گوشہ میں باب الوسیط (باب العمرہ) ہے، جس میں صرف ایک محراب ہے۔ اس دروازہ سے آگے بڑھ کر مشرق جانب باب العجلہ (باب باسطیسہ) ہے۔ یہ دروازہ بھی ایک محراب کا ہے۔ اس دروازہ کے آگے بڑھ کر ضلع شمالی وسط میں دو محراب پر باب الندوہ (باب الزیادہ) قایم ہے۔ اور ذرا اس سے آگے ایک محراب پر باب المشاورہ (باب قاضی) ہے۔ اور گوشہ مسجد الحرام پر پہنچ کر شمال و مشرق میں ایک دروازہ ہے جس کو باب بنی شیبہ کہتے ہیں۔

عمارت خانہ کعبہ خانہ کعبہ صحن مسجد الحرام کے درمیان میں ہے، جس کی شکل یہ ہے کہ عمارت مربع طولانی ہے، جس کا طول شمال سے جنوب کی طرف ہے۔ اور عرض مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔ چنانچہ طول تیس ہاتھ اور عرض سولہ ہاتھ ہے۔ اور خانہ کعبہ کا دروازہ مشرق کی طرف

[1] جو نام قوسین کے اندر ہیں وہ موجودہ زمانہ کے نام ہیں اور قدیم جگہ پر قایم ہیں۔

ہے۔ خانہ کعبہ کے اندر جانے پر رکن عراقی دلہنے ہاتھ پر پڑتا ہے۔ اور رکن حجر الاسود بائیں ہاتھ پر ہوتا ہے۔ اور رکن مغربی جنوبی کو رکن یمانی کہتے ہیں۔ اور رکن شمالی غربی کا نام رکن شامی ہے۔

حجر اسود حجر الاسود گوشۂ دیوار کے ایک بڑے پتھر میں نصب ہے۔ اور اس قدر بلند ہے کہ جب ایک قد آور آدمی اس کے سامنے کھڑا ہو تو سنگ اسود اس کے سینہ کے مقابل ہوگا۔ حجر اسود کا طول ایک ہاتھ چار انگل اور عرض آٹھ انگل ہے، اور شکل وصورت میں گول ہے۔ اور حجر اسود سے خانہ کعبہ کا دروازہ چار ہاتھ کے فاصلہ پر ہے۔

حجر اسود اور دروازہ خانہ کعبہ کے مابین جو جگہ ہے، اس کا نام ملتزم ہے۔ اور خانہ کعبہ کا دروازہ زمین سے چار ہاتھ بلند ہے۔ چنانچہ پورے قد کا آدمی زمین پر کھڑا ہو کر چوکھٹ تک پہنچتا ہے۔ لکڑی کی سیڑھی بنی ہوئی ہے، اور ضرورت کے وقت لوگ اس پر چڑھ کر خانہ کعبہ کے اندر جاتے ہیں۔ یہ سیڑھی اس قدر چوڑی ہے کہ دس آدمی برابر چڑھ اُتر سکتے ہیں۔ اور زمین خانہ کعبہ اسی مقدار سے بلند ہے۔ جو بیان کر دی گئی ہے۔

خانۂ کعبہ کے دروازہ کا بیان

خانۂ کعبہ کا دروازہ ساج کی لکڑی کا ہے، جس کے دو پٹ ہیں۔ اور ساڑھے چھ[1] ہاتھ بلند ہے، اور عرض ہر کواڑ کا پونے دو گز ہے۔ اس حساب سے دونوں پٹ ۳½ گز کے ہیں۔ دروازوں اور اس کے روکار پر کتابیں ہیں، اور چاندی پر بیل بوٹے بنا کر اس طرح منبت کاری کی گئی ہے کہ اوّل چاندی کو حل کر کے زمین

---

[1] چاندی کے پتر سے ڈھکا ہوا ہے اور تقریباً نو انچ کھلا ہوا ہے۔

بنای ہی، اور پھر اس پر طلائی حروف میں کتابت ہی، اور یہ آیت شریف اوّل سے آخر تک لکھی ہوئی ہی۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ الخ اور چاندی کے دو بڑے کڑے (جو غزنین سے آئے ہیں) ہر ایک پٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ (اور اس قدر اونچے ہیں) کہ کسی کا ہاتھ اس پر نہیں پہنچ سکتا ہی۔ اور اسی طرح چاندی کے دو چھوٹے کڑے اور ہیں، جو دونوں پٹوں پر لگے ہیں (اور یہ اس قدر نیچے ہیں) کہ وہاں تک ہر شخص کا ہاتھ پہنچ جاتا ہی۔ اور ایک بڑا قفل چاندی کا چھوٹے کڑوں میں لگا ہوا ہی، جس سے دروازہ بند کیا جاتا ہی، اور جب تک یہ قفل نہ کھولیں دروازہ نہیں کھلتا ہی۔

خانہ کعبہ کے اندرونی حصہ کا بیان

دیوار[1] کی چوڑائی (آثار) چھ بالشت (۱½ گز) ہی اور فرش سنگ مرمر کا ہی جو بالکل سفید ہی۔ اور تین چھوٹے خلوت کدے[2] ہیں جو مثل چبوترے کے ہیں، جن میں سے ایک دروازہ کے مقابل ہی اور دو جانب شمال ہیں۔ خانہ کعبہ میں اور نیز چھت کے نیچے جس قدر ستون ہیں وہ سب چوکور ترشے ہوئے چوب ساج کے ہیں۔ صرف ایک ستون گول ہی اور جانب شمال سنگ سرخ کا ایک بڑا تختہ نصب ہی، جس کو فرش زمین سمجھنا چاہیے۔

روایت ہی کہ رسول مقبولؐ نے اس پر نماز پڑھی ہی، اور جو شخص اس مقام کو پہچانتا ہی، وہ اس جگہ نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہی۔ خانہ کعبہ کی دیواروں پر رنگین سنگ مرمر کے تختے نصب ہیں اور مغربی جانب چھ محرابیں ہیں، جن پر چاندی کے

---

[1] نزہت القلوب میں خانہ کعبہ کی اندرونی مساحت چوالیس[۴۴] گز اور پشت کی جانب سے دیوار کا طول ستائیس[۲۷] گز لکھا ہی + [2] اندرزانیہ کے سوا اب کوئی عمارت باقی نہیں ہی۔

پتّر کیلوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان محرابوں کی اونچائی قدآدم ہی جن پر پُر تکلف سنہرا (چاندی کی زمین پر) کام ہی، یہ محرابیں سطح زمین سے بہت بلند ہیں اور کعبہ کی دیوار سطح زمین سے چار ہاتھ اونچی ہی، اور سب سے بلند دیوار چھت تک سنگ مرمر کی ہی۔ جس میں نقاشی کی گئی ہی۔ اور چاروں دیواروں کا بڑا حصہ طلا کار ہی، جس کے اندر تین خلوت کدے ہیں (جس کا تذکرہ ہو چکا ہی) چنانچہ ایک رکن عراقی میں ہی اور ایک رکن شامی میں، اور ایک رکن یمانی میں، اور ہر گوشہ میں لکڑی کے دو تختے چاندی کی کیلوں سے دیواروں میں جڑے ہیں۔ یہ تختے نوح علیہ السلام کی کشتی کے ہیں، ہر تختہ کا طول پانچ گز اور عرض ایک گز ہی۔ جو خلوت کدہ حجر اسود کے عقب میں واقع ہی اس میں دیبائے سرخ کا فرش ہی۔ جب خانہ کعبہ کے دروازہ سے باہر نکلیں تو داہنے ہاتھ پر ایک زاویہ میں چوپڑ ہی، جو عرضاً وطولاً تین گز ہی۔ اور وہاں زینہ ہی، جس پر سے خانہ کعبہ کی چھت کا راستہ ہی۔ یہاں ایک منزل پر نقرئی دروازہ قایم ہی اس کو باب الرحمۃ (باب التوبہ) کہتے ہیں۔ اور چاندی کا قفل دروازہ پر لگا رہتا ہی۔ جب کوٹھے پر چڑھیں تو ایک دوسرا پست دروازہ ہی، اور زینہ کے دروازہ کی طرح اس پر بھی چاندی کے پتّر ہیں۔ خانہ کعبہ کی چھت لکڑی سے پٹی ہوئی ہی۔ اور دیبا کی چھت گیری لگی ہوئی ہی۔ جس کی وجہ سے کی لکڑیاں (دھنی یا میال) نظر نہیں آتی ہیں۔ اور خانہ کعبہ کے سامنے والی دیوار پر (کارنس کے قریب ایک زرّین چوکھٹا جڑا ہوا ہی جس میں سلطان مصر کا نام لکھا ہوا ہی۔ جس نے مکہ معظمہ کو خلفائے عباسیہ کے قبضہ سے نکالا تھا (یہ واقعہ سنہ ۳۷۰ھ م سنہ ۹۸۰ع کا ہی۔ اس سلطان کا نام[۱] العزیز لدین اللہ (اور اس کا دوسرا نام العزیز باللہ ہی) اور چار بڑے بڑے نقرئی چوکھٹے اور بھی مسلسل دیوار خانہ کعبہ پر چاندی کی کیلوں سے جڑے ہوئے ہیں اور ہر ایک پر خلفائے مصر کا نام لکھا ہوا

---

[۱] صحیح نام المعز الدین اللہ ہی۔

ہے۔ جنھوں نے اپنے عہد حکومت میں یہ چوکھٹے بھیجے تھے۔

ستونوں کے درمیان میں چاندی کی تین قندیلیں آویزاں ہیں اور خانہ کعبہ کی پشت (دیوار) رخام یمانی کی ہے۔ جو بلور کی طرح چمکتی ہے۔ اور چھت کے ہر چہار گوشہ میں روشندان ہیں۔ اور ہر ایک پر کانچ کے شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ جس میں سے روشنی چھن کر آتی ہے اور بارش کا پانی بھی نہیں آتا ہے۔

خانہ کعبہ کی چھت پر جانب شمال عین وسط میں پرنالہ لگا یا ہے۔ یہ پرنالہ تین گز لانبا ہے۔ جس پر سونے کا ملمع ہے۔

غلاف کعبہ سفید رنگ کا تھا۔ اور دو جگہ نقاشی تھی۔ اور یہ کام ایک گز عرض میں بنایا گیا تھا، اور دونوں طرازوں (منقش کام) کے مابین اوپر نیچے تقریباً دس گز کا فاصلہ تھا۔ چنانچہ ان طرازوں کی وجہ سے خانہ کعبہ کی بلندی تین حصّوں پر تقسیم ہو جاتی ہے۔ یعنی ہر حصّہ تقریباً دس گز کا ہے۔ اور غلاف کے چاروں طرف رنگین محراب کے نشانات بُناوٹ میں ہیں جو سونے کے تاروں سے بُنے گئے ہیں، اور جن میں نقاشی کی گئی ہے۔ ہر دیوار میں تین محراب ہیں چنانچہ وسطی محراب بڑی ہے اور بغلی چھوٹی ہیں۔ اس طرح چاروں دیواروں پر بارہ محرابیں قایم ہیں۔ اور اسی مکان کے جانب شمال یعنی خانہ کعبہ کے باہر ایک دیوار ڈیڑھ گز کی ہے۔ جس کے دونوں سرے ارکان خانہ کعبہ تک چلے گئے ہیں یہ دیوار قوس نما یعنی نصف دائرہ کی صورت میں ہے۔ جس کا فاصلہ دیوار خانہ کعبہ سے پندرہ گز ہے۔ چنانچہ یہ دیوار اور یہاں کی زمین رنگین اور منقش سنگ مرمر کی ہے اور اس جگہ کا نام حجر ہے۔

حجر خانہ کعبہ کی چھت سے پرنالہ کا پانی اسی حجر میں گرتا ہے۔ پرنا کے نیچے سنگ سبز کا محراب نما ایک پتھر تراش کر رکھ دیا ہے جس پر پانی گرتا ہے۔

اور یہ پتھر اس قدر بڑا ہی، جس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

مقام ابراہیم مقام[1] ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ سے مشرق جانب ہی۔ یہ ایک پتھر ہی۔ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں، چنانچہ اس کو ایک دوسرے پتھر میں تراش کر وصل کر دیا ہی جس پر ایک چوکور لکڑی کا خوبصورت غلاف چڑھا ہوا ہی جو بلندی میں قد آدم ہی۔ جس کے چاروں گوشوں پر چاندی کی کلسیاں بنی ہوئی ہیں، غلاف کو دو طرف سے زنجیروں میں اٹکا کر بڑے پتھروں سے باندھ دیا ہی، اور دوہرے تالے لگے ہوئے ہیں۔ تاکہ اس پر کسی کا ہاتھ نہ پہنچے، مقام ابراہیم اور خانہ کعبہ میں بیس ہاتھ کا فاصلہ ہی۔

چاہِ زمزم کا بیان[2]

چاہ زمزم اور اس کی عمارت چاہِ زمزم خانۂ کعبہ سے جانب مشرق، اور حجر اسود کے گوشہ پر ہی زمزم اور خانہ کعبہ کے درمیان چھیالیس ہاتھ کا فاصلہ ہی۔ زمزم کا محیط ساڑھے تین گز مربع ہی، اور پانی میں کھاری[3] پن ہی، لیکن پی سکتے ہیں۔ زمزم کے چاروں طرف سنگ مرمر کا جنگلہ (کٹھرہ) لگا دیا ہی، جس کی اونچائی دو ہاتھ ہی، اور زمزم کے چاروں طرف حوض بنا دیے ہیں جس میں پانی جمع ہوتا ہی اور لوگ وضو کرتے ہیں۔ چاہ زمزم کے دہانے پر جالی دار لکڑی کا چوکھٹا جڑا ہوا ہی۔ چنانچہ جس قدر پانی گرتا

---

[1] اب ایک حجرے کے اندر ہی۔ جس کے باہر ایک در کا چھوٹا سا دالان ہی اور یہی مصلّے شافعی ہی جس کو امام شافعی نے باتباع حضرت عمر مصلّے قرار دیا تھا۔ اور اسی مقام پر آیت واتخذ و مقام ابراھیم مصلی نازل ہوئی تھی۔

[2] نزہت القلوب میں لکھا ہی کہ چاہِ زمزم کا عمق چالیس گز اور اس کا دہانہ گیارہ گز تھا، اور چوبساج کا قبہ تھا۔

[3] اس کا مزہ مختلف اوقات میں بدلتا رہتا ہی۔

ہے وہ کنوئیں کے اندر چلا جاتا ہے۔

زمزم کی عمارت کا دروازہ مشرق جانب ہے۔

سقایۃ الحاج اس عمارت کے برابر جانب مشرق ایک مربع عمارت اور ہے۔ جس پر گنبد (قبہ) ہے اور اس کا نام سقایۃ الحاج ہے۔ اس مکان کے اندر پانی کے مٹکے رکھے ہوئے ہیں، جس سے حجاج پانی پیتے ہیں۔

اور اس سقایۃ الحاج کے مشرق کی طرف ایک دوسرے طولانی عمارت ہے۔ جس پر تین گنبد ہیں۔

خزانۃ الزیت اس کا نام خزانۃ الزیت (روغن زیتون کا گودام) ہے۔ جس کے اندر شمعیں روغنِ زیتون اور قندیلیں رکھی رہتی ہیں۔ خانہ کعبہ کے چاروں طرف ستون قایم ہیں، اور دو دو ستونوں پر لکڑی کے پٹاؤ رکھے ہوئے ہیں جن پر پُرتکلف نقش و نگار ہیں، جس میں کنڈے اور کانٹے (ہُک) جڑے ہوئے ہیں، تاکہ رات کو ان کے اندر شمع اور چراغ روشن کیے جائیں۔ اور اس میں قندیلیں لٹکاتے ہیں اور اس نورانی سلسلہ کا نام مشاعل ہے۔ خانہ کعبہ کی دیوار سے مشاعل مذکور کا فاصلہ ڈیڑھ سو گز ہے اور یہی محل طواف ہے۔ مسجد الحرام کے صحن میں خانہ کعبہ کے علاوہ تین عمارتیں ہیں۔ ایک عمارت زمزم، دوسرا سقایۃ الحاج اور تیسرا خزانۃ الزیت ہے۔

اور مسجد الحرام کے اطراف میں جو سائبان ہے، اس کے نیچے دیوار سے متصل بلادِ مغرب، مصر، شام و روم، عراقین، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ کے مساکین کے لیے) صندوق (گولک) رکھے ہیں۔

امیر مکہ کا محل مکہ معظمہ سے جانب شمال چار فرسنگ کے فاصلہ پر ایک

ناحیہ ہے جس کو برقہ کہتے ہیں، امیر مکہ کی یہاں سکونت ہے، اور اسی جگہ امیر کی فوج بھی رہتی ہے۔ برقہ میں نہر اور باغات ہیں، اور یہ ناحیہ دو فرسنگ طولانی ہے اور اسی قدر عرض بھی ہے۔

میں اس سال ابتدائے رجب سے مکہ معظمہ میں مجاور تھا۔ اور مکہ والوں کا دستور ہے کہ رجب کے مہینے میں روزانہ سورج نکلتے ہی خانہ کعبہ کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

خانہ کعبہ کے دروازہ کھولنے کا بیان

متولیان خانہ کعبہ خانہ کعبہ کا کلید بردار عربوں کا ایک قبیلہ بنی شیبہ ہے۔ جو خانہ کعبہ کے متولی ہیں۔ خلیفہ مصر کی جانب سے ان متولیوں کو تنخواہ اور خلعت ملا کرتا ہے۔

افتتاح دروازہ کا بیان اس قبیلہ کا ایک سردار ہے، جس کے پاس کنجی رہتی ہے۔ جب وہ دروازہ کھولنے آتا ہے، تو پانچ چھ آدمی اس کے ہمراہ ہوتے ہیں، یہ لوگ جب دروازہ پر پہنچتے ہیں، تو دس حاجی اس سیڑھی کو اٹھا کر لاتے ہیں (جس کا ذکر کر چکا ہوں) اور دروازہ کے سامنے کھڑی کر دیتے ہیں، اور وہ بوڑھا سردار اس پر چڑھ کر دہلیز پر کھڑا ہوتا ہے، اور دو شخص اور بھی اس کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ اور دیبائے زرد کی چادر کھولتے ہیں، جس کا ایک سرا ایک آدمی کے ہاتھ میں اور دوسرا سرا دوسرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور اس بوڑھے سردار کو (بطور پردہ) چادر میں چھپا لیتے ہیں تاکہ وہ قفل کھولے، چنانچہ وہ قفل کھولتا ہے، اور قفل کو کڑوں سے نکالتا ہے، اس وقت حاجیوں کا ایک گروہ دروازہ پر جمع رہتا ہے، اور دروازہ کھلتے ہی

وہ ہاتھ اٹھاکر (بلند آواز سے) دعا مانگتے ہیں۔ اور جو لوگ شہر میں ہوتے ہیں وہ حاجیوں کی آواز سن کر سمجھ لیتے ہیں کہ حرم کا دروازہ کھل گیا، اب بالاتفاق حجاج اونچی آواز سے دعا مانگتے ہیں، اور اس کی آواز سے مکّہ گونج اٹھتا ہے۔ اور وہ بوڑھا سردار حرم میں داخل ہوتا ہے، اور وہ دو آدمی اسی طرح پردہ کیے کھڑے رہتے ہیں، اور وہ بوڑھا دو رکعت نماز پڑھ کر حرم سے واپس آتا ہے، اور خانہ کعبہ کے دروازہ (دونوں پٹ) کھول دیتا ہے، اور آستانہ پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتا ہے، اور بلند آواز سے رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام اور ان کے اہل بیت پر درود کا ہدیہ بھیجتا ہے۔ بعد ازاں وہ بوڑھا اور اس کے ہمراہی دروازہ کے دونوں طرف کھڑے ہو جاتے ہیں، اور حاجی اندر آنا شروع ہوتے ہیں۔ اور حرم میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد واپس ہوتے ہیں، اور یہ سلسلہ دوپہر تک قایم رہتا ہے۔ جب خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں تو منہ دروازہ کی طرف ہوتا ہے، اور دوسری طرف بھی منہ کرنا جائز ہے، مگر یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ خانہ کعبہ بھر چکا ہو اور دوسروں کے لیے گنجایش نہ ہو۔ میں نے شمار کیا تو اس وقت سات سو بیس[ا] حاجی تھے۔

یمن کے قافلے حج کو آتے ہیں

یمنی اور ہندی کی نسلی مشابہت

عموماً یمنی ہندوؤں کی طرح لنگی باندھتے ہیں، اور سر کے بال کاندھوں پر پڑے رہتے ہیں، اور داڑھیاں بڑھی ہوئی ہوتی ہیں، اور ہندوؤں کی طرح قطیف[ب] کا بنا ہوا کٹار کمر میں لگائے رہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہنود کا مرز بوم (اصلی وطن) یمن ہے۔ اور کتارہ (کٹار) کو معرب کر کے قتالہ کرلیا ہے۔ شعبان، رمضان اور شوال

میں بھی دوشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ کو خانہ کعبہ کا دروازہ کھولتے ہیں اور جب ذیقعدہ کا مہینہ شروع ہو جاتا ہے، تو پھر دروازہ نہیں کھلتا۔

عُمرۂ جعرانہ[۲۰۷]

جعرانہ مکہ معظمہ سے چار فرسنگ پر، جانب شمال ایک مقام ہے جس کو جعرانہ کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ رسول مقبول جعرانہ میں مع فوج کے مقیم تھے کہ سولھویں ذیقعدہ کو آپ احرام باندھ کر مکہ میں تشریف لائے، اور عمرہ کیا۔ جعرانہ میں دو کنویں موجود ہیں۔ ایک کو بیر الرسول اور دوسرے کو بیر علی (صلوات اللہ علیہما) کہتے ہیں، دونوں کا پانی بہت ہی میٹھا ہے۔ اور دونوں میں دس گز کا فاصلہ ہے۔ اس قدیم سنت کو لوگ برتتے ہیں، اور اس موسم میں عمرہ کرتے ہیں۔ ان کنووں کے پاس ایک پہاڑی ہے، جس کے پتھروں میں گڑھے پڑ گئے ہیں، اور ان کی صورت پیالہ نما ہے، روایت ہے کہ رسول مقبول نے اپنے ہاتھ سے ان گڑھوں میں آٹا گوندھا ہے چنانچہ جو حاجی یہاں آتے ہیں وہ بھی ان گڑھوں میں چاہات مذکور سے پانی لے کر آٹا گوندھتے ہیں، یہاں لکڑی کی افراط ہے، چنانچہ حاجی لکڑیاں توڑ کر روٹی پکاتے ہیں، اور تبرکاً ملکوں ملکوں لے جاتے ہیں۔

اور اسی جگہ ایک دوسری پہاڑی ہے، جس پر حضرت بلالِ حبشی نے کھڑے ہو کر اذان دی تھی۔ چنانچہ حاجی بھی اسی جگہ اذان دیا کرتے ہیں۔ فی زمانناً ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہزار سے زیادہ اونٹوں کی عماریاں نظر آتی تھیں، معمولی اونٹوں کا کیا شمار ہے۔

مصر سے مکہ معظمہ تک جس راستہ سے اس مرتبہ میں آیا ہوں اس کا فاصلہ تین سو فرسنگ تھا، اور مکہ سے یمن بارہ فرسنگ ہے۔

میدان عرفات اور جبل الرحمۃ

عرفات کا میدان[۲۰۳] پہاڑیوں کے اندر ایک پشتہ کے مانند ہے۔ جس کا طول دو فرسنگ اور عرض دو فرسنگ ہے اس میدان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ ایک مسجد ہے، چنانچہ اینٹ کا ٹوٹا پھوٹا منبر ہنوز باقی ہے۔ جب ظہر کی نماز کا وقت آتا ہے تو خطیب منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھتا ہے، پھر اذان ہوتی ہے، اور دو رکعت نماز جماعت سے مسافروں کی طرح پڑھتے ہیں، پھر سب مل کر تکبیر کہتے ہیں، اور دو رکعت نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد خطیب اونٹ پر سوار ہوتا ہے، اور سب مشرق کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں، ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے، جس کو جبل الرحمۃ کہتے ہیں، وہاں کھڑے ہو کر دعا مانگتے ہیں، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے۔

ابن شادول مذکور نے جو امیر عدن تھا، بصرف کثیر ایک پہاڑ سے (جو یہاں سے فاصلہ پر ہے) نہر نکال کر عرفات کے میدان میں لے گیا ہے، اور یہاں حوض بنائے ہیں جو حج کے زمانہ میں پانی سے لبریز کر دیے جاتے ہیں کہ حاجیوں کو پانی کی تکلیف نہ ہو۔ اور نیز ابن شادول نے جبل الرحمۃ پر چار بڑی محراب بنائی ہیں، جس کے گنبد پر قیام عرفات کے دنوں میں چراغ اور شمعیں روشن کی جاتی ہیں، جس کی روشنی دو فرسنگ سے نظر آتی ہے۔ ایسا مشہور ہے کہ امیر مکہ نے ایک ہزار دینار لے کر تعمیر کی اجازت دی تھی۔

ناصر خسرو کا چوتھا حج سنہ ۴۴۲ھ

نویں ذی الحجہ سنہ ۴۴۲ھ کو (توفیق الٰہی سے) میں نے چوتھا حج کیا۔ اور غروب آفتاب کے بعد حجاج اور خطیب عرفات سے چل کر) ایک فرسنگ کے فاصلہ پر مشعر الحرام میں آکر ٹھیرے جس کو مزدلفہ[۲۰۴] کہتے ہیں۔ اس مقام پر ایک خوبصورت عمارت مقصورہ کی

طرح بنائی ہے جہاں حاجی نماز پڑھتے ہیں اور منیٰ میں جو کنکریاں پھینکتے ہیں وہ اسی جگہ سے اٹھاتے ہیں۔

منیٰ اور مسجد خیف دستور یہ ہے کہ عید کی رات کو مزدلفہ میں ٹھیرتے ہیں اور یہاں صبح کی نماز پڑھتے ہیں، اور سورج نکلتے ہی منیٰ چلے جاتے ہیں، اور اسی جگہ حاجی قربانی کرتے ہیں۔ منیٰ میں ایک بڑی مسجد ہے جس کو مسجد خیف کہتے ہیں۔ اس دن خطبہ اور عید کی نماز پڑھنے کا دستور نہیں ہے۔ اور نہ اس پر رسول اللہ صلعم نے عمل فرمایا ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں ٹھیرتے ہیں اور کنکریاں پھینکتے ہیں، جس کی تفصیل مناسک حج میں بیان کی گئی ہے۔ بارھویں تاریخ کو جس کا دل چاہے وہ منیٰ سے اپنے مقام کو واپس جائے، اور جس کو مکہ جانا ہو وہ مکہ چلا جائے۔ چنانچہ حج سے فارغ ہو کر میں خانہ کعبہ سے رخصت ہوا اور ایک بدوی کا اونٹ لحسا تک کرایہ کیا۔ مکہ معظمہ سے لحسا تک بیان کرتے ہیں کہ تیرہ یوم میں پہنچتے ہیں۔

۱۲۔ مکہ معظمہ سے ناصر خسرو کی روانگی اور ملک یمن کا سفر

جمعہ کے دن انیسویں ذی الحجہ ۴۴۲ھ (مطابق خرداد) کو مکہ معظمہ سے چل کر سات فرسنگ کے فاصلہ پر ایک مرغزار ملا، یہاں سے کوہستانی سلسلہ شروع ہوا، جب میں اس پہاڑی راستہ سے چلا، تو سامنے جنگل تھا جس میں آبادی بھی تھی، اور ایک کنواں ملا جو بیر الحسن بن سلامۃ کے نام سے مشہور تھا۔ ہوا سرد تھی، اور راستہ مشرق کو جا رہا تھا، چنانچہ دوشنبہ کے دن بائیسویں ذی الحجہ کو میں شہر طائف میں پہنچا، جس کی مسافت مکہ سے بارہ فرسنگ تھی۔

طائف[۲۰۵] طائف ایک ناحیہ ہے، جو پہاڑ پر آباد ہے، خرداد (جون) کے

مہینہ میں اس قدر سردی تھی کہ لوگ دھوپ میں بیٹھتے تھے، اور مکہ معظمہ میں خربوزہ بافراط تھا۔ قصبہ طائفؔ ایک چھوٹا سا شہر ہے، جس کا قلعہ مستحکم ہے، ایک مختصر سا بازار بھی ہے، اور معمولی سی مسجد بھی۔ پانی کے چشمے ہیں، انار اور انجیر کے درخت بافراط ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مزار شہر کے قریب ہے۔ خلفائے عباسیہ نے اس جگہ ایک بڑی مسجد تعمیر کی ہے، جس کے ایک گوشہ میں مزار کو شامل کر لیا ہے۔ اور اس کے دائیں ہاتھ پر محراب و منبر ہے۔ مسجد کے قریب لوگوں نے مکانات بنا کر سکونت اختیار کی ہے۔

اب ہم طائف سے روانہ ہوئے، راستے میں پہاڑ اور کھنڈرات نظر آئے، دوران سفر میں ہر جگہ چھوٹی چھوٹی گڑھیاں اور مزارعے ملتے رہے، کھنڈرات میں ایک چھوٹا سا ویران قلعہ مجھے دکھایا گیا، بدویوں نے کہا کہ یہ لیلیٰ کا مکان تھا، اور ان کا قصہ عجیب ہے۔

ناحیہ ثریا اور قلعہ مطار

یہاں سے ہم ایک قلعہ میں پہنچے جس کو مطار کہتے ہیں۔ یہ مقام طائف سے بارہ فرسنگ ہے۔ مطار سے ناحیہ ثریا میں آئے، یہاں کھجوروں کے باغات تھے، اور کھیتوں میں ذریعہ رہٹ چاہات سے پانی دے رہے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس ناحیہ میں کوئی حاکم اور سلطان نہیں ہے، بلکہ ہر جگہ اسی قبیلہ کا ایک سردار ہے، مگر یہ سب چور و ڈاکو ہیں، ہر روز آپس میں لڑا کرتے ہیں۔ طائف سے اس منزل تک ۲۵ پچیس فرسنگ قیاس کرتے ہیں۔

حصن بنی نسیر اور قلعہ جزع

ثریا سے چل کر قلعہ جزع ملا، نصف فرسنگ میں چار قلعے تھے، ان میں سے جو سب سے بڑا قلعہ تھا، اور جس میں ہم ٹھیرے تھے، اس قلعہ کا نام حصن بنی نسیر تھا۔ کھجور کے

درخت کم تھے۔ اور ہم نے جس بدو کا اونٹ کرایہ کیا تھا، اس کا مکان جزع میں تھا۔ چنانچہ پندرہ دن تک یہاں ٹھیرنا پڑا، کیونکہ کوئی راہ نما موجود نہ تھا جو دوسری منزل تک پہنچائے، اس علاقہ میں عرب کے ہر قبیلے کی ایک جداگانہ چراگاہ، (بیڑ) ہے، اور کوئی بیگانہ اس علاقہ میں نہیں جا سکتا ہے، کیونکہ جس کو بلا راہ نما کے پا جاتے ہیں اس کو گرفتار کرکے کپڑے تک اتار لیتے ہیں۔ لہذا ہر قوم کی طرف سے ایک بدرقہ مقرر ہے جو مسافر کو اپنی حد تک پہنچاتا ہے۔ (خضیر، بدرقہ اور قلاؤز کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی راہ نما) آیندہ منزل میں اعراب بنی سواد کا علاقہ آنے والا تھا چنانچہ اتفاق سے اس قبیلہ کا ایک سردار جزع میں آگیا، ہم نے اس کو بدرقہ میں لے لیا۔

ناصر خسرو کی سیاحت کا ساتواں سال محرم ۴۴۲ھ

اس سردار کا نام ابو غانم عبس بن البعیر تھا، چنانچہ ہم ابن البعیر (اونٹ کا بچہ) کے ہمراہ روانہ ہوئے ایک گروہ ہماری طرف لپکا، اور سمجھے کہ اچھا شکار ہاتھ لگا، کیونکہ یہ قبائل ہر بیگانہ شخص کو صید (شکار) کہتے ہیں۔ چونکہ ان کا سردار ہمارے ہمراہ تھا، اس وجہ سے کوئی شخص نہ بولا، ورنہ یہ ہم کو قتل ہی کر ڈالتے۔ غرضکہ اس قبیلہ میں چند روز ٹھیرنا پڑا، کیونکہ اگلی منزل کے لیے بدرقہ نہ تھا، چنانچہ اس منزل سے دس دس دینار کے معاوضہ پر دو راہ نما ہمراہ لیے (تاکہ وہ دوسرے قبیلہ تک پہنچا دیں۔) ان ہی قبایل میں ایک قبیلہ تھا جس کے ہفتاد سالہ بڈھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ تمام عمر میں اونٹ کے دودھ کے سوا ہم نے کچھ نہیں کھایا ہے، کیوں کہ ان جنگلوں میں کچھ پیدا ہی نہیں ہوتا ہے البتہ ایک کڑوی کسیلی گھانس ہوتی ہے، جس کو اونٹ کھاتا ہے، ان بدیوں کا خیال تھا کہ ساری دنیا ایسی ہی ہوگی۔ الغرض میں قبیلہ قبیلہ گھومتا پھرا، اور

ہر جگہ جان کا خطرہ تھا، لیکن یہ محض خدائے پاک کی مرضی تھی کہ ہم لوگ ان منزلوں سے صحیح وسلامت نکل آئے۔

ہرمایا سرباکے آثار قدیمہ

اب ہم ایسے کھنڈرات میں پہنچے جس کو ہرما کہتے تھے، گنبد کی طرح پہاڑیاں تھیں کہ میں نے ویسی کسی ملک میں نہیں دیکھیں، اور اس کی اونچائی اس قدر تھی کہ تیر پہنچ سکے، اور بیضۂ مرغ کی طرح چمکدار، ہموار، اور سخت تھیں، جس میں کوئی شگاف بھی نہ تھا۔ اس منزل سے آگے بڑھے، ہمارے ساتھی جب سوسمار (گوہ) دیکھتے تھے تو مار کر کھا جاتے تھے۔ اور جہاں عربوں کی آبادی ہوتی تھی وہاں اونٹنی کا دودھ دوہتے تھے، میں نہ سوسمار کا گوشت کھاتا تھا اور نہ یہ دودھ پیتا تھا، راستہ میں جہاں کوئی پھل دار درخت ملتا (جس کے پھل اُڑد کے برابر تھے) اس کے چند پھل توڑ کر رکھ لیتا، اور اسی پر قناعت کرتا تھا۔ چنانچہ بڑی مصیبت اور تکلیف کے بعد تیئیس ۲۳ صفر کو فلج میں پہنچا، مکہ معظمہ سے یہاں تک ایک سو اسّی فرسنگ کی مسافت تھی۔

فلج ۲۰۶

وسط جنگل میں ہر کسی زمانہ میں بڑا ناحیہ تھا، لیکن اب تعصب کے ہاتھوں برباد ہو رہا ہے، جب میں یہاں آیا ہوں تو آباد تھا، جس کا طول ڈیڑھ میل اور عرض ایک میل تھا۔ اور اس رقبہ کے اندر چودہ قلعے تھے، یہاں کے باشندے چور مفسد اور جاہل ہیں، یہ چودہ قلعے دو حصوں پر تقسیم تھے، کیونکہ ان قبائل میں ہمیشہ سے پھوٹ اور دشمنی چلی آتی تھی، اور ان کا قول تھا کہ ہم لوگ اصحابِ کہف کی نسل سے ہیں۔ جن کا خدانے کلام مجید میں تذکرہ کیا ہے۔ اس جگہ چار کاریزیں تھیں، جن سے نخلستان میں پانی جاتا تھا ان کی کھیتیاں بلندی پر تھیں۔ اور کھیتوں کی آبپاشی کا بڑا ذریعہ چاہات ہیں

اونٹوں سے ہل جوتتے تھے، کیونکہ میں نے اس نواح میں کہیں بیل نہیں دیکھے کاشت کی مقدار قلیل تھی، ایک آدمی کی روزانہ اُجرت دس سیر غلہ ہے، اور یہی ان کی خوراک ہے، نماز مغرب سے دوسری نماز مغرب تک رمضان المبارک کی طرح کچھ نہیں کھاتے ہیں، صرف دن میں کھجوریں کھا لیتے ہیں۔ اس علاقہ کی کھجور بصرہ وغیرہ کے مقابلہ میں بہت اچھی ہیں۔ یہاں کے آدمی مفلس ہیں اور بدنصیب کیونکہ باوجود افلاس کے آئے دن لڑتے ہیں اور خونریزیاں کرتے ہیں۔ یہاں ایک خاص قسم کی کھجور پیدا ہوتی ہے، جس کا نام میدون ہے۔ اس کا وزن دس درہم کے برابر ہوتا ہے اور گٹھلی کا وزن تقریباً ڈیڑھ دانگ، بیان کیا جاتا ہے کہ اگر بیس سال تک یہ کھجوریں رکھی رہیں تو خراب نہیں ہوتی ہیں۔

فلج والوں کا لین دین نیشا پوری روپیہ سے تھا، فلج میں میرا قیام چار مہینے رہا، مگر ایسی حالت میں کہ جس سے زیادہ سخت مصیبت نہیں ہو سکتی ہے، کتابوں کی دو خرجیوں کے سوا میرے پاس ایک کوڑی بھی نہ تھی اور یہ اعراب (بدوی) ننگے بھوکے اور جاہل تھے، جب نماز پڑھنے آتے تو تلوار و سپر باندھ کر آتے تھے، اور کتابوں کے خریدار نہ تھے۔ میں ایک مسجد میں مقیم تھا اور میرے پاس کسی قدر لاجورد اور شنجرف موجود تھا، چنانچہ میں نے دیوارِ مسجد پر اس رنگ سے ایک بیت لکھا اور اس کے اندر بیل بوٹے بنائے جس کو دیکھ کر یہ بدوی حیرت زدہ رہ گئے اور سب قلعے والے جمع ہو کر دیکھنے آئے اور مجھ سے درخواست کی کہ اگر اس مسجد کی محراب میں ایسی ہی گل کاری کردو تو سو من کھجوریں نذر کریں گے۔ اور یہ مقدار ان کے نزدیک بڑی مالیت تھی اس لیے کہ میرے قیام کے زمانہ میں عرب سے یہاں ایک فوج آئی تھی اور سپاہی ان سے پانسو من کھجوریں مانگتے تھے، مگر انھوں نے نہ دیں اور آمادۂ جنگ ہو گئے۔ چنانچہ قلعے کے دس آدمی

مارے گئے اور عربوں نے ایک ہزار نخل کاٹ ڈالے، لیکن اس پر بھی انھوں نے دس من کھجوریں نہ دیں۔ جب مجھ سے معاہدہ ہوگیا تو میں نے اس محراب کو نقش و نگار سے آراستہ کردیا اور ان سو من کھجوروں سے میری حاجت روائی ہوگئی کیونکہ میں تو زندگی سے مایوس ہو رہا تھا اور فلج میں کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا اور اس کا تو وہم و گمان بھی نہیں کرسکتا تھا کہ کبھی اس جنگل سے رہائی نصیب ہوگی کیونکہ اس مقام سے چاروں طرف جب تک دو سو فرسنگ کا خوفناک اور مہلک جنگل طے نہ کیا جائے، کسی آبادی کی صورت نظر نہیں آسکتی تھی۔ میں نے چار مہینے میں کسی جگہ پانچ من گیہوں کا انبار نہیں دیکھا، آخر کار ایک قافلہ شہر یمامہ سے آیا جو ادیم (خوشبودار چمڑہ) خرید کرتا ہے اور یہ ادیم خرید کر لحسا کو لے جاتے ہیں۔ اور پھر یمن سے فلج میں لاتے ہیں اور سوداگروں کے ہاتھ بیچتے ہیں۔ ایک عرب مجھے بصرہ لے جانے پر آمادہ تھا، لیکن میرے پاس کچھ نہ تھا جو کرایہ میں ادا کرتا۔ اور یہاں سے بصرہ دو سو فرسنگ کے فاصلہ پر تھا اور اونٹ کا معمولی کرایہ ایک دینار تھا حالانکہ ایک اچھا اونٹ دو تین دینار میں فروخت ہوتا تھا، مگر چونکہ میرے پاس نقدی نہ تھی بلکہ معاملہ ادھار پر تھا، اس لیے مجھ سے کہا جاتا تھا کہ تیس دینار ادا کرو تو بصرہ پہنچا دیں۔ میں نے مجبوراً منظور کیا، کیونکہ میں نے کبھی بصرہ دیکھا بھی نہ تھا۔ معاہدہ کے بعد عربوں نے کتابوں کی خرجیاں اونٹ پر لادیں۔ اور میرے بھائی (خواجہ ابوسعید) کو سوار کرلیا اور میں پیادہ ساتھ ہولیا اور بنات النعش کے مطلع کی طرف روانہ ہوئے، زمین ہموار تھی۔ پہاڑ اور ٹیلے نہ تھے، جہاں زمین بہت سخت تھی، وہاں برسات کا پانی جمع تھا۔ اور دن رات چلتے تھے کہیں راستہ کا نشان نظر نہ آتا تھا، لیکن تعجب[1] ہے کہ صرف بانسلی کی آواز پر دن رات

---

[1] اصل جملہ یہ ہے "شب و روز میرفتند کہ ہیچ جا اثرِ راہ پدید نبود اِلّا بر سماع میرفتند" سماع سے بدویوں کی حُدی خوانی مراد ہے۔

بغیر راستہ و نشان کے یہ اونٹ بھاگے چلے جاتے تھے، ناگاہ ایک کنوئیں پر پہنچے جس میں پانی تھا۔ الغرض چار شبانہ روز میں یمامہ پہنچے۔

یمامہ ۲۰۲ یمامہ میں ایک بڑا اور پرانا قلعہ تھا، اور قلعہ کے باہر شہر اور بازار ہے، جس میں ہر قسم کے دستکار موجود تھے۔ اور جامع مسجد خوبصورت ہے۔ اس ملک کے امیر قدیم زمانہ سے علوی چلے آتے ہیں اور کسی غیر نے اس علاقہ پر قبضہ نہیں کیا ہے، کیونکہ اس ناحیہ کے قریب کوئی دوسرا زبردست سلطان و بادشاہ نہیں ہے۔ ان علوی امیروں کی بھی ایک شان و شوکت ہے۔ جلو میں تین چار سو سوار نکلتے ہیں، اور ان کا مذہب زیدی ہے۔ اقامت میں یہ الفاظ کہتے ہیں "محمد و علی خیر البشر وحی علی خیر العمل"۔

یمامہ سادات کی بستی ہے، کاریزوں سے پانی بہتا رہتا ہے۔ اور نخلستان ہیں جس سال کھجوروں کی فصل اچھی ہوتی ہے، تو ایک دینار میں سینتس من تک بک جاتی ہیں۔ یمامہ سے لحسا چالیس فرسنگ شمار کرتے ہیں۔ سفر کے لیے موسم سرما مناسب ہے، کیونکہ برساتی پانی جا بجا ملتا ہے، جس کو پی سکتے ہیں اور گرمیوں میں پانی نہیں ملتا ہے۔

شہر لحسا ۲۰۳

لحسا شہر لحسا جنگل کے کنارے آباد ہے، کیونکہ جس طرف سے جانا چاہو ایک بڑا جنگل طے کرنا پڑے گا۔ اور لحسا سے قریب تر اسلامی شہر جس میں سلطان رہتا ہے وہ بصرہ ہے۔ لحسا سے بصرہ کا فاصلہ ایک سو پچاس فرسنگ ہے اور بصرہ کے کسی سلطان نے کبھی لحسا پر فوج کشی کا خیال نہیں کیا ہے۔

شہر لحسا کی تعریف

ابو سعید قرمطی فرمانروائے لحسا کے حالات اور متفرق واقعات

لحسا ایک ایسا مقام ہو کہ جس میں شہر اور دیہات کی شان پائی جاتی ہو اور اس میں ایک قلعہ بھی ہو، شہر کے چاروں طرف مٹی کی چار مضبوط فصیلیں ہیں، جو یکے بعد دیگرے واقع ہیں فصیل کی دونوں دیواروں کے مابین تقریبًا ایک ایک فرسنگ کا فاصلہ ہو، شہر میں پانی کے بڑے چشمے ہیں جن میں تقریبًا پانچ پانچ چکیاں چل سکتی ہیں، ان چشموں کے پانی سے کام لیا جاتا ہو اور پانی فصیل کے باہر نہیں جاتا ہو۔

قلعہ کے درمیان بڑا شہر آباد ہو جس میں بڑے شہروں کی طرح تمام چیزیں میسّر آتی ہیں اور بیس ہزار سے زیادہ فوج رہتی ہو۔

روایت ہو کہ لحسا کا سلطان سید تھا، لیکن اس نے لوگوں کو مذہب اسلام سے منحرف کر دیا تھا اور اعلان کر دیا تھا کہ میں نے تم پر سے روزہ نماز اُٹھا دیا۔ صرف میری ذات تمھارے لیے مرجع و مآب ہو، اس سلطان کا نام ابوسعید تھا۔ جب شہر والوں سے پوچھو کہ تمھارا مذہب کیا ہو، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم بوسعیدی ہیں۔

یہ لوگ نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ روزہ رکھتے ہیں۔ لیکن آنحضرتؐ کی رسالت کے قائل ہیں۔ ابوسعید نے ان لوگوں کو یہ سمجھا دیا ہو کہ مرنے کے بعد ایک مرتبہ میں پھر تمھارے پاس آؤں گا۔ ابوسعید کی قبر لحسا میں ہو اور اس کا مقبرہ شاندار بنایا ہو، اور یہ اپنے بیٹوں کو وصیت کر گیا ہو کہ میری اولا دمیں سے ہمیشہ چھ مل کر حکومت کرتے رہیں اور رعایا کی عدل و انصاف سے حفاظت کریں اور باہم

اتحاد رکھیں (یہاں تک کہ میں دوبارہ واپس آؤں)۔

ان فرمانرواؤں کا ایک بڑا محل ہی اور وہی ان کا دارالحکومت ہی جس میں ایک تخت بچھا ہوا ہی جس پر چھوٴ حکمران مل کر بیٹھتے ہیں اور اتفاق رائے سے فیصلہ کرتے ہیں، اور ان کے وزیر بھی چھوٴ ہیں۔ چنانچہ یہ چھوٴ فرمانروا ایک تخت پر بیٹھ کر اجلاس کرتے ہیں، اور وزرا دوسرے تخت پر بیٹھتے ہیں اور جملہ امور باہمی مشورہ سے طی کرتے ہیں۔ فرمانروائے لحسا کے اس وقت زر خرید بیس ہزار غلام زنگی اور حبشی ہیں جو کھیتی اور باغبانی کا کام کرتے ہیں۔ اور رعایا سے بطریق عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) بھی کچھ نہیں لیا جاتا۔ اگر رعایا میں سے کوئی محتاج یا مقروض ہو جائے تو اس کی کفالت کرتے ہیں جس سے اس کی حالت سنبھل جاتی ہی۔ اگر کوئی کسی کا قرضدار ہوتا ہی تو اصل رقم سے زیادہ نہیں لیتے ہیں۔ اگر کوئی مسافران کے شہر میں آئے اور وہ دستکار ہو تو کام چلانے کے لیے اس کو سرمایہ دیتے ہیں تاکہ وہ ضروری سامان متعلقہ خرید سکے اور کامیابی پر اصل روپیہ واپس کردے۔ اگر کوئی شخص جو صاحب جائداد و املاک ہو اور اس کا کاروبار بگڑ جائے اور دوبارہ کام نہ چلا سکے تو یہ بادشاہ اپنے غلاموں کو نامزد کردیتے ہیں کہ یہ جا کر ان کا کام کریں اور بگڑے ہوئے کاموں کو درست کریں۔ اور اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا ہی۔ لحسا میں سرکاری چکیاں ہیں جن میں رعایا کا آٹا مفت پستا ہی اور چکیوں کی مرمت اور ملازموں کی تنخواہ خزانۂ شاہی سے ادا ہوتی ہی۔ یہ سلاطین سادات اور ان کے وزرا شائرہ[1] (مشورہ دہندہ

---

[1] باب مفاعلہ سے مشاورۃ کا فاعل ستائر غلط ہی بلکہ شتیر ہونا چاہیے۔ قال ابوسعید فلان وزیر فلان وشیرہ ای مشاورۃ (ج شوراء کشعراء) تاج العروس شرح قاموس جلد ۳ صفحہ ۳۲۰ مطبوعہ مصر۔

یا ممبرانِ کونسل) کہلاتے ہیں۔

لحسا میں جامع مسجد نہیں ہے، نہ نماز ہوتی ہے، نہ خطبہ ہوتا ہے، لیکن ایک عجمی نے جس کا نام علی بن احمد ہے یہاں ایک مسجد بنوائی ہے۔ یہ ایک دولتمند مسلمان حاجی ہے اور جو حاجی اس شہر میں آتے ہیں، یہی شخص ان کی خدمت کرتا ہے۔

لحسا میں لین دین سیسہ سے ہوتا ہے اور سیسہ تھیلیوں میں رہتا ہے اور ہر تھیلی میں چھ ہزار درہم کی مقدار میں سیسہ ہوتا ہے۔ معاملہ کے وقت بجنسہٖ تھیلیاں گن کر دیتے ہیں اور نقدی کو تھیلوں سے نہیں نکالتے ہیں۔ (سیسہ کے ٹکڑے بصورت درہم ہوں گے)۔

لحسا میں کمربند (پٹکے) عمدہ بُنے جاتے ہیں جو بصرہ اور دوسرے شہروں میں جاتے ہیں۔

اگر کوئی نماز پڑھے تو اس کو منع بھی نہیں کرتے ہیں۔ لیکن خود نہیں پڑھتے ہیں۔ جب سلطان دربار کرتا ہے تو وہ ہر شخص کے سوال کا معقول جواب دیتا ہے اور اخلاق سے پیش آتا ہے، شراب کبھی نہیں پیتا ہے۔

شبانہ روز ایک گھوڑا زین کسا ہوا اور طوق و باگ ڈور سے تیار ابوسعید[۲۰۴] کی قبر پر کھڑا رہتا ہے تاکہ جس وقت ابوسعید قبر سے اُٹھے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ روایت ہے کہ ابوسعید نے اپنی اولاد سے یہ بھی وصیت کی ہے کہ "جب میں دوبارہ تم میں واپس آؤں اور تم مجھ کو پہچان نہ سکو تو میری شناخت یہ ہے کہ میری ہی تلوار سے سر اُڑا دو۔ اگر میں ہوں گا تو اسی وقت زندہ ہو جاؤں گا۔" اور یہ قاعدہ اس لیے مقرر کر دیا ہے کہ کوئی ابوسعید ہونے کا مدعی نہ ہو۔

سلاطین لحسا میں سے کسی نے خلافت عباسیہ کے زمانہ میں مکہ معظمہ پر فوج کشی کر کے قبضہ کر لیا تھا۔ اور عین طواف کے وقت حجاج کو قتل کر دیا تھا۔

اور حجر آسود کو رکن سے نکال کر لحسا لے گئے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ یہ پتھر لوگوں کے حق میں مقناطیس ہی جو تمام عالم کو اپنی طرف کھینچتا ہی۔ لیکن انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ کشش نبوت اور عظمت رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی جو اپنی طرف کھینچتی ہی، ورنہ حجر آسود تو ایک زمانۂ دراز سے موجود ہی اور کوئی بھی وہاں نہ جاتا تھا۔ آخر مجبور ہو کر حجر اسود ان لوگوں سے خرید کر مکہ معظمہ لے گئے۔ (اور اپنی جگہ پر نصب کیا گیا۔) (یہ واقعہ تاریخوں میں تفصیل سے درج ہی)۔

لحسا میں تمام حیوانات کا گوشت فروخت کرتے ہیں۔ مثلاً بلی، کتا، گدھا، بیل، بکری، وغیرہ۔ اور ان جانوروں کا سر اور چمڑہ گوشت کے قریب ہی رکھ دیتے ہیں تاکہ خریدار سمجھ لے کہ اُسے کس جانور کا گوشت خرید کرنا ہی۔ اس شہر میں کھلا پلا کر کُتّے کو اس قدر فربہ کرتے ہیں کہ وہ چری ہوئی بکری کی طرح ہو جاتا ہی اور موٹاپے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتا، پھر اس کو ذبح کر کے کھا جاتے ہیں۔

جزیرہ بحرین

لحسا سے جانب مشرق سات فرسنگ پر خلیج فارس ہی، اگر اس راستہ سے جائیں تو اوّل بحرین آتا ہی، یہ ایک جزیرہ ہی جس کا طول پندرہ فرسنگ ہی، اور بڑا شہر ہی، کھجور کے باغات بہت ہیں۔ اور اس سمندر سے موتی نکلتے ہیں۔ غوطہ خور جس قدر موتی نکالتے ہیں اس کا نصف حصہ سلاطین لحسا کا حق ہی۔

خلیج عُمّان[۲۰۵]

اور اگر لحسا سے جنوب کی طرف چلیں تو عُمّان ملتا ہی۔ یہ دریا (خلیج عمان) عرب کی زمین پر بہتا ہی جس کے تین طرف جنگل اور خشکی ہی اور ناقابلِ گزر ہی، ولایت عمّان اسّی فرسنگ مربع ہی، اور گرم سیر علاقہ ہی۔ اس ملک میں جوز ہندی جس کو نارجیل کہتے ہیں پیدا ہوتا ہی۔ اگر عمان سے مشرق کی طرف براہ خلیج فارس جائیں تو کیش (جزیرۂ قیس) اور مکران کے علاقہ

میں پہنچ جائیں - اور اگر جنوب کی طرف جائیں تو عدن پہنچیں - اور اگر دوسری طرف (جانب شمال) جائیں تو فارس میں داخل ہوں. لحسا میں اس کثرت سے کھجوریں پیدا ہوتی ہیں کہ مویشیوں کو کھلا کر موٹا کرتے ہیں، اور کبھی یہ افراط ہوتی ہے کہ ستیس من ایک دینار کو بکتی ہیں -

اگر لحسا سے شمال کی طرف جائیں تو سات فرسنگ پر ایک ناحیہ ہے جس کو **قطیف** کہتے ہیں - اور یہ بھی ایک بڑا شہر ہے جس میں نخلستان بکثرت ہیں -

عرب کے کسی فرمانروا نے لحسا پر فوج کشی کی تھی چنانچہ اس نے منجملہ چار فصیلوں کے ایک پر قبضہ کر لیا تھا - اور ایک سال تک محاصرہ کیے پڑا بھی رہا اور بڑا حصہ شہر کا بتاہ بھی کر دیا - مگر کچھ ہاتھ نہ لگا - اور جب مجھ سے ملاقات ہوئی تو دریافت کیا (بروئے علم نجوم) کہ میں لحسا کو فتح کر لوں گا یا نہیں - کیونکہ یہاں کے باشندے کافر ہیں، میں نے مصلحت وقت کے مطابق جواب دے دیا، میرے نزدیک بدوی بھی لامذہبی میں لحسا والوں کے قریب قریب ہیں، چنانچہ بعض ایسے ہیں جو سال میں ایک مرتبہ بھی ہاتھ نہیں دھوتے ہیں - میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ میرا ذاتی تجربہ ہے، جھوٹی باتیں نہیں ہیں - کیونکہ متفرق طور پر نہیں بلکہ نو۹ مہینے تک مسلسل ان لوگوں میں رہا ہوں - میں اونٹ کا دودھ نہیں پی سکتا تھا - بدیں وجہ جہاں کہیں پینے کو پانی مانگتا تھا، وہاں یہ لوگ دودھ پیش کرتے تھے جب میں نہ لیتا اور پانی ہی مانگتا تو جواب دیتے کہ "جہاں پانی دیکھو وہاں مانگو، کیونکہ پانی تو ایسے شخص کے گھر میں ملے گا کہ جہاں پانی کا وجود ہو" - انھوں نے تمام عمر میں حمام اور پانی کے چشمے کبھی نہیں دیکھے تھے -

۱۴ - ناصر خسرو یمامہ سے بصرہ جاتا ہے	اب پھر میں نفس مطلب پر آتا ہوں، یمامہ سے جب میں بصرہ روانہ ہوا تو کسی منزل پر پانی ملتا تھا اور

کہیں نہ ملتا تھا۔ آخر کار بیسویں[۲۰۵] شعبان ۴۴۳ھ کو میں بصرہ پہنچا۔

بصرہ[۲۰۶] شہر بصرہ کی فصیل بڑی ہے، مگر جانب دریا فصیل نہیں ہے۔ بصرہ میں شط بہتا ہے (نواح بصرہ کے قریب دجلہ اور فرات آکر مل گئی ہیں اس کا نام شط ہے) اور جب جوبرہ کا پانی بھی اس میں آکر ملتا ہے تو اس کو شطّ العرب[۲۰۷] کہتے ہیں۔ شط العرب سے دو بڑی نہریں نکالی ہیں جن کے دہانوں میں ایک فرسنگ کا فاصلہ ہے اور دونوں نہروں کو کاٹ کر قبلہ کی جانب چار فرسنگ تک لے گئے ہیں۔ پھر آگے چل کر دونوں نہروں کے دہانے ملا دیے گئے ہیں پھر ایک فرسنگ کے بعد دوسری نہر کو بھی جانب جنوب گھما دیا ہے، اور پھر ان نہروں سے اطراف وجوانب میں بکثرت نہریں نکالی ہیں جن کے کنارے نخلستان اور باغات لگائے ہیں۔

نہر معقل[۲۰۸] **و نہر اُبلہ**[۲۰۹] ان دو بڑی نہروں میں سے ایک جو بلندی پر مشرقی شمالی گوشے میں ہے اس کا نام نہر معقل ہے اور جو مغربی جنوبی گوشے پر ہے، اس کا نام نہر اُبلّہ ہے۔ اور ان دونوں نہروں کے اِتصال سے ایک بڑا جزیرہ پیدا ہو گیا ہے جو مستطیل واقع ہوا ہے، اور شہر بصرہ میں اس مستطیل کے ایک چھوٹے ضلع (عرض) پر آباد ہے۔ اور بصرہ کے مغربی جنوبی گوشے پر ایک چٹیل میدان ہے جس میں آبادی، پانی اور درختوں کا نام ونشان نہیں ہے میرے زمانۂ قیام میں شہر کا اکثر حصہ ویران ہو چکا تھا، اور آبادی منتشر تھی، یعنی ایک محلہ سے دوسرے محلے تک ڈیڑھ ڈیڑھ میل تک ویرانہ تھا تاہم در و دیوار مستحکم اور مردم شماری اچھی تھی۔ سلطان بصرہ کی آمدنی بہت تھی۔ اور ان دنوں امیر بصرہ ابو کالنجار دیلمی کا بیٹا تھا (جو صوبہ فارس پر حکمران تھا)۔ اور امیر بصرہ کا وزیر ابو منصور شہ مردان تھا۔

بصرہ کا بازار بصرہ میں روزانہ تین جگہ بازار لگتا تھا، صبح سوق الخزاعہ میں لین دین ہوتا تھا، دوپہر کو سوق عثمان میں اور شام کو سوق القداحین میں. بصرہ کے بازار میں خریداری کا یہ طریقہ ہو کہ ہر شخص نقدی صرّاف کے حوالے کر دیتا ہو اور صرّاف سے ایک چھٹی (ہنڈی) لکھا لیتا ہو، پھر جو شی چاہتا ہو خرید کرتا ہو اور قیمت کے لیے صرّاف کا حوالہ دے دیا جاتا ہو، شہر کا کوئی دوکان دار چھٹّی سے زیادہ مال نہ دیتا تھا۔

ناصر خسرو حمّامِ بصرہ میں جب میں بصرہ پہنچا ہوں تو برہنگی اور مفلسی سے میری حالت پاگلوں جیسی تھی اور تین مہینے ہو چکے تھے کہ خط نہیں بنوایا تھا لہٰذا حمام کا ارادہ کیا کہ اسی ذریعے سے بدن میں کچھ حرارت پیدا ہو۔ کیونکہ ہوا سرد تھی اور کپڑے پاس نہ تھے، اور ہم دونوں بھائی پُرانی لنگیاں باندھے ہوئے تھے، اور ٹاٹ کا ایک ایک ٹکڑا پیٹھ پر بندھا ہوا تھا (سردی سے بچنے کے لیے)۔ خیال آیا کہ حمام میں داخل ہوں، چنانچہ کتابوں کا تھیلہ فروخت کیا، اس کی قیمت میں چند ٹکے ملے، وہ ایک پُڑیہ میں باندھ کر رکھ لیے کہ مالک حمّام کو دوں گا اور تھوڑی دیر کے لیے وہ حمّام میں داخل کرلے گا اور بدن کا میل دھو ڈالیں گے۔ جب میں نے وہ پیسے اس کے سامنے رکھے تو وہ میرا مُنہ دیکھنے لگا اور ہم کو پاگل سمجھا۔ اور کہنے لگا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور لوگ حمام سے نکلنے والے ہیں۔ اور ہم کو حمام میں داخلہ کی اجازت بھی نہ دی، چنانچہ حمام سے ہم شرمندہ ہو کر نکل بھاگے۔ حمام کے دروازے پر لڑکے کھیل رہے تھے، انھوں نے ہم کو دیوانہ سمجھا اور پیچھے پڑ گئے۔ پتھّر پھینکنے لگے اور غُل مچانے لگے، چنانچہ ہم ایک گلی میں چلے گئے اور زمانہ کی حالت کو بنظر تعجب دیکھتے تھے اور

اونٹ والا تین ۳ دینار مغربی کرایہ مانگتا تھا۔

ناصر خسرو کی ابو الفتح علی بن احمد سے ملاقات

اب بجز اس کے اور کوئی تدبیر نہ سوجھی کہ وزیر اہواز[۲۱] سے جس کا نام ابو الفتح علی بن احمد تھا (رجوع کروں)۔ یہ وزیر صاحب فضل و کمال تھا، شعر اور ادب سے واقف تھا اور فیاض بھی تھا۔ بصرہ میں مع اہل و عیال اور غلاموں کے ٹھیرا ہوا تھا، لیکن اس وقت وہ خود بے کار تھا۔ بصرہ میں میری ایک ایرانی سے (کہ وہ بھی اہل علم تھا) ملاقات ہو گئی تھی اور وہ وزیر کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور اکثر وزیر سے صحبت رہتی تھی۔ لیکن یہ شخص بھی تنگ دست تھا اور اس قدر استطاعت نہ تھی کہ میری مدد کر سکے۔ لیکن اس نے میرا حال وزیر سے بیان کیا۔ وزیر نے ایک خادم کو مع گھوڑے کے میرے پاس بھیجا کہ جس حال میں ہوں اس کے پاس چلا آؤں۔ لیکن میں اپنی پریشان حالی اور برہنگی سے شرما گیا اور جانا مناسب نہ سمجھا۔ عریضہ لکھ کر معذرت کر دی اور گزارش کر دیا کہ پھر کسی وقت حاضر ہوں گا۔ اس تحریر سے دو مطلب تھے۔ ایک یہ کہ میری محتاجی کی پردہ پوشی ہو جائے، دوسرا یہ خیال تھا کہ وزیر سمجھے گا کہ یہ شخص بھی صاحب فضل و کمال ہے اور جب اس کو مضمونِ خط پر اطلاع ہو گی تو وہ میری اہلیت کا اندازہ کرے گا اور جب وزیر کا سامنا ہو گا تو ندامت نہ ہو گی۔ چنانچہ وزیر نے اسی وقت تیس ۳۰ دینار میرے پاس بھیج دیے کہ اس رقم سے کپڑے بنوا لو، میں نے دو اچھے جوڑے سلوائے اور تیسرے دن وزیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ یہ شخص ادیب فاضل، خوبصورت، خلیق اور متدین تھا، تقریر اچھی کرتا تھا۔ اور اس کے چار بیٹے تھے، سب سے بڑا لڑکا فصیح، ادیب، فاضل اور ہوشیار تھا۔ اس کو رئیس ابو عبد اللہ احمد بن علی بن احمد کہتے تھے۔

یہ نوجوان شاعر تھا اور منشی بھی اور عقل وفراست کے ساتھ پرہیزگار بھی۔ مجھے اپنے پاس ٹھیرایا۔ چنانچہ اوّل شعبان سے پندّرہ رمضان تک میں ابو عبداللہ کا مہمان رہا اور وزیر نے اعرابی کو اونٹ کا کرایہ بھی ادا کر دیا اور مجھے اس عذاب سے نجات دلائی۔ خدائے پاک اپنے سب بندوں کو قرض سے سبکدوش کرے (بحق الحق واھلہ)

اور جب میں نے بصرہ سے جانا چاہا تو وزیر نے ہم کو انعام واکرام دے کر دریا کے راستے سے رخصت کر دیا۔ چنانچہ خوش حالی اور اطمینان کے ساتھ ہم لوگ فارس میں پہنچ گئے۔ (اس فیّاض آدمی کی برکت سے اور خداوند عالم ایسے فیّاض لوگوں سے خوشنود رہے)۔

مشاہد حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصرہ میں امیرالمومنین علی بن ابی طالب کے نام سے تیرہ[۱۳] مشہد (درگاہ) ہیں۔ منجملہ ان کے ایک کا نام مشہد بنی مازن ہے۔

یہ وہ ہے کہ جب ربیع الاوّل ۳۵ھ ۶۶۵۵ء میں امیرالمومنین حضرت علی بصرہ میں تشریف لائے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جنگ (جمل) کے واسطے نکلی تھیں اس وقت امیرالمومنین علیہ السلام نے مسعود نہشلی کی دختر لیلیٰ سے نکاح کیا تھا چنانچہ یہ مشہد اسی لیلیٰ کا مکان ہے۔ اور امیرالمومنین علیہ السلام نے بہتّر دن اس مکان میں قیام فرمایا ہے، اور پھر کوفہ کو تشریف لے گئے۔

دوسرا مشہد جامع مسجد کے پہلو میں ہے جس کو مشہد باب الطیّب کہتے ہیں۔ میں نے جامع مسجد بصرہ میں ایک لٹھا دیکھا جو تیس[۳۰] ہاتھ لانبا اور پانچ بالشت چار انگل موٹا تھا اور اس کا ایک سرا بہت ہی موٹا تھا۔ یہ لٹھا ہندوستان سے آیا تھا۔

روایت ہے کہ امیرالمومنین اس کو اُٹھا کر مسجد میں لائے تھے۔ باقی گیارہ مشہد اپنی اپنی جگہ پر ہیں اور میں نے ان سب کی زیارت کی ہے۔

ناصر خسرو دوبارہ حمامِ بصرہ میں

اس کے بعد ہماری حالت درست ہوگئی تو ہم دونوں بھائیوں نے کپڑے بدلے اور ایک دن پھر اس حمام میں گئے جہاں لوگوں نے ہم کو گھسنے نہیں دیا تھا۔ جیسے ہی ہم نے دروازے پر قدم رکھا، مالک حمام اور جو لوگ وہاں موجود تھے، وہ ہمارے استقبال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور ہم داخل حمام ہوئے۔ نہلانے والوں اور مہتمم حمام نے ہماری خدمت کی جب ہم نہا کر نکلے تو کپڑے اُتارنے والے درجہ میں (جامہ کن) جس قدر خادم موجود تھے وہ ہماری تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور جب تک ہم کپڑے پہن کر باہر نہیں آ گئے اس وقت تک وہ کھڑے رہے اور حمام والوں میں سے کسی نے اپنے دوست سے کہا کہ "یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے فلاں روز حمام میں داخل ہونے سے منع کیا تھا۔" اور وہ جانتے تھے کہ ہم ان کی زبان نہیں جانتے ہیں، چنانچہ میں نے عربی میں جواب دیا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو ہم وہی ہیں جن کی پیٹھ پر کل ٹاٹ کا ٹکڑا بندھا ہوا تھا چنانچہ وہ شرمندہ ہوا اور معافی چاہی۔ اور یہ دونوں حالتیں بیس دن کے اندر گزر گئیں۔ یہ تذکرہ میں نے محض اس لیے کیا ہے، تاکہ لوگ سمجھیں کہ گردشِ زمانہ سے جو مصائب پڑیں ان سے نالہ و فریاد نہ کرنا چاہیے اور خدائے جل جلالہٗ و عم نوالہٗ کے فضل و رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ بڑا رحیم ہے۔

دریائے بصرہ کے مدّوجزر اور اس کی نہروں کا بیان

مدّوجزر کے اسباب

دریائے عمّان کا خاصہ ہے کہ دن رات میں دو مرتبہ مدّ (چڑھاؤ) پر آتا ہے، جس سے دس گز پانی اونچا ہو جاتا ہے اور جب پورا چڑھاؤ ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ گھٹتا ہے۔ اور پانی دس بارہ گز اُتر جاتا ہے اور یہ دس گز (جس کا ذکر ہو چکا ہے) پیمایش، بصرہ میں ایک پیمانہ سے معلوم ہو جاتی ہے،

جو ایک دیوار کے نیچے نصب ہی اور اگر اس علاقہ کی زمین نیچی اور ہموار ہوتی تو یہ پانی دور تک پھیل جاتا اور وہی حالت ہوتی جو دجلہ اور فرات کی ہی کیونکہ یہ دونوں اس درجے سست رفتار ہیں کہ بعض مقامات پر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کدھر جا رہے ہیں۔ جب مدّ ہوتا ہی تو تقریبًا چالیس فرسنگ دونوں کا پانی بڑھتا ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ پلٹ کر بلندی پر چڑھ رہا ہی، لیکن بعض مقامات پر (دریا کے کنارے) باعتبار بلندی و پستی زمین کے مدوجزر رہؤا کرتا ہی، یعنی جس مقام پر نیچی زمین ہوتی ہی، وہاں پانی بہت پھیلتا ہی اور جہاں زمین اونچی ہوتی ہی وہاں کمتر اور اس کو مدوجزر (جوار بھاٹا) کہتے ہیں۔ اور اس کا تعلق ماہتاب سے ہی کیونکہ چودھویں تاریخ کو جب ماہتاب راس و زحل کی سمت ہوتا ہی تو پانی میں نہایت مد (چڑھاؤ) ہوتا ہی اور جب ماہتاب افق مشرق و مغرب میں ہوتا ہی تو اس وقت جزر (اُتار) ہوتا ہی اور مد کی ایک صورت یہ بھی ہی کہ جب ماہتاب چودھویں رات کو (بحالت بدر) آفتاب کے مقابل ہوتا ہی تو پانی بڑھنا شروع ہوتا ہی یعنی اس وقت مد بہت ہوتا ہی اور پانی زیادہ اونچا ہوتا جاتا ہی۔ اور جب ماہتاب حالت تربیع[1] میں ہوتا ہی تو پانی گھٹتا ہی، یعنی بوقت مد اس کا ارتفاع اس قدر نہیں ہوتا جس قدر کہ اجتماع اور استقبال کے وقت (یعنی ٹھیک آفتاب کے مقابل) اور اسی مناسبت سے جزر بھی کم ہوتا ہی، اور انہی دلائل کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ مدوجزر کا تعلق ماہتاب سے ہی اور واقعی بات خدا کے علم میں ہی۔

شہر اُبُلَّه ۲۱۱

شہر اُبلہ نہر کے کنارے آباد ہی اور نہر بھی اسی نام سے موسوم ہی۔ یہ شہر بہت آباد ہی جس میں محلات، بازار، مساجد اور رباط بکثرت ہیں جن کی تعریف نہیں ہو سکتی ہی۔ اصلی شہر نہر اُبلہ کے شمالی جانب ہی اور جنوبی

---

[1] یعنی نوّے درجہ (ربع فلک) آفتاب سے دُور ہوتا ہی۔

سمت میں بھی محلے، مسجدیں، بازار اور رباط ہیں اور عمارتیں بڑی بڑی ہیں جن سے بہتر اور ستھری دنیا میں نہ ہوں گی۔ اس حصۂ شہر کا نام شق عثمان ہو اور یہ بڑی نہر جو دجلہ اور فرات کا مجموعہ ہو اسی کو شط العرب کہتے ہیں۔ اور نہر اُبلہ کے مشرق جانب ہو اور شہر جنوب کی طرف ہو۔ نہر اُبلہ اور نہر معقل دونوں بصرہ میں آکر مل گئی ہیں جس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہو۔ بصرہ میں بیس[۲۰] ناحیے ہیں اور ہر ناحیہ میں بکثرت مواضعات اور مزرعے ہیں۔

اعمال بصرہ کا بیان

بصرہ کے مشہور ناحیے

اعمال بصرہ حسب ذیل ہیں۔

حسان[۱]، شریہ[۲]، بلاس[۳]، عقر[۴]، میسان[۵]، المقیم[۶]، نهر الحرب[۷]، شط العرب[۸]، سعد[۹]، سام[۱۰]، جعفریہ[۱۱]، المشان[۱۲]، الصمد[۱۳]، الجونہ[۱۴]، جزیرۃ العظمی[۱۵]، مروۃ الشریر[۱۶]، جزیرۃ العرش[۱۷]، الحمید[۱۸]، جزیرۃ[۱۹] المنفردات[۲۰]۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ جس جگہ نہر اُبلہ کا دہانہ ہو کسی زمانہ میں اس جگہ سے کشتی کا پار ہونا ناممکن تھا، کیونکہ یہاں بہت بڑا بھنور پڑتا تھا۔ بصرہ کی ایک متمول بی بی نے حکم دیا کہ چار سو کشتیاں چھوارے کی گٹھلیاں بھر کر (اور کشتیوں کو مضبوط طریقے سے بند کر کے) اس جگہ ڈبو دی جائیں۔ چنانچہ اس کے بعد سے کشتیاں گزرنے لگیں۔

ناصر خسرو بصرہ سے براہ فارس وطن کو جاتا ہو

الغرض نصف شوال ۴۴۳ھ کو بصرہ سے روانہ ہو کر کشتی میں سوار ہوا۔ شہر اُبلہ سے چار فرسنگ تک (جس راستہ سے کہ ہم آئے تھے) نہر کے

دونوں طرف باغ، چمن، محلات اور مناظر تھے اور یہ سلسلہ برابر چلا گیا تھا۔ نہر اُبلہ سے ہر طرف شاخیں نکالی ہیں جن میں سے ہر ایک ندی کے برابر ہی۔ شق عثمان میں پہنچ کر ہم شہر اُبلّہ کے سامنے کشتی سے اُتر کر ٹھیر گئے۔

سترہ شوال کو ایک بڑی کشتی میں سوار ہوئے جس کا نام بوصی تھا جو لوگ اس کشتی کو اطراف وجوانب سے دیکھ رہے تھے، وہ دُعائیں مانگ رہے تھے کہ " ای بوصی خدا تجھ کو ڈوبنے سے بچائے "۔

عبّادان[212]

عبّادان پہنچ کر ہم کشتی سے اُترے۔ عبّادان مثل ایک جزیرے کے شط العرب کے کنارے آباد ہی اور اس مقام پر شط کی دو شاخیں ہو گئی ہیں۔ چنانچہ کسی جانب سے بھی بغیر عبور شط العرب عبادان میں پہنچ نہیں سکتے ہیں عبادان کی جنوبی سمت میں بحر فارس (شاخ بحر المحیط) واقع ہی اور جب شط العرب مدّ پر آتا ہی تو عبادان کی دیواروں کے نیچے تک پانی آجاتا ہی اور جب اُتار پر ہوتا ہی تو دو فرسنگ ہٹ جاتا ہی۔

عبّادان میں لوگوں نے چٹائیاں خریدیں اور کسی نے اشیاء خوردنی۔ دوسرے دن صبح کو پھر بوصی شط العرب میں چلنے لگی اور ہم جانب شمال روانہ ہوئے، اور دس فرسنگ تک چلے گئے سب لوگ شط العرب کا خوش ذائقہ پانی پیتے ہیں۔ میٹھے پانی کی یہ لہر شعلہ آتش کی طرح درمیان میں رواں تھی۔

خشّاب یا فانوس البحر[213]

جب آفتاب نکلا تو دریا میں کوئی شی چڑیا کی طرح نظر آنے لگی اور جس قدر نزدیک ہوتے گئے وہ بڑی معلوم ہونے لگی۔ جب ہم اس کے مقابل پہنچے اور بائیں ہاتھ پر ایک فرسنگ کا فیصلہ رہ گیا تو بادِ مخالف چلنے لگی، کشتی کا لنگر ڈال دیا اور بادبان گرا دیے گئے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا شی ہی؟ تو سب کہنے لگے کہ یہ خشّاب ہی۔

خشّاب [۲۱۳] کی شکل وصورت اس طرح پر ہی کہ ساج کے چار بڑے ستون ہیں جو منجنیق کی طرح مربع کھڑے کیے گئے ہیں اور ان کا قاعدہ (نیچے کا ضلع) چوڑا ہی اور راس (اوپر کا ضلع) تنگ ہی۔ اور سطح آب سے یہ ستون چالیس[۴] گز بلند ہیں اور اس کے اوپر سنگ ریزے اور پتھر رکھے ہوئے ہیں اور ان کو ستون مذکور سے وصل کرکے چھت کی طرح پاٹ لیا ہی۔ اس چھت پر چار محراب قایم ہیں، جس پر محافظ کشتی موجود رہتا ہی۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس خشّاب کا بانی ایک بڑا سوداگر ہی اور بعض کا قول ہی کہ کسی بادشاہ کا بنایا ہوا ہی، بہرحال اس تعمیر سے دو مقصد تھے، اوّل یہ کہ پانی میں جہاں ریت جمع ہوگئی ہی اور پانی گھٹ گیا ہی، اگر وہاں کوئی بڑی کشتی پہنچ جائے تو زمین پر بیٹھ نہ جائے اور رات کو لال ٹین کے اندر چراغ جلاتے ہیں جو ہوا سے گُل نہیں ہوسکتا ہی اور مسافر دُور سے روشنی دیکھ کر احتیاط کرتے ہیں، کیونکہ اگر کشتی یہاں پہنچ جائے تو پھر اسے کوئی نکال نہیں سکتا ہی۔

دوسرا مقصد یہ تھا کہ سمتیں (اطراف) معلوم ہوتی رہیں اور اگر کوئی دریائی چور ہو تو دیکھ کر احتیاط کریں اور کشتی وہاں سے واپس لائیں۔ جب اس خشّاب سے گزر گئے اور وہ نظر سے غائب ہوگیا تو اسی شکل وصورت کا ایک دوسرا نمودار ہوا، لیکن اس خشّاب پر گنبد نہ تھا جو غالبًا ناتمام رہ گیا ہی (یہ خشّاب روشنی کا مینار تھا جس کو لائٹ ہاؤس کہتے ہیں اور عربوں نے اس کا نام فانوس البحر رکھا تھا)۔

مہروبان [۲۱۴] یہاں سے مسافر (براہ خوزستان) شہر مہروبان میں داخل ہوئے۔ یہ بڑا شہر ہی جو دریا کے کنارے جانبِ مشرق آباد ہی، بازار بھی بڑا ہی اور جامع مسجد بھی خوبصورت ہی، لیکن برساتی پانی پر گزر ہی اور بجز اس پانی کے نہ چاہات ہیں نہ کاریز، جن کے ذریعے میٹھا پانی مہیا ہوسکے۔ باشندوں

نے حوض اور تالاب بنا رکھے ہیں جس کی وجہ سے پانی کی قلت نہیں ہوتی ہے اور شہر میں تین بڑی مہمان سرائے ہیں جس میں سے ہر ایک مثل قلعہ کے مضبوط اور بلند ہے۔

جامع مسجد کے منبر پر یعقوب بن لیث کا نام لکھا ہوا تھا، میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے تو اس نے بیان کیا کہ اس شہر کو یعقوب بن لیث (صفّار) نے فتح کیا ہے اور اس کے قبل خراسان کے کسی حکمران کو اس کے فتح کرنے کی طاقت نہ تھی۔ جب میں مہروبان میں پہنچا ہوں، اس وقت ابو کالنجار (فرمانروائے فارس) کا بیٹا یہاں حکمران تھا۔ اس شہر میں اشیاء خوردنی دوسرے شہروں سے آتی ہیں کیونکہ یہاں صرف مچھلی کی پیداوار ہے۔ یہ شہر پرمٹ اور بندرگاہ ہے۔ یہاں سے اگر دکھن کی طرف دریا کے کنارے کنارے جائیں تو ناحیہ توہ اور گازرون ملتا ہے۔

میں اس شہر میں چند روز مقیم رہا، جس کا سبب یہ تھا کہ راستہ پُر خطر تھا اور ابو کالنجار کے بیٹے باہم مصروفِ جنگ تھے اور ملک میں تشویش پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے معلوم ہؤا کہ اراغان میں ایک بزرگ اور فاضل شخص ہے، جس کو شیخ سدید محمد بن عبدالملک کہتے ہیں۔ شہر کے قیام سے چونکہ میں افسردہ خاطر ہو رہا تھا لہٰذا شیخ کا نام سُنتے ہی میں نے اس کو ایک خط لکھا اور اپنے حال سے آگاہ کیا اور عرض کیا کہ مجھے اس شہر سے ایسی جگہ پہنچا دیجیے جہاں امن وامان ہو الغرض خط پہنچتے ہی تیسرے دن میرے پاس تیس مسلح پیادے پہنچ گئے اور انھوں نے کہا کہ ہم کو شیخ نے بھیجا ہے کہ ہم آپ کے ہمراہ اراغان چلیں، چنانچہ مجھ کو نہایت آرام سے اراغان لے گئے۔

اراغان [۲۱۴] یہ بھی بڑا شہر ہے، بیس ہزار کی مردم شماری ہے۔ اراغان کے شرقی جانب ایک ندی ہے جو پہاڑ سے نکلی ہے اور پھر اس ندی کے شمال سے چار بڑی

نہریں اور نکالی ہیں اور زرِ کثیر صرف کر کے شہر میں پانی لائے ہیں۔ پھر شہر سے نہر کو باہر لے گئے ہیں اور اس کے کنارے باغ و چمن لگائے ہیں جن میں کھجور، نارنگیاں، ترنج اور زیتون کے درخت بافراط ہیں۔

آبادی کی یہ کیفیت ہے کہ جس قدر مکانات زمین کے اوپر ہیں اسی قدر زمین کے نیچے بھی ہیں اور ان نشیبی مکانات اور تہ خانوں میں بھی پانی کے نل موجود ہیں جن کی وجہ سے گرمیوں میں آرام ملتا ہے۔ مہروبان میں ہر ملت و مذہب کے آدمی موجود ہیں اور فرقہ معتزلہ کا امام ابوسعید بصری ہے۔ یہ فصیح البیان شخص تھا، علم ہندسہ اور حساب میں بھی اس کو دعویٰ تھا، چنانچہ علمِ کلام اور حساب وغیرہ میں ابوسعید سے میرا مباحثہ ہوا اور دونوں طرف سے خوب ہی سوال و جواب ہوئے۔

سیاحت کا آٹھواں سال

محرم ۴۴۴ھ کے شروع میں براہ کوہستان مہروبان سے اصفہان کو روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک تنگ درہ ملا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بہرام گور نے اس کو تلوار سے کاٹا ہے اور اسی لیے اس کا نام شمشیر بریدہ ہے۔ اس جگہ پانی کی افراط ہے جو دائیں ہاتھ کی جانب ایک جھرنے سے نکلتا ہے اور بلندی سے نیچے کو دوڑتا ہوا آتا ہے۔ عوام کا بیان ہے کہ موسم گرما میں ہمیشہ پانی آتا ہے اور جاڑے میں رک کر یخ ہو جاتا ہے۔

لوردغان

یہاں سے لوردغان میں داخل ہوا جو اراغان سے چالیس فرسنگ ہے۔ لوردغان سے صوبہ فارس کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں اس شہر سے خان لنجان میں پہنچا، جس کے صدر دروازے پر سلطان طغرل بیگ سلجوقی کا نام لکھا ہوا تھا۔ یہاں سے اصفہان سات فرسنگ ہے خان لنجان کی رعایا بہت ہی امن و اطمینان سے زندگی بسر کرتی ہے اور سب کاروباری لوگ ہیں۔

اصفہان[۲۱۷]

خان لنجان سے چل کر آٹھ صفر ۴۴۴ھ کو میں اصفہان میں داخل ہوا۔ بصرہ سے اصفہان تک ایک سو اسّی فرسنگ کی مسافت ہے۔ شہر اصفہان مسطح زمین پر آباد ہے۔ آب و ہوا اچھی ہے اور دس گز زمین کھودنے پر ٹھنڈا اور شیریں پانی نکل آتا ہے۔ شہر کی فصیل بلند اور مضبوط ہے جس میں دروازے اور مورچے بنائے ہیں اور تمام فصیل پر کنگرے ہیں۔ شہر کے اندر نہریں بہتی ہیں اور عمارتیں بلند و خوبصورت ہیں۔ وسط شہر میں ایک بڑی اور خوشنما جامع مسجد ہے۔ شہر پناہ کی دیوار ۳½ فرسنگ میں ہے۔ تمام شہر آباد ہے، کسی جگہ ویرانہ نظر نہیں آیا بازار بہت ہیں، صرافہ بازار میں دو سو صراف ہوں گے۔ ہر بازار الگ ہے اور اس کی حد بندی دروازوں سے کی گئی ہے، یہی حالت تمام شہر کے محلوں کی ہے، جس میں مضبوط دروازے لگے ہوئے ہیں۔ مہمان سرائیں اچھی تھیں اور ایک کوچہ تھا جس کا نام کوطراز تھا، چنانچہ اس کوچہ میں پچاس[۵] سرائیں تھیں اور ہر ایک سرائے میں دلال اور تاجر بیٹھے رہتے ہیں۔ جس قافلہ کے ہمراہ میں آیا تھا ان کے پاس ایک ہزار تین سو[۳۰۰] خروار وزن تھا۔ جب میں شہر میں پہنچا تو قافلہ والوں میں سے کوئی نظر نہ آیا کہ یہ لوگ کہاں اُترے، کیونکہ نہ قلت جگہ کی شکایت تھی، نہ کمی خوراک کی۔

جب سلطان طغرل بیگ ابوطالب محمد بن میکائیل بن سلجوق رحمۃ اللہ علیہ نے اس شہر کو فتح کیا ہے تو اصفہان کا والی ایک نیشاپوری جوان تھا جو ادیب، خوشنویس، سلیم الطبع اور خوبصورت تھا جس کو خواجہ عمید کہتے تھے۔ علم دوست فصیح البیان اور فیاض تھا۔ اور سلطان نے حکم دیا تھا کہ "تین برس تک رعایا سے خراج نہ لیا جائے"۔ چنانچہ خواجہ نے اس پر عمل کیا۔ اور آوارہ وطن اشخاص آکر آباد ہوتے جاتے تھے۔ اور خواجہ عمید سلطان کے ارکانِ مشورہ میں سے تھا۔

میرے پہنچنے سے پہلے یہاں عظیم الشان قحط تھا لیکن جب میں پہنچا ہوں اس وقت جَو کے کھیت (فصل ربیع) کٹ رہے تھے۔ گیہوں کی سوا دو سیر (۲½) روٹی ایک درہم عدلی کو فروخت ہوتی تھی اور اسی حساب سے جَو کی روٹی ساڑھے چار سیر (۴½) بکتی تھی۔ لوگوں کا بیان تھا کہ ایک درہم میں بارہ سیر روٹی سے کم کبھی کسی نے فروخت ہوتے نہیں دیکھی ہے۔ جن ممالک میں فارسی زبان بولی جاتی ہے میں نے ان شہروں میں اصفہان سے زیادہ خوبصورت اور آباد کوئی دوسرا شہر نہیں دیکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر گیہوں اور جَو اور دوسرے غلے بیس سال تک کھتوں میں رکھے رہیں تو خراب نہیں ہوتے۔ بعض کا قول ہے کہ جب فصیل شہر نہ تھی تو آب وہوا بہت ہی اچھی تھی اب فصیل بنانے سے تبدیل ہوگئی جس کی وجہ سے بعض اشیا خراب ہوجاتی ہیں۔ لیکن دیہات کی آب وہوا بدستور ہے۔ چونکہ قافلہ دیر میں پہنچا اس لیے بیس دن تک اس کے انتظار میں اصفہان میں مقیم رہا۔

نائین[۲۱۸]

اٹھائیس صفر ۴۴۴ھ کو اصفہان سے روانہ ہوکر موضع ہیثما باد میں پہنچا اور یہاں سے براہ صحرا و کوہ مکیان قصبہ نائین میں داخل ہوا۔ اصفہان سے اس قصبہ تک تیس فرسنگ کا فاصلہ تھا اور نائین سے چالیس فرسنگ چل کر موضع کرمہ میں آیا۔ یہ جنگلی پرگنہ کا ایک موضع ہے جس میں دس بارہ گانو آباد ہیں اور یہ گرم مقام ہے۔ کھجور کے باغات ہیں۔ یہ ناحیہ قدیم زمانہ میں کوفچی (کرمان کے ڈاکو) قوم کے قبضے میں تھا۔

امیر ابوالحسن گیلکی بن محمد فرمانروائے طبس کے حالات

میرے زمانہ سیاحت میں امیر گیلکی نے ان لوگوں سے یہ ناحیہ چھین لیا تھا اور اس امیر کی طرف سے ایک موضع میں جس میں ایک چھوٹا سا قلعہ بھی ہے، اس کا نائب رہتا ہے۔ اور اس موضع کا نام پیادہ ہے

اور نائب مذکور اس علاقہ کا منتظم ہے۔ وہی راستوں میں امن و امان قایم رکھتا ہے۔ اگر کوفچی ڈاکہ ڈالنے کے لیے کہیں جاتے ہیں تو امیر گیلکی کے سپاہی ان کا تعاقب کرتے ہیں اور ان کو گرفتار کر کے مال چھین لیتے ہیں اور قتل کر ڈالتے ہیں چنانچہ اس سردار کی نگرانی کے باعث راستہ پُرامن اور مخلوق آسودہ ہے (خدائے تبارک تعالیٰ تمام شاہان عادل کا محافظ اور مددگار رہے اور سلاطین سلف کی روحوں پر اپنی رحمت نازل کرے)۔

اس جنگل کے راستہ پر دو دو فرسنگ کے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے بُرج بنا دیے ہیں اور حوض بھی ہیں جن میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے۔ اور یہ حوض ایسے مقام پر ہیں جہاں کی زمین میں کھار نہیں ہے۔ اور یہ برج اس لیے بنائے ہیں کہ مسافر راستہ نہ بھولیں اور نیز گرم و سرد موسم میں تھوڑی دیر ان میں آرام کریں۔

راستے میں ریگ رواں (ایک قسم کی دَلدل) بہت ہے۔ اس ریگستان میں اگر کوئی راستہ بھول جائے تو پھر اس کا ریگ سے نکلنا محال ہے مر ہی جاتا ہے۔ ریگستان طے کرنے کے بعد زمین شور نمایاں ہوئی جس کی سطح اُبھری ہوئی تھی۔ چھ فرسنگ تک اسی قسم کی زمین تھی۔ اگر کوئی شخص ذرا بھی راستے سے بہک جائے تو اس زمین میں دھنس جائے۔ یہاں سے میں براہ رباط زبیدہ جس کو رباط مرامی بھی کہتے ہیں روانہ ہوا۔ رباط زبیدہ میں پانچ کنوئیں ہیں۔ اگر یہ رباط اور چاہات نہ ہوتے تو اس جنگل سے کوئی مسافر گزر نہیں سکتا تھا۔ یہاں سے موضع رستاباد میں داخل ہوا۔ جو طبس کے چار مواضعات میں سے ایک موضع ہے اور نویں ربیع الاول کو شہر طبس میں داخل ہوا۔

طبس ۲۱۹ | اصفہان سے طبس تک ایک سو دس فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

شہر طبس کی آبادی گنجان اور دیہات سے مشابہ ہے، پانی کی کمی ہے اور زراعت بھی کمتر ہے۔ لیکن نخلستان اور باغات بہت ہیں۔ جب طبس سے شمال کی طرف چلیں تو چالیس فرسنگ کی مسافت پر نیشاپور آتا ہے اور جب جنوب کی سمت سے خبیص کو براہ بیابان روانہ ہوں تو یہی چالیس فرسنگ کی مسافت ہے۔ اور مشرق میں ایک بڑا پہاڑ ہے۔ اس وقت طبس کا حاکم گیلکی بن محمد تھا جس نے طبس کو بزورِ تلوار فتح کیا ہے۔ رعایا بہت امن اور آسایش سے رہتی ہے۔ چنانچہ شب کو مکانوں کے دروازے بند نہیں کرتے ہیں اور مواشی گلیوں میں کھلے پھرتے ہیں (باوجودیکہ فصیل نہیں ہے) اور کسی عورت کی یہ طاقت نہیں ہے کہ غیر آدمی سے باتیں کرے اور اگر ایسا ہو تو دونوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اور امیر کے عدل و حفاظت کی وجہ سے چور اور ڈاکو بھی نہیں ہیں۔ عرب و عجم میں صرف چار مقام پر انصاف اور امن و امان میں نے دیکھا ہے (۱) ناحیہ ڑشت میں بزمانہ حکومت لشکر خاں (۲) دیلستان میں بزمانہ امیر امیران جستان بن ابراہیم (۳) امیر المومنین المستنصر باللہ فاطمی کے عہد میں (۴) طبس میں بزمانہ حکومت ابوالحسن گیلکی بن محمد۔ میں نے جہاں تک سیاحت کی ہے، بجز ان چار مقامات کے اور کہیں ایسا امن و امان نہ دیکھا ہے، نہ سنا ہے۔ امیر مذکور نے طبس میں مجھے سترہ دن مہمان رکھا، دعوتیں کیں اور رخصت کے وقت صلہ دیا اور پھر بھی معذرت کی (خداوند تعالیٰ اس سے خوشنود ہو) اور ایک سوار کو زوزن تک میرے ساتھ روانہ کیا جس کا فاصلہ بہتر فرسنگ تھا۔ طبس سے بارہ فرسنگ پر ایک قصبہ ملا جس کو رقہ کہتے ہیں۔

اس قصبہ میں پانی کے چشمے تھے، کھیت، باغ، درخت، فصیل، جامع مسجد، مواضعات اور مزرعے بھی بکثرت تھے۔ نویں ربیع الثانی کو رقہ سے

روانہ ہوکر بارھویں کو شہر تون میں پہنچے۔ رقہ اور تون میں بیس فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

تون [۲۲۰] تون کسی زمانہ میں بڑا شہر تھا، لیکن جب میں نے دیکھا ہے، اس وقت اکثر حصہ ویران ہوچکا تھا۔ اور جنگل کے کنارے آباد ہے۔ چشمے اور کاریز موجود ہیں۔ مشرقی سمت میں بکثرت باغات ہیں اور قلعہ بھی مضبوط ہے۔

کہتے ہیں کہ اس شہر میں چار سو کارگاہیں تھیں جن میں مصلّے بنے جاتے تھے۔ اور شہر کے مکانوں میں پستہ کے درخت بہت تھے۔ بلخ و تخارستان کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ پستہ کا درخت بجز پہاڑ کے نہ کہیں اگتا ہے اور نہ کہیں ہوتا ہے۔

کاریز کنابد [۲۲۱] جب میں تون سے روانہ ہوا تو سوار مذکور نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں تون سے کنابد کو جا رہا تھا کہ رہزنوں نے جنگل سے نکل کر ہم پر حملہ کیا، چند آدمی ڈر کر کاریز کے کنویں میں جا گرے، اس کے بعد ان میں سے ایک شخص کا باپ آیا جو اپنے بیٹے کو از حد چاہتا تھا۔ اس نے اُجرت دے کر ایک آدمی کو کاریز میں اتارا کہ اس کے لڑکے کو نکال لائے۔ چنانچہ بہت سی رسیاں فراہم کی گئیں اور بہت لوگ جمع ہوگئے۔ سات سو گز رسی نیچے گئی تب وہ مزدور کاریز کی تہ میں پہنچا اور نعش کو رسّی میں باندھ کر کھینچ لیا۔ جب وہ مزدور باہر نکلا تو اس نے بیان کیا کہ اس کاریز کے اندر پانی بافراط ہے اور چار فرسنگ تک چلی گئی ہے۔ اور مشہور ہے کہ کیخسرو کے حکم سے یہ کاریز تعمیر کی گئی ہے۔

قائن [۲۲۲] ۲۳ ربیع الاوّل کو میں شہر قائن میں پہنچا، تون سے یہاں تک اٹھارہ فرسنگ ہوتے ہیں۔ لیکن قافلہ چار دن میں پہنچتا ہے، کیونکہ اس منزل کے کوس سخت ہیں۔

قائن بڑا شہر اور مستحکم ہی جس کے گرد خندق ہی اور جامع مسجد بھی شہر کے اندر ہی اور جس جگہ مقصورہ ہی وہاں بڑی محراب ہی اور تمام خراسان میں اتنی بڑی محراب میری نظر سے نہیں گزری، لیکن یہ محراب مسجد کے شایان نہیں ہی۔ اور تمام شہر کے مکانات کی چھتیں لداؤ ہیں (جن پر گنبد ہیں)۔

قائن سے جب مشرق و شمال کی طرف روانہ ہوں تو اٹھارہ فرسنگ پر زوزن[۲۲۳] ہی۔ اور جنوبی سمت میں تیس فرسنگ پر ہرات ہی۔ قائن میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کو ابو منصور محمد بن دوست کہتے تھے۔ ہر علم سے باخبر تھا، طب، نجوم اور کسی قدر منطق بھی جانتا تھا۔ مجھ سے سوال کیا کہ افلاک اور ستاروں کے ماورا کیا ہی؟ میں نے جواب دیا کہ چیز کا اطلاق صرف ان اشیا پر ہوتا ہی جو داخل افلاک ہیں (نہ کسی اور پر)۔ یہ سن کر کہنے لگا کہ ان گنبدوں (افلاک) کے ماورا کچھ اور ہی یا نہیں؟ میں نے کہا کہ ضرور ہونا چاہیے، کیونکہ عالم محدود ہی جس کی حد فلک الافلاک ہی۔ اور حد کی تعریف یہ ہی کہ اپنی جز سے جدا نہ ہو۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا تو واجب آیا کہ افلاک کی اندرونی کیفیت بیرونی کے مخالف ہو، پس جس شی کو عقل ثابت کرتی ہی وہ غیر متناہی ہی۔ اور اگر ہی تو کہاں تک؟ اور اگر غیر متناہی نہیں ہی تو وہ کیونکر فنا ہوگا؟ الغرض اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر مجھ سے کہا کہ میں اس مسئلہ میں حیرت زدہ ہو رہا ہوں میں نے کہا سب کا یہی حال ہی۔ الغرض عبید نیشاپوری اور رئیس زوزن کی باہمی مخالفت کے سبب سے ایک مہینہ تک قائن میں قیام رہا۔ اور امیر گیلکی کی سوار کو میں نے یہاں سے واپس کر دیا۔ اور قائن سے بقصد روانگی سرخس روانہ ہوا۔ اور دوسری جمادی الآخر کو سرخس میں داخل ہوا۔ بصرہ سے سرخس تک تین سو نوے[۳۹۰] فرسنگ کا فاصلہ شمار میں آیا۔

سرخس سرخس سے میں رباط جعفری، رباط عمروی اور رباط لغمتی کے راستے سے روانہ ہوا، کیونکہ یہ تینوں رباط اس منزل میں قریب قریب واقع ہیں۔

مرورود اور بارھویں جمادی الثانی کو میں شہر مرورود میں پہنچا۔ اور دو یوم کے بعد براہ آب گرم یہاں سے روانہ ہوکر انیس تاریخ کو فاریاب میں داخل ہوا جو مرورود سے چھتیس[۳۶] فرسنگ تھا۔ اس وقت خراسان کا فرمانروا چغری بک ابوسلیمان داؤد بن میکائیل بن سلجوق تھا۔ مگر ان دنوں امیر مذکور شبورغان میں تھا۔ اور وہاں سے مرو (شاہ جان) جانے کا قصد تھا جو اس کا دارالحکومت تھا، لیکن راستہ کی بدامنی سے میں سنگلان کو چلا گیا۔ اور یہاں سے براہ سہ درہ بلخ میں داخل ہوا۔

بلخ جب میں رباط سہ درہ میں پہنچا تو سنا کہ میرا بھائی خواجہ ابوالفتح عبدالجلیل وزیر خراسان (ملقب بہ ابونصر) کے ارکان میں ہے۔ اور مجھے خراسان سے نکلے ہوئے سات برس ہو چکے تھے۔ جب دست[۲۲۴] گرد میں پہنچا تو میں نے ایک بھیرو بنگاہ دیکھی کہ شبورخان کو جا رہی ہے۔ میرا دوسرا بھائی خواجہ ابوسعید جو ہم سفر تھا، اس نے پوچھا کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ جواب ملا کہ وزیر کا! پھر پوچھا کہ تم ابوالفتح عبدالجلیل کو پہچانتے ہو؟ جواب دیا کہ ابوالفتح کا ملازم ہمارے ساتھ ہے، چنانچہ اسی وقت ایک شخص آیا اور پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ ہم نے کہا کہ حج سے۔ اس نے کہا کہ ہمارے خواجہ کے دو بھائی تھے اور وہ دونوں عرصے سے حج کو گئے ہوئے ہیں اور خواجہ ہمیشہ ان کا مشتاق رہتا ہے، لیکن جس کسی سے پوچھتا ہے کوئی حال نہیں بتاتا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ میں ناصر کا خط لایا ہوں، جب تمہارا آقا ملے گا تو اس کو دوں گا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ قافلہ سڑک پر ٹھیر گیا اور ہم بھی راستے پر کھڑے رہے۔ اس نوکر نے کہا کہ اب

خواجہ آیا ہی چاہتا ہے۔ تم کو موجود نہ پائے گا تو رنجیدہ ہوگا۔ اگر تم ناصر کا خط مجھ کو دو تو میں خواجہ کو دے دوں، وہ بہت خوش ہوگا۔ میرے بھائی نے کہا کہ تم ناصر کا خط چاہتے ہو یا خود ناصر کو؟ دیکھو یہ **ناصر** ہے! وہ خادم خوشی کے مارے ایسا متوالا ہو گیا کہ اس سے کچھ اُٹھاتے دھرتے نہ بن پڑا۔ میں دیہات کے راستے سے بلخ کو جا رہا تھا اور خواجہ ابوالفتح دست گُرد سے آ رہا تھا اور امیر کی خدمت میں خراسان کو جا رہا تھا۔ میرا حال سُن کر دست گُرد سے لوٹا اور جموکیان[۲۵] کے پُل پر ٹھیر گیا، یہاں تک کہ ہم بھی پہنچ گئے۔ یہ شنبہ کا دن تھا اور چھبیسویں[۲۶] تاریخ جمادی الثانی سنہ ۴۴۴ھ (ستمبر ۱۰۵۲ء) کی تھی۔ بھائی سے ملنے کی کوئی امید نہ تھی اور میں خود متعدد مرتبہ ہلاکت میں پڑ چکا تھا اور امیدِ حیات باقی نہ تھی۔ ایسی حالت میں بھائی سے مل کر اور اس کو دیکھ کر ازحد مسرت ہوئی اور خداوند تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور اسی دن ہم سب بلخ پہنچ گئے اور میں نے حسب حال یہ تین شعر لکھے:-

رنج و عنائے جہاں اگرچہ دراز است
با بد و نیک بیگماں بسر آید

چرخ مسافر ز بہر ماست شب و روز
ہر چہ یکے رفت بر اثر دگر آید

ما سفر بر گذشتنی گزرانیم
تا سفر ناگذشتنی بدر آید

ترجمہ اشعار فارسی حسب ذیل ہے :-

رنج و غم ہیں گرچہ دنیا کے طویل | نیک و بد کرتے ہیں سب انساں بسر
واقعہ ہے یہ "ہمارے واسطے | آسماں ہے رات دن گرمِ سفر"
دوسرا ہوتا ہے اُس کا جانشین | ایک جب دنیا سے جاتا ہے گزر
میں بھی ہوں اس راستہ پر گامزن | جس سے ممکن ہی نہیں راہِ مفر
ختم ہو لیعنی کسی عنوان سے | وادی دشوار و بحرِ پُرخطر
(از مترجم)

میں بلخ سے مصر گیا تھا اور وہاں سے مکہ معظمہ اور پھر بصرہ ہو کر فارس میں واپس آیا اور بلخ میں داخل ہو گیا۔ علاوہ بریں ان ممالک کے اطراف میں زیارتوں کو بھی گیا تھا، چنانچہ مجموعی مسافت میری سیر و سیاحت کی دو ہزار دو سو بیس (۲۲۲۰) فرسنگ تھی۔

میں نے جو کچھ دیکھا تھا، اس سرگزشت کو سچائی سے لکھ دیا ہے۔ بعض روایتیں جو میں نے سنی ہیں اگر اس میں کچھ خلاف ہو تو ناظرین اس خاکسار کی جانب منسوب نہ کریں اور مواخذہ سے معاف فرمائیں اور بُرے الفاظ سے یاد نہ کریں۔ اگر خدا نے توفیق دی اور سفرِ مشرق کا اتفاق ہوا تو جو کچھ مشاہدہ کروں گا وہ بھی اس سفرنامہ میں شامل کر دیا جائے گا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَحْدَہٗ الْعَزِیْزُ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

حواشی سفرنامہ متعلق امصار و دیار و مشاہیر حکما و علما وغیرہ

۱ے قُبادیان بلخ کا مشہور ناحیہ تھا، اب ویران ہے۔ معجم البلدان یاقوت حموی صفحہ ۲۳ جلد ۷۔

۲ے مَرو مطلق مَرو سے ہمیشہ مروشاہ جان مراد ہوتا ہے۔ شیخ شیراز فرماتے ہیں ؎ طبیبے پری چہرہ در مرو بود۔ کہ درباغ دل قامتش سرو بود
ارباب جغرافیہ کا قول ہے کہ "بہ لحاظ عظمت وشان اس شہر کو شاہ جان یعنی نفس السلطان (روح سلطان) کا خطاب دیا گیا تھا۔ اور یہ عربی لہجہ ہے خراسانی مروز اور مروشاہ جہاں کہتے ہیں لیکن اس میں بھی وہی جلالت وعظمت ہے۔ صوبہ خراسان میں مَرو، اُم القری کا درجہ رکھتا ہے۔ ابواسحاق اصطخری جس نے ۳۴۰ھ ۹۵۱ء میں بلاد العرب سے ہندوستان تک سیاحت کی ہے اپنے جغرافیہ مسالک الممالک میں لکھتا ہے کہ "مرو ہمیشہ مروشاہجان کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے۔ اس کا قلعہ طہورث پیشدادی کا بنا کردہ ہے اور شہر کا بانی ذوالقرنین ہے۔ مرو ایک کھلے ہوئے میدان میں آباد ہے جس کے اطراف میں پہاڑوں کا کہیں نام نہیں ہے۔ البتہ زمین ریتلی ہے اور تمام عمارتیں مٹی کی ہیں۔ تین مسجدیں ہیں ایک میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور ان مساجد میں ایک مسجد بازار اور دارالامارۃ، ابومسلم خراسانی بانی دولت عباسیہ کی یادگار ہے۔" اصطخری کے زمانہ سیاحت تک امرائے مرو دارالامارۃ میں اجلاس کرتے تھے۔ یہ عمارت اینٹوں کی تھی اور اس کا قبہ ۵۵ گز دور کا تھا، قلعہ وسعت میں شہر کے برابر تھا لیکن اب ویران وشکستہ ہو چکا ہے۔ باوجود بلندی کے قلعہ کے اوپر ہنوز کاریز (زمین دوز نہر) جاری ہیں جن سے کھیتیاں ہوتی ہیں۔ بازار اعلیٰ درجے

کے صاف ستھرے ہیں عید کی نماز محلّہ راس المیدان میں ہوتی ہے اور شہر کے اندر چار نہریں ہرمز فرہ، ماجان، رزیق، نہر سعدی خراسانی جاری ہیں اور ان سب کا منبع دریائے مرغاب (ما، مرو) ہے جو بامیان کی طرف سے بہتا ہوا آتا ہے جس کے گرد عمارات مساجد اور بازار ہیں اور شہر کے اندر چار دروازے ہیں۔ باب المدینہ، باب سنجان، باب بالین، باب درمشکان۔ ابتدا میں مروشاہ جان، مامون الرشید عباسی کا دارالخلافہ تھا اور وہ اس شہر کو بہت پسند کرتا تھا۔ اور اس کا محل باب درمشکان میں تھا۔ ۱۹۷ھ/۸۱۲ء میں امین الرشید پر فتح پانے کے بعد بغداد میں منتقل ہوا۔

عباسیوں کے بعد آلِ سلجوق کا دارالحکومت قرار پایا اور سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں بڑے عروج پر تھا۔ ۶۱۷ھ/۱۲۲۰ء میں تولی خاں نے تباہ کیا۔ اس وقت مرو فوجی چھاؤنی تھی اور یہاں ۹۰ ہزار فوج موجود تھی اور تینوں مسجدوں میں نماز ہوتی تھی۔ تولی خاں نے قتلِ عام کیا اور تقریباً ۲۰۰ برس تک مرو ویران پڑا رہا اور ۸۱۲ھ/۱۴۰۹ء میں شاہرخ مرزا نے ازسرِنو آباد کیا اور دریائے مرغاب سے نہر لایا (آب رفتہ بجو آمد) اور قدیم بند کو درست کیا۔ عمق نہر ۲۰ گز سے ۱۵ گز تھا۔ دسویں صدی ہجری میں اُوزبکوں نے اس کو تباہ و برباد کر دیا۔ اب کھنڈرات باقی ہیں۔ مرو علمی بستی تھی جس کے فقیہہ اور ادیب مشہور ہیں۔ جامع مسجد اور مدارس میں دس عظیم الشان کتب خانے تھے جن کی تفصیل معجم البلدان میں ہے۔ حکیم برزویہ اور باربد مغنی کا وطن تھا۔ آب و ہوا ضرب المثل تھی۔ نہروں کی وجہ سے پانی کی افراط تھی۔ ہر گھر میں حمام تھے۔ روٹی بہ لحاظ ذائقہ تمام خراسان میں مشہور تھی۔ تربوز عراق تک جاتا تھا۔ ریشم کی پیداوار بہت تھی۔ جُرجان اور طبرستان میں جب ریشم کے کارخانے قایم ہوئے تو کیڑے مرو سے بھیجے گئے تھے۔ مرو کے ریشمی کپڑے بھی مشہور ہیں اور میوہ میں منقّی، انجیر، عناب بافراط ہوتا تھا۔ مرو کے مشہور قریے اور ناحیے حسب ذیل ہیں:-

خرق، ہرمز قرہ، باشان، سنجان، سوسقان، دندانقان، مروالرود، قصر احنف اور لوکر۔ مرو سے بعض مشہور شہروں کے فاصلے حسب ذیل ہیں:۔
نیشاپور۔ ۷۰ فرسنگ، سرخس۔ ۳۰ فرسنگ اور بلخ = ۱۲۲ منزل۔ نقشہ میں مرو کا موقع حسب ذیل ہے:۔ طول البلد ۶۲ درجے ۱۰ دقیقہ مشرق، عرض البلد ۳۷ درجہ ۳۰ دقیقہ شمال (انتخاب از اصطخری صفحہ ۲۵۸۔ مقدسی ۲۹۸، ابن حوقل ۳۱۴ ہمدانی ۳۲۰ معجم یاقوت ۲ و گنج دانش حالات مرو و صور الممالک قلمی)۔

پنج دیہہ[۳] جس کا عربی میں "الخمس قُری"، ترجمہ ہوا اس کا مختصر نام خمقری ہے۔ خراسان کے ناحیہ مرورود میں ایک نہایت سرسبز اور آباد قصبہ تھا۔ ابتدا میں پانچ گانو کی آبادی ایک دوسرے سے متصل تھی لیکن آخر میں ترقی کر کے یہ پانچ گانو ایک قصبے کی صورت میں آباد ہو گئے اور اس مجموعہ کا نام پنج دیہ قایم رہا۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں پنج دیہ بڑے عروج پر تھا۔ تاتاریوں نے جب خراسان پر حملہ کیا ہے اس وقت آبادی منتشر ہو گئی۔ یہ ایک علمی بستی تھی، ابو عبداللہ محمد شارح مقامات حریری متوفی ۵۸۴ھ ۱۱۸۸ء اس خاک کا ایک نامور عالم تھا۔ اب بھی پنج دیہ روسی ترکستان میں ایک قصبے کی حیثیت سے آباد ہے۔ نقشہ میں کشک (مرغاب) ندی کے کنارے جانب مشرق واقع ہے طول البلد ۶۲ درجے ۴۵ دقیقے مشرق اور عرض البلد ۳۵ درجے ۵۰ دقیقے شمال ہے۔ ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمٰن خاں والی خدا داد افغانستان کے عہد میں گورنمنٹ روس کے مقابلے میں جب حد بندی کے لیے کمیشن مقرر ہوا تو مارچ ۱۳۰۳ھ ۱۸۸۵ء میں پنج دیہ حدود افغانستان سے خارج ہو کر روسی ترکستان میں داخل ہو گیا۔ اور اس وقت فوجی چھاونی ہے۔ آبادی ترقی کرتی جاتی ہے۔ تختہ بازار مشہور چوک ہے، نہایت سرد مقام ہے، موسم سرما میں پنج دیہ کی پہاڑی برف پوش چوٹیوں کا منظر نہایت دلکش ہوتا ہے کسی شاعر نے

کیا خوب کہا ہے:۔

دامنِ کہسار میں پیکِ نظر کے سامنے سلسلہ تھا ایک چٹانوں کا سراسر پیچ و تاب
ان کے اوپر چوٹیاں ابرو پہ بل ڈالے ہوئے جن کے عارض پر پڑا تھا ابر سیمیں کا نقاب
سب کے اوپر برف کا دریائے ابیض موجزن جس کو سورج نے کیا تھا غیرتِ لعلِ مذاب

(معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ و صفحہ ۵۷۴ و انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا و خیابان فارس)

مروالرود یا مروالنہر چونکہ یہ شہر نہر کے کنارے آباد تھا لہذا مروالرود مشہور ہوا۔ حکیم زجاجی کہتا ہے ؎

بنا کام در مروِ رود و شش بکشت ازاں پس کہ شد روزگار ش درشت

آب مرغاب کا سرچشمہ کوہ بامیان ہے۔ آب مرو، بلخ، ہراۃ، اور سجستان کی ندیاں بھی اسی سے نکلی ہیں۔ یہ مرو شاہ جان سے بہت چھوٹا ہے۔ لغت عرب میں مرو اس سفید پتھر کو کہتے ہیں جس سے آگ جلاتے ہیں (چقماق) اور سرخ پتھر سے آگ نہیں جلائی جاتی چونکہ اس علاقے میں سفید پتھر یا اور سفید رنگ کے ریزے بہت ہیں۔ لہذا اس مناسبت سے شہر کا نام مرو قرار پایا تھا۔ ۱۸۸۴ء سے گورنمنٹ روس کے قبضے میں ہے اور روسی ترکستان میں شامل ہے۔ ہرات سے ۲۳۰ میل اور خیوا سے ۲۸۰ میل کا فاصلہ ہے۔ ۶۲ درجے ۳ دقیقہ طول البلد مشرق اور ۳۶ درجہ ۲۸ دقیقہ شمال عرض البلد ہے۔ مرو شاہجان سے پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ مرو کی آبادی نہایت قدیم ہے۔ اس کا یونانی نام مرجیانہ یعنی عروس البلاد ہے۔ عربوں کے عہد میں بھی نہایت آباد رہا۔ مرو کے مشہور مقامات میں سے قصرِ احنف اور دزہ ہیں۔ قصر مذکور بلخ کے راستے پر ایک منزل کے فاصلے پر تھا۔ اور دزہ انبار کی سڑک پر تھا جس کی مسافت مرو سے ۴ فرسنگ تھی۔ یہاں نہریں جاری تھیں، باغات کی افراط تھی جن میں انگور بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ ایک صدی گزری ہے کہ قدیم مرو کو روس نے تباہ کر دیا ہے جس کے کھنڈرات

باقی ہیں اور مسلمان فاتحین کے مزار ان کی فتوحات کی یاد دلاتے ہیں۔ جدید مرو قدیم شہر سے ۱۰ میل کے فاصلے پر آباد کیا گیا ہے اور یقین ہے کہ **مرورود** کو آیندہ بڑی ترقی نصیب ہو گی۔ کیونکہ سیاسی حیثیت سے اس کا موقع نہایت اہم ہے علاوہ ازیں زراعت و تجارت کے کافی وسایل موجود ہیں۔ **عاشق آباد** (ترکستان میں روسیوں کا نیا شہر جس کی آبادی دس ہزار ہے متصل علاقۂ تفنی ترکمان) سے جو بڑی تجارتی سڑک **مشہد مقدس** کو کوہستان کے محاذ میں جاتی ہے اور مشرق میں **مرو** کی طرف گھوم کر اوّل ہری رود بعدہٗ دریائے تجند کو عبور کرتی ہے، اس پر ریلوے لاین ہے جو بخارا کے علاقے میں ہو کر سینٹ پیٹرسبرگ (پیٹروگراڈ یا لینن گراڈ) دارالحکومت روس تک گئی ہے۔ دریائے مرغاب کے باعث مرو کے علاقے میں نہایت سرسبز و شاداب نخلستان (کھجور کے باغات) ہیں اور اطراف شہر میں باغات ہیں جن میں انگور اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے اور خربوزہ بھی، مرو کا بازار پُر رونق ہے، جہاں اونٹ، گھوڑے، بھیڑیں اور ترکمانی قالینوں کی تجارت ہوتی ہے۔ بردہ فروشی کا بازار اب سرد پڑ گیا ہے۔ ملکی پیداوار میں کپاس خوب ہوتی ہے۔ پہاڑوں سے گندھک، نمک، کویلہ وغیرہ کافی مقدار میں نکلتا ہے۔ مرو کی نسبت سے مَرودشت بھی مشہور ہے لیکن وہ صوبۂ فارس کا ایک جنگل ہے جس کو مرورود سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ مرو کی نسبت مروی اور مروزی آتی ہے۔ اصطخری ۲۶۹ - (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۳۲ و کتاب "ورلڈ آف ٹوڈے" حالات روسی ترکستان جلد دوم) جدید حالات کے لیے مسٹر امینڈ کا سفرنامہ (مرواوس) دیکھنا چاہیے جس میں آثار قدیمہ کے بھی نقشے ہیں۔

۵ ابوسلیمان جعفری بک ترکستان اور بلاد چین کے مابین جو عظیم الشان درۂ کوہ واقع ہے وہی ترکی اقوام کا مسکن تھا

اوران اقوام کے اسباب حیات بھی اسی جگہ مہیا تھے۔ غزی، خطائی، تاتاری، ترکمانی، سلجوقی سب ایک ہی قبایل ہیں اور پھر ان میں تاتاری اور سلجوقی خاص کر ممتاز ہیں۔ سلجوق بانیٔ خاندان کا نام تھا جس کے دو پوتے طغرل بک محمد اور اور چغری بک داؤد نہایت نامور ہوئے اور انھوں نے اپنے قبایل کی مدد سے ایک عظیم الشان سلطنت قایم کی۔ ناصر خسرو جب سفر کو نکلا ہے اس وقت چغری بک اپنے بڑے بھائی طغرل بک کی طرف سے جیحون سے نیشاپور تک جو علاقہ تھا اس کا والی (گورنر) تھا۔ سنہ ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء میں جب سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہوگیا اور سلطان مسعود تخت نشین ہوا تو طغرل بک اور چغری بک نے ملک میں عام بغاوت کردی اور فریقین میں مقابلے جاری ہوگئے چنانچہ نیشاپور (سنہ ۴۲۹ھ / ۱۰۳۷ء) اور خراسان (سنہ ۴۳۱ھ / ۱۰۳۹ء) کی فتح پر ان لڑائیوں کا خاتمہ ہوگیا اور سلطنت غزنویہ کے کھنڈرات پر سلجوقی ایوان حکومت کی بنیا دڈالی گئی۔ امیر المومنین القایم بامر اللہ عباسی کے دربار سے طغرل بک کو سنہ ۴۳۱ھ میں رکن الدین کا خطاب ملا اور خلعت کے ساتھ مذہبی حیثیت سے بلاد مفتوحہ کی سند حکومت بھی مرحمت ہوی۔ اس کارروائی کے بعد طغرل بک نے اپنا دار السلطنت "ری" کو قرار دیا اور چغری بک نے بحیثیت والی، مرو شاہجان کو دار الحکومت بنایا جس کے ماتحتی میں اس وقت ناصر خسرو جوزجانان کا افسر مال (حاکم پرگنہ) تھا۔ چغری بک نے بہ مقام بلخ بتاریخ ۱۸ رجب سنہ ۴۵۱ھ یوم دوشنبہ مطابق ۳۰ اگست سنہ ۱۰۵۹ء انتقال کیا۔ الپ ارسلان، جو بعد میں اپنے چچا طغرل کے لاولد فوت ہونے پر وارث سلطنت ہوا، اسی چغری بک کا بیٹا تھا۔

۶۔ قران دو چیزوں سے انصال کا نام قران ہے اور اصطلاح نجوم کے مطابق، باستثنائے آفتاب جب دو ستارے کسی برج میں داخل ہوں تو ان کو

قران کہتے ہیں یہ اتصال ایک درجے پر ہو یا ایک دقیقہ یا ثانیے پر۔ راس و مشتری کا قران عروج و شرف میں نہایت سعید ہوتا ہی اور دعا قبول ہوتی ہی۔ یہ نجومیوں کا عقیدہ ہی۔

ے۔ **جوزجانان یا جوزجان** وجوز جانات، مابین مرو رود و بلخ کا ایک بڑا پرگنہ ہی، جس کا صدر مقام یہودیہ تھا۔ اور اس کے مشہور مواضعات، شبورغان، انبار، فاریاب، انخذ (اندخود) کندرم، مرسان، برزور ہیں۔ اور یہ کل پہاڑی علاقہ ہی مگر نہروں کی وجہ سے سرسبز ہی۔ شبورغان سے انبار ایک منزل اور فاریاب سے تین منزل ہی۔ آب و ہوا معتدل ہی جوز اور غلہ زیادہ اور میوہ کم پیدا ہوتا ہی۔ دباغت کیا ہوا چمڑہ اس علاقے سے تمام خراسان میں جاتا تھا (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۱۶۷ و اصطخری جلد اول صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ لیڈن ۱۸۷۰ء و ابن حوقل ۳۲۲)

ہ۔ **قدیم سنہ فارسی یزدجردی** اقوام عالم میں جو سنین جاری ہیں ان میں سنہ فارسی بہ لحاظ قدامت سب پر فائق ہی۔ .... یہ سال شمسی اصطلاحی تھا یعنی آفتاب منطقۃ البروج کا سالانہ دورہ ۳۶۵ دن میں کرتا تھا اور نجومیوں نے سالانہ ایام کی تقسیم اس طرح پر کی تھی کہ گیارہ مہینے تیس تیس یوم کے اور بارھواں مہینہ اسفندار ۳۵ یوم کا رکھا تھا۔ لیکن اس پنج روزہ اضافے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دور شمسی میں ہر سال تقریباً ایک چوتھائی دن (ربع شبانہ روز) کی کسر پڑنے لگی جو چوتھے برس ایک دن کے برابر ہو جاتی تھی۔ جس کے پورا کرنے کے لیے ایک سو بیس سال کے بعد ایک مہینہ کبیسہ (لوند)۔ کا بڑھا کر اس سال کو تیرہ مہینے کا کر دیتے تھے۔ اور جس مہینہ کے آخر میں کبیسہ ہوتا تھا وہی نام اس مہینے کا بھی رکھ دیتے تھے چنانچہ اس اصول کے مطابق سب سے پہلا کبیسہ ماہ فروردین میں اور دوسرا اُردی بہشت میں

اور تیسرا خرداد میں ہوا کرتا تھا۔ اور اسی ترتیب سے ایک ہزار چار سو چالیس (۱۴۴۰)
(۱۲۰ × ۱۲ = ۱۴۴۰) سال کی مدت میں ماہ اسفندار پر کبیسہ کا دور ختم ہو جاتا تھا۔
چنانچہ اس عظیم الشان جشن کا فخر صرف **جمشید** کو حاصل ہوا۔ اور جمشید کے بعد رسم
قرار پا گئی کہ ہر کیم فروردین کو عام جشن منایا جائے چنانچہ تاریخ عجم میں یہی جشن
نوروز اکبری کے نام سے مشہور رہی اور آج تک تمام مملکت ایران میں یہ جشن
منایا جاتا ہی اور برج حمل میں آفتاب اسی تاریخ کو داخل ہوتا ہی حکیم **عمر خیام**
نیشاپوری نے اس سنہ کی اصلاح کی اور اس کا نام سنہ جلالی ملک شاہی
رکھا۔ فرمانروایان اسلام نے ایرانی رسم و رواج کے لحاظ سے سنہ فارسی
یزدجردی کے اجرا میں باوجود سنہ ہجری کے کوئی مداخلت نہیں کی چنانچہ
ناصر خسرو کے زمانے میں سنہ ہجری کے ساتھ سنہ فارسی بھی لکھا جاتا تھا جیسا
کہ فی زمانناسنہ ہجری و انگریزی لکھا جاتا ہی۔

۹۔ شَبُورْغان | شبرغان، اشبورقان، اشفورقان، شبورقان، شبرقان، شفرقان، اسورقان، استورقان یہ مختلف لہجے ہیں۔

مصنف جام جم کا قول ہی کہ شبرغان پرگنۂ جوزجانان کا صدر مقام تھا اور آٹھویں
صدی تک خوب آباد رہا، بہرحال پرگنے میں یہ سب سے بڑا قصبہ تھا۔ اور بلخ
سے ۲۲ فرسخ (مسافت دو یوم) کا فاصلہ ہی۔ اصطخری وغیرہ نے بھی ناحیۂ جوزجانان
کا قصبہ لکھا ہی یہ نہایت سرسبز مقام ہی نہر جاری ہی باغات کمتر ہیں مگر زراعت
بہت ہوتی ہی۔ سنہ ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) تک آباد تھا (معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۷۹
و جام جم صفحہ ۴۵۶ و اصطخری ۲۷۱)

۱۰۔ باریاب | (فاریاب) پرگنۂ جوزجانان کا، ایک آباد گانو تھا جو مغربی
جیحون پر تھا اور شبورغان سے تین منزل کا فاصلہ تھا اور طالقان بھی اسی قدر

فاصلے پر فاریاب سے ہے۔ امام محمد بن یوسف شاگرد حضرت سفیان ثوری و امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ظہیر فاریابی، اس کے نامور فرزند ہیں بلخ سے فاریاب ۶ منزل پر ہے اکثر طلبہ فاراب اور فاریاب میں غلطی کرتے ہیں۔ فاراب بلاد فرغانہ (ماوراءالنہر) میں بلاساغون کے متصل ایک پرگنہ ہے اور دنیائے اسلام میں معلم ثانی ابو نصر محمد بن طرخان فارابی متوفی ۳۳۹ھ ب ۹۵۰ء کے انتساب سے قیامت تک مشہور رہے گا۔ فاریاب، طالقان سے چھوٹا ہے۔ مگر پانی کی افراط ہے، باغات کثرت سے ہیں، مکانات مٹی کے ہیں۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ فاریاب ایک متمدن شہر ہے تمام ضرورت کی اشیاء ملتی ہیں۔ جامع مسجد میں مینارہ نہیں ہے (اصطخری صفحہ ۲۷۰، ابن حوقل ۳۲۱، معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۳۲۲، ۳۲۸)

۱۱۔ سنکلان یہ عجمی لہجہ ہے۔ عربی جغرافیوں میں یہ نام نہیں ہے تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ موضع سنجان ہے جو مروَرود کے گویا دروازے پر ہے اور اس کو درسنکان بھی کہتے ہیں (معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۱۴۶)

۱۲۔ طالقان اس نام کا ایک بڑا شہر صوبہ طخارستان میں ہے اور مختلف مقامات میں اس نام کے چند قصبات بھی ہیں یہ طالقان، مروَرود اور بلخ کے درمیان ہے جن میں صرف تین منزل کا فاصلہ ہے (از معجم البلدان جلد ۶ ابن حوقل صفحہ ۳۲۱)

۱۳۔ نیشاپور لَیْسَ فِی الْاَرْضِ مِثْلُ نَیْسَابُوْر ... بَلَدٌ طَیِّبٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْر

(ابوالعباس روزنی)

حبذا خاکِ نشاپور و خوشا آب دہیر ... کہ نہ آب است و نہ خاک است گلاب است و عبیر

سطح سمندر سے ۳۹۲۰ فٹ بلندی پر واقع ہے۔ طول البلد ۳۶ درجہ ۱۲ دقیقہ عرض البلد ۵۸ درجہ ۴۰ دقیقہ ہے اور مشہد مقدس کے مغرب میں ہے۔ صوبۂ خراسان میں نیشاپور کا شمار ام البلاد میں ہے اور قدیم نام ابرشہر ہے۔

۱۴۔ سَرخَس جس کو سَرخُس بھی کہتے ہیں، صوبۂ خراسان میں ایک قدیم شہر ہی جو مروشاہجان اور نیشاپور کے ٹھیک وسط میں واقع ہی اور سرخس سے ہر دو مقامات کا فاصلہ ۶ منزل ہی۔

۱۵۔ امہات المدارس چوتھی صدی ہجری سے قبل دنیائے اسلام میں باضابطہ اجرائے مدارس کا پتہ نہیں چلتا ہی۔

علامۂ سیوطی "حسن المحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ" میں لکھتے ہیں کہ ۴۰۰ھ (۱۰۰۹ء) میں الحاکم بامراللہ فاطمی نے قاہرہ میں ایک شاندار مدرسہ تعمیر کیا تھا گویا سلطنت کی طرف سے رعایا کے لیے یہ پہلا مدرسہ تھا جو سلاطین اور امرائے دولت کے لیے چراغ ہدایت بنا، بعدازاں نیشاپور میں عام قومی چندے سے ایک مدرسہ[۲] استاد ابوبکر بن فورک متوفی ۴۰۶ھ (۱۰۱۵ء) کے لیے تعمیر ہوا۔ تیسرا[۳] مدرسہ نیشاپور میں امیر نصر بن سبکتگین (برادر محمود غزنوی) نے ۴۱۰ھ (۱۰۱۹ء) میں یا اس کے بعد ہی قایم کیا اور سعدیہ نام رکھا۔ امیر نصر ان دنوں نیشاپور کا گورنر تھا، چوتھا[۴] مدرسہ ابوسعد اسمعیل بن علی المثنیٰ استرآبادی، صوفی، واعظ اور شیخ الخطیب نے نیشاپور میں قایم کیا، پانچواں[۵] مدرسہ طغرل بیگ سلجوقی کا تھا جو ناصر خسرو کے دوران سفر میں زیر تعمیر تھا اور جس کی تعمیر بازار سراجان میں جاری تھی لیکن علامۂ سیوطی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہی کہ نیشاپور میں جو مدارس قایم ہوئے ان میں سب سے پہلا مدرسہ بیہقیہ تھا، جس کے مدرس اعظم ابوالقاسم اسکاف اسفرائینی تھے اور امام الحرمین ابوالمعالی متوفی ۴۷۸ھ (۱۰۸۵ء) استاد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسی مدرسے کے ایک نامور طالب علم تھے۔ اس کے بعد بغداد میں بماہ ذیقعدہ ۴۵۹ھ (۲۴ اکتوبر ۱۰۶۵ء) مدرسہ نظامیہ خواجہ نظام الملک طوسی بن کر تیار ہوا، جو بلحاظ چند خصوصیات کے گویا دنیائے اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ تھا اس

سلسلے میں محمود غزنوی کا مدرسہ بھی قابلِ ذکر ہی جو بمقام دارالسلطنت غزنین ۴۱۰ھ ۱۰۱۹ء میں قایم ہوا اور جس پر فتوحات ہندوستانی کا ایک قیمتی حصہ صرف کیا گیا اور مصارف کے لیے دوامی جاگیر وقف کی گئی (تفصیل کے لیے دیکھو نظام الملک طوسی، و حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ مصر)

۱۶۔ خواجہ مُوّفق عہد طغرل بک سلجوقی میں ہیبت اللہ ملقب بہ خواجہ موفق ایک نامور شخص گزرا ہی جو دفتر انشار میں رسایل فارسی کا منشی تھا اور خواجہ موفق کا بیٹا ابوسہل دارالانشار فارسی کا افسر اعلیٰ تھا۔ ابوسہل علمائے شافعیہ نیشاپور کا صدر شمار کیا گیا ہی (آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۲۹ و گنج دانش صفحہ ۵۰۲)

۱۷۔ کُوان قدیم و جدید جغرافیوں میں اس کا نام نہیں ہی۔ غالبًا کوئی کوہستانی موضع تھا، جس کے اندر ہو کر قومس کو سڑک گئی ہی۔

۱۸۔ قومِس (اقلیم الدیلم) کومہ فارسی میں ان جھونپڑوں (منڈوہ) کو کہتے ہیں جو معمولی بانس نرکل اور گھانس وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں اور جن کے اندر بیٹھ کر کاشتکار کھیتوں اور پالیزوں کی حفاظت کرتے ہیں اور شکاری جو کمین گاہ (پارچہ) بناتے ہیں اس کو بھی کومہ کہتے ہیں اور جنگل میں بادشاہ کے شکار کے لیے جو کمین گاہ بنائی جاتی تھی اس کا نام "کومہ شہ" تھا۔ چنانچہ یہی لفظ عربی زبان میں جاکر قومش ہو گیا۔ جس کو عرب عمومًا قومس کہتے ہیں۔ نقشے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ پرگنہ قومس دامن کوہ میں واقع ہی۔ یاقوت لکھتا ہی۔ "قومس وھی کورۃ کبیرۃ واسعۃ تشتمل علے مدن وقری ومزارع وھی فی ذیل جبال طبرستان"۔

۱۹۔ بِسطام "شاہ رودندی کے کنارے آباد ہی۔ جس کا صدر مقام شاہ رود

ہی ہے، یہ ایک وسیع اور دولت مند ضلع ہے کوہ البرز اس علاقے کو استرآباد سے جُدا کرتا ہے ایرانی گورنر بسطام میں رہتا ہے۔ حضرت شیخ العارفین طیفور ملقب بہ بایزید متوفی ۲۶۱ھ کا مزار زیارت گاہ خلایق ہے اور مزار کے قریب منارۂ لرزاں ہے۔ اور چونکہ وسط خراسان میں ہے لہٰذا تجارتی منڈی ہے۔ سفرنامۂ شمس العلما آزاد دہلوی میں بسطام کا تذکرہ موجود ہے۔ (از جام جم وخیابان فارس وگنج دانش)

۲۰۔ دامغان اس شہر کی آبادی نہایت قدیم ہے۔ یہ خالص آتش پرستوں کی بستی تھی، اس بنا پر اس کا نام دِہ مَغان تھا۔ حکیم لامعی گرگانی شدت سرما کے متعلق کہتا ہے ؎

گردد بہر دیار ، دریں فصل روزگار

آتش پرست خلق چو در دامغاں مُغاں

چنانچہ کثرت استعمال سے دامغان ہوگیا ہے۔ پرگنۂ قومس کا دامغان صدر مقام ہے اور بسطام یہاں سے دو منزل ہے۔ قلعہ قدیم ہے جس میں تین پھاٹک ہیں اور قلعے کے اندر بازار ہیں، آبنوشی کے لیے مرو کی طرح مکانات ہیں حوض بھی ہیں اور ایک دن کی مسافت پر گردکوہ کا وہ مشہور جنگل ہے جہاں اسماعیلیوں کا مشہور مستحکم قلعہ تھا۔ طہران سے ۲۱۶ میل کے فاصلے پر (رے اور نیشاپور کے مابین) اس سڑک پر واقع ہے جو خراسان کو جاتی ہے۔ حکیم منوچہری اسی شہر کا ایک نامور فاضل اور شاعر تھا (معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۲۶ وانسائیکلوپیڈیا برطانیکا صفحہ ۷۸۷ جلد ۷ وانسائیکلوپیڈیا آف اسلام صفحہ ۹۰۱ جلد اوّل ومقدسی ۳۵۵)

۲۱۔ آب خوری وچاشت خواران قدیم کتابوں میں ان مقامات کا ذکر نہیں ہے، معمولی مواضعات معلوم ہوتے ہیں۔

۲۲۔ سمنان ری اور دامغان کے مابین ایک خوشنما شہر ہے۔ تجارت

معقول ہے اور ہندستان کے بنیے بھی تاجرانہ حیثیت سے موجود ہیں تقریباً ۲۵۰ گھر ہوں گے، مردم شماری ۲۰۰۰۰ ہے، کوہ دماوند کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے طول البلد ۵۳ درجہ ۳۲ دقیقہ اور ۳۵ درجہ ۳۳ دقیقہ عرض البلد ہے سمنان کا انار مشہور ہے۔

(خیابان فارس و معجم البلدان)

۲۳ ابو علی نسائی یہ کوئی تاریخی شخص نہیں ہے بلکہ ملائے مکتبی معلوم ہوتا ہے۔ ناصر خسرو نے اس کے متعلق جو رائے قایم کی ہے وہ صحیح ہے اس شخص نے بو علی سینا کو دیکھا ہوگا کیونکہ ناصر کے زمانے سے دس برس پہلے بو علی سینا زندہ تھا۔ نسا خراسان کا مشہور شہر ہے اب ویران ہے جس میں صرف ایک موضع کی شان باقی ہے۔ نیشاپور سے ۶ یا ۷ دن کی مسافت پر تھا ابو عبد الرحمٰن صاحب کتاب السنن، اس شہر کے باشندے تھے۔

۲۴ بو علی سینا ابو علی الحسین بن عبد اللہ بن الحسن بن علی بن سینا بخاری مشہور شیخ الرئیس فلسفہ، حکمت اور طب کا مشہور امام ہے۔ موضع خرمثین (بخارا ۳۷۵ھ / ۹۸۵ء) میں پیدا ہوا اور ۲۰ برس کی عمر میں تکمیل علوم و فنون سے فارغ ہوگیا اور درس دینا شروع کیا۔ فن طب میں بو علی سینا، عدیم النظیر مانا گیا ہے۔ ۵۳ سال کی عمر میں بمقام ہمدان ۴۲۷ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۰۳۶ء میں انتقال کیا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا تذکرہ ابن ابی اُصیبعہ میں عربی کلام کا نمونہ موجود ہے۔ فارسی میں فخریہ کہتا ہے۔

از قعرِ گل سیاہ تا اوجِ زحل	کردم ہمہ مشکلات عالم را حل
بیروں جستم ز قید ہر مکر و حیل	ہر بند کشودہ شد، مگر بند اجل

تصانیف بو علی سینا:- کتاب المجموع[1] ۲ جلد، الحاصل والمحصول[2] ۲۰ جلد، الانصاف[3] ۲۰ جلد، البر والاثم[4]، کتاب الشفا[5] ۱۸ جلد، قانون[6] ۱۴ جلد، الارصاد[7]، کتاب النجات[8]

۳ جلد، الاشارات[۹]، لسان العرب[۱۰] ۱۰ جلد، المبدء[۱۱] والمعاد، المختصر الاوسط[۱۲]۔

۲۵۔ بلخ | یونانی میں بکٹرا (BAKTRA) اور قدیم فارسی میں بختریش (BAKTRISH) یا باختر کہلاتا تھا۔ بلحاظ قدامت صوبۂ خراسان میں بلخ کا شمار بھی ام البلاد میں ہے۔ عہد اسلام میں بھی بلخ عروج پر رہا۔ ۱۲۰۰ مسجدوں میں جمعے کی نماز ہوتی تھی اور قبۃ الاسلام خطاب تھا دور چنگیزی (۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء) اور تیموری میں بہت تباہ ہوا۔ سنہ ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء سے افغانستان کی حکومت میں ہے، جس کا فاصلہ اندخوی سے جانب مشرق ۱۰۰ میل اور جیحون سے جنوب کی طرف ۴۰ میل ہے سطح سمندر سے بلندی ۱۲۰۰ فٹ ہے، موجودہ آبادی ۵۰۰ مکانات کی ہے، جس میں افغانی، یہودی آباد ہیں۔ ۳۶ درجہ ۴۵ دقیقہ طول البلد اور ۲۶ درجہ ۴۸ دقیقہ عرض البلد ہے۔

۲۶۔ رَیّ | عراق عجم میں نہایت قدیم شہر ہے، جس کو عربوں نے بلحاظ دیرینہ سالی شیخ البلاد (شہروں کا قبلہ وکعبہ) کا خطاب دیا تھا۔

۲۷۔ ساوہ | (اقلیم الجبال) یہ ایک خوب صورت شہر ہے، جو ری اور ہمدان کے ٹھیک وسط میں ہے اور ہر دو مقامات سے اس کا فاصلہ ۳ فرسخ ہے اور طہران سے ۷۲ میل ہے۔ ساوہ سے دو فرسخ پر شہر آوہ (آبہ) ہے۔ یہ دونوں شہر سنہ ۶۱۷ھ / ۱۲۲۰ء تک خوب آباد تھے۔ اس کے بعد تاتاریوں نے دونوں کو برباد کیا، ساوہ میں ہر علم وفن کے باکمال گزرے ہیں۔ سلمان ساوجی اسی شہر کا ایک نامور شاعر تھا۔

۲۸۔ ہمدان | ہمدان دامن کوہ الوند (اروند) میں مشہور شہر ہے۔

۲۹۔ آمل | قدیم صوبۂ طبرستان میں جس کو آج کل ماژندران کہتے ہیں، شہر آمل واقع ہے اور صدر مقام ہے۔ بحیرہ خزر سے جانب جنوب ۱۲ میل پر ہے اور اس کے

شمال میں کوہ دماوند کا سلسلہ ہے، قدیم فارسی میں اس کا نام امردہ تھا، اب آمل کہتے ہیں۔ جس کا ترجمہ امید ہے۔ اور قدیم شہر سے جانب مغرب آباد ہے۔ طول البلد ۳۶ درجہ ۳۵ دقیقہ اور ۵۲ درجہ عرض البلد ہے۔ ابن حوقل سیاح نے اس کو ۳۶۷ھ ۹۷۸ء میں دیکھا تھا اس وقت یہ شہر قزوین کی طرح نہایت آباد تھا۔ ۱۸۹۷ء کے مطابق موجودہ مردم شماری دس ہزار ہے۔

۳۰۔ فرسنگ ناصر خسرو نے سفر نامے میں اظہار مسافت کے لیے لفظ فرسخ کا استعمال کیا ہے، زمانۂ حال میں فرسخ طول ملک کے مختلف حصوں میں نوعیت زمین کے لحاظ سے مختلف ہے۔ ایرانی ایک فرسخ کی تعبیر اس فاصلے سے کرتے ہیں جو ایک لدا ہوا خچر ایک گھنٹہ میں طے کرے۔ چنانچہ پہاڑی علاقوں میں ایک فرسخ تین میل سے زیادہ نہیں ہے اور میدانی علاقے میں بعض مرتبہ چار میل سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

فرسخ، پارہ سنگ (PARASANG) کا معرب ہے۔ یہ ایک بابلی پیمانہ تھا جس کی مقدار ۳٫۵۲۲ میل تھی۔ عربوں کا فرسخ یقیناً پارہ سنگ کا معرب ہے۔ یونانی میں یہ لفظ TTAGUSYYNS ٹنگوسینس ہے اور فارسی میں فرسنگ ہے۔ ژند و اوستا میں فرسخ سے وہ فاصلہ مراد تھا، جہاں سے ایک دوربین شخص ایک اونٹ کو دیکھ سکے اور یہ بتائے کہ یہ اونٹ سفید ہے یا سیاہ، لرستان میں فرسخ وہ مقدار ہے جہاں سے نقارے کی صاف آواز سنائی دے۔ فی زماننا فرسخ کی مقدار ۳٫۹۱۵ میل ہے ارباب جغرافیہ ولغت نے عام طور پر ۳ میل کا ایک فرسخ قرار دیا ہے اور تفصیل میں بال کی کھال نکالی ہے۔ ایک منزل کے لیے اہل عراق لفظ برید استعمال کرتے ہیں جس کا فاصلہ ۱۲ میل ہے اور خراسان میں ایک برید ۶ میل کے برابر ہے اور ایک مرحلہ ۶ یا ۷ فرسخ کا ہوتا ہے یعنی ۱۸ یا ۲۱ میل (اصطخری)

۳۱۔ دماوند شمالی ایران کا سب سے اونچا پہاڑ ہی جس کی بلندی ۱۸۶۰۰ یا ۱۹۴۰۰ فٹ ہی یہ پہاڑ دراصل کوہ البُرز کی ایک مشہور چوٹی ہی۔ جس کے اوپر ہمیشہ برف کے تودے نظر آتے ہیں۔ طول البلد ۳۶ درجہ عرض البلد ۵۰ درجہ ہی۔ دماوند قریب زمانے کا لہجہ ہی۔ عرب کے سیاحوں نے اس کو دُنباوند اور دباوند لکھا ہی۔

۳۲۔ قزوین یہ ایک قدیم شہر ہی جس کا بانی شاپور بن ہُرمز ملقب بہ ذوالاکتاف (۳۰۹-۳۷۹ء) تھا۔ فارسی میں قزوین یا کشوین کا ترجمہ "حد محفوظ" ہی۔ اس عہد کے کھنڈرات ہنوز باقی ہیں، قدیم نقشے میں دیکھو طہران کے بعد قزوین پھر سُلطانیہ اور اس کے بعد قصبۂ زنجان ہی، یہ مسلسل آبادی ہی چنانچہ قزوین سے طہران تک سَوّ میل (برابر ۲۴ فرسخ = مطابق ۹۶ میل = موافق ۶ منزل بحساب ۱۶ میل) کا فاصلہ ہی۔ اصطخری اور ابن حوقل نے مشہور مقامات سے حسب ذیل فاصلہ لکھا ہی:۔

رَی سے قزوین ۲۷ فرسخ = ۴ مرحلہ
قزوین سے اَبہر ۱۲ 〃 = ۲ 〃
ابہر سے زنجان ۲۰ 〃 = ۲ دن کا راستہ ہی۔

خلافت عثمانیہ میں قزوین پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ اس شہر میں ہر علم و فن کے اس قدر علماء گزرے ہیں کہ جن کی تاریخ کئی جلدوں میں لکھی جاسکتی ہی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے خاص قزوین میں ایک جامع مسجد تعمیر کی تھی جس پر ایک بڑی جایداد وقف تھی، لارڈ کرزن بہادر لکھتے ہیں کہ "یہ مسجد ہنوز موجود ہی۔ پچھلے دور میں شاہ طہماسپ اوّل نے (۹۳۱ھ ۱۵۲۴ء) میں اس کو دارالسلطنت بنایا اور عباس اوّل کے عہد میں (۱۰۳۹ھ ۱۶۲۹ء) تک یہ دارالسلطنت رہا، بعد ازاں یہ اعزاز طہران کو حاصل ہوا۔

عہد صفویہ میں قزوین بڑے عروج پر تھا، طہماسپ اول نے ایک عالی شان قصر بنوایا تھا، جس کا صرف ایک عالیشان دروازہ ہنوز باقی ہے۔ ۱۰۹۰ھ میں حسن بن صباح باطنی نے قزوین پر قبضہ کیا تھا اور اس کا خوفناک قلعہ التمونت (آشیانۂ عقاب) یہاں سے صرف تین میل کے فاصلے پر پیچدار پہاڑوں کے اندر تھا، لیکن باوجود انقلابِ حکومت اور زلزلوں کے آج بھی قزوین ایک شاندار مقام ہے اور عراق عجم میں ضلع کا صدر ہے جو طہران کے شمال و مغرب اور گیلان کے جنوب میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے ۴۱۶۵ فٹ بلند ہے، ۳۶ درجہ ۱۵ دقیقہ طول البلد اور ۴۹ درجہ ۵۶ دقیقہ عرض البلد ہے۔ موجودہ مردم شماری چالیس ہزار ہے۔

میرے عزیز دوست خواجہ غلامُ الثقلین بی۔ اے پانی پتی مرحوم اپنے سفرنامۂ ایران میں لکھتے ہیں کہ "۱۵ ستمبر ۱۹۱۱ء کو مغرب سے ایک گھنٹہ قبل طہران سے روانہ ہوا تھا اور ۱۶ ستمبر ۱۹۱۱ء کو عصر کے وقت (۲۴ گھنٹے میں) قزوین پہنچا۔ قزوین بارونق شہر ہے، میں جامع مسجد میں نماز پڑھنے گیا واقعی نہایت شاندار مسجد ہے اور اس قسم کی تعمیر ہے جیسے مسجد سپہ سالار اور لاہور کی مسجد شاہی کے برابر وسعت ہے چاروں طرف عہد صفویہ کی عمارت بنی ہوئی ہے۔ یہ مسجد زمانۂ فتح علی شاہ قاچار میں درست کی گئی ہے، جس پر نہایت عالی شان کتبہ لگا ہوا ہے۔ صرف ایک گنبد مسجد کا ایسا ہے کہ ہزار آدمی اس کے نیچے آسانی سے نماز پڑھ سکتے ہیں اور دائیں بائیں مسجد کے دوسری عمارات ہیں، جن میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار نمازی سما سکتے ہیں۔ مسجد سے تھوڑے فاصلے پر ایک عالی شان عمارت بنام ارک دولتی ہے، جس میں کچہریاں اور باغ ہیں، یہاں تربوز خربوزہ کثرت سے ہے۔ اور آبادی کے اندر ایک قدیم قلعہ بھی ہے۔"

سُلطانیہ | قزوین کے سلسلے میں سلطانیہ، زنجان اور قوہہ کو بھی مختصر طور پر

سمجھ لینا چاہیے۔ اوّل قزوین صدر مقام تھا لیکن اَرغون خان بن ابقائی خاں بن ہلاکو خاں نے قزوین اور زنجان کے مابین دامن کوہ میں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی تھی جو ناتمام رہا، جس کو الجاتیو سلطان نے تمام کیا اور اپنے نام سے منسوب کر کے سلطانیہ نام رکھا اور بجائے قزوین کے یہ دارالحکومت قرار پایا، ساتویں صدی ہجری کے چوتھے عشرہ میں حمد اللہ مستوفی لکھتا ہے کہ "اس شہر میں اس قدر عالی شان عمارات ہیں کہ بجز تبریز کے اور کہیں نظر نہیں آسکتی ہیں" لیکن اب محض ایک قصبہ ہے انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں فتح علی شاہ قاچار نے سلطانیہ کو موسم گرما کا مستقر بنایا تھا۔ مسجد سلطان محمد خدا بندہ کا گنبد یادگار ہے۔

زنجان یہ قدیم شہر ہے جو گیلان اور آذربائجان کے پہاڑوں کے اندر واقع ہے۔ اردشیر بابکان اس کا بانی ہے، فی زمانہ بھی بہت آباد ہے، ۲۰ ہزار کی مردم شماری ہے اور ضلع کا صدر مقام ہے۔

۴۳؎ قوہہ ناصر خسرو براہ قوہہ آذربائجان میں داخل ہوا تھا۔ اس عہد میں یہ ایک آباد موضع تھا، یاقوت نے لکھا ہے کہ ۶۱۷ھ تک یہ آباد تھا، اور رے سے ایک منزل کے فاصلے پر تھا۔ عرب جغرافیہ نویس اس کو قوھذ لکھتے ہیں۔

من کی مقدار من کی مقدار ۳½ پونڈ تھی (پونے دو سیر) اور عرب کا من دو سیر کا تھا۔ من تبریزی ۵½ سیر کا تھا۔ ہندوستان میں علاؤالدین خلجی کے عہد (۱۲۹۵ء) میں سیر ۲۴ تولے کا تھا۔ اس حساب سے من ۱۲ سیر کا ہوا اور من کی مقدار ہر جگہ بدلتی رہتی ہے

۴۴؎ بیل ناصر خسرو نے اس کو قزوین کا ایک موضع لکھا ہے۔ اب اس کا نام و نشان باقی نہیں ہے۔ یاقوت حموی لکھتا ہے کہ بیل، رے کا ایک ناحیہ تھا اور مشہور علمی بستی تھی۔ یاقوت نے متعدد علماء کے نام درج کیے ہیں۔

(انتخاب از معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۴۰۸ حالات خراسان)

۳۵۔ قبان ناصر خسرو نے اس کو بھی قزوین کا موضع لکھا ہے۔ لیکن چھٹی صدی ہجری میں، ترقی کر کے یہ شہر کے درجے پر پہنچ گیا تھا۔ یاقوت لکھتا ہے کہ تبریز کے قریب آذر بائیجان کا ایک شہر ہے (معجم البلدان یاقوت)

۳۶۔ خرزویل ناصر خسرو کے زمانے میں ایک موضع تھا۔ بجز اس سفرنامے کے اور کسی سیاح نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

۳۷۔ طارم وطارمین شہر سلطانیہ سے ایک دن کی مسافت پر مضافات قزوین میں ایک گرم سیر علاقہ تھا جو طارمین کہلاتا تھا۔

۳۸۔ برزالخیر بھی طارم کا مشہور پرگنہ تھا۔ پانی کی افراط سے زراعت خوب ہوتی تھی۔ اس وجہ سے برزالخیر مشہور ہوا یعنی زمین سرسبز۔

۳۹۔ شاہ رود وسپید رود قزوین سے زنجان تک نقشے میں اور نیز قدیم جغرافیوں میں شاہ رود کسی ندی کا نام درج نہیں ہے۔ لیکن بلاد جبل سے جانب شمال، ایک ندی نقشے میں ہے جو قزل اوزن میں گرتی ہے۔

یہی شاہ رود ہے، کیونکہ اس ندی کی نسبت ناصر خسرو لکھتا ہے کہ آگے چل کر یہ ندی سپید رود میں گرتی ہے۔ چنانچہ سپید رود نقشے میں موجود ہے جو آگے چل کر قزل اوزن میں مل جاتی ہے اور قزل اوزن، کوہ البرز سے گزرتی ہوئی علاقہ گیلان اور آذر بائیجان تک تقریباً چار سو میل تک بہی ہے اور گیلان کا علاقہ طے کر کے دریائے آبسکون میں گرتی ہے۔ شہر رشت، سفید رود کے کنارے آباد ہے۔

۴۰۔ آبسکون یہ عام لہجہ ہے اور بعض قدیم کتابوں میں آبِ سکون اور ابوسکون بھی آیا ہے، فرہنگ انجمن آرائے ناصری میں لکھا ہے کہ بحیرۂ خزر کا قدیم نام آبسکون

ہے۔ چنانچہ رودکی کہتا ہے ؎

گرفتہ روئے دریا جملہ کشتی ہائے بر تو
زبہر مدح خوانانت زشیرواں تا بہ آبسکوں

فرخی سیستانی نے محمود غزنوی کی مداح میں لکھا ہے ؎

تو داری از کنار گنگ تا دریائے آبسکوں

وجہ تسمیہ میں لکھا ہے کہ اصل میں "دریائے آسماں گوں" تھا کثرت استعمال سے آب سکون ہوگیا ہے اور بحیرۂ کاسپین کے کنارے جنوب مشرق میں اب ایک قصبہ بھی اس نام سے مشہور ہے۔ بحیرۂ خزر کی تفصیل آیندہ لکھی جائے گی۔ (کاسپین قزوین کا معرب ہے)

بحیرۂ طبرستان پر ایک چھوٹا سا شہر ہے یہاں سے جرجان تین یوم کی مسافت پر ہے اور اسی شہر سے بحر آبسکون منسوب ہے۔ بحر الخزر، بحر طبرستان، بحر جرجان اور آبسکون، یہ سب نام ایک ہیں۔ (ابن حوقل صفحہ ۲۷۷، مقدسی ۳۵۸ یاقوت جلد ۱ صفحہ ۵۲ و جلد ۲ صفحہ ۶۶ و گنج دانش، النسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

۴۱ مرزبان الدیلم یا دولت الدیلم

دیلم یا دیالمہ ایک قبیلہ کا نام ہے جبال طبرستان، و جرجان و گیلان اور رے کی پہاڑیاں اس قوم کے مسکن تھے۔ اسلام سے پہلے ان میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ البتہ طبرستان شہر تھا جس کا فرمانروا اسپہبد کہلاتا تھا۔ لیکن طبرستان کے سردار قدیم سے **مرزبان** (تعلقہ دار) کہلاتے تھے اور عہد اسلام میں بھی یہ خطاب ان کا قایم رہا چنانچہ ناصر خسرو نے بھی "مرزبان الدیلم" لکھا ہے۔ اس عہد میں باوجود انحطاط دولت عباسیہ کے مسلمان فرمانروا اپنے ناموں کے ساتھ "مولیٰ امیر المومنین" لکھنا فخر سمجھتے تھے (یعنی امیر المؤمنین کا آزاد کردہ غلام) خطبے میں

امیر وہودان کا پورا نام جس طرح پڑھا جاتا تھا وہ ناصر خسرو نے لکھ دیا ہی۔ لیکن اس سفرنامے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ امیر وہودان کی طرف سے ملک کے ایک حصّے پر اس کا بیٹا جستان ابراہیم بھی حکمران تھا اور اس کا خطاب جداگانہ تھا۔ جس کو ناصر خسرو نے بصراحت لکھا ہی۔

۴۲۔ جیلان یا گیلان دولت ایران کے چھوٹے صوبوں میں گیلان بلحاظ اتصال سرحد ممالک غیر ایک اہم مقام ہی جو بحر خزر کے جنوبی ساحل پر واقع ہی۔ نقشے میں ۴۸، ۵۰ دقیقہ سے ۵۰ درجہ ۳۰ دقیقہ تک طول البلد ہی۔ اس صوبے کا کل رقبہ مع تالش چھ ہزار میل مربع ہی اور مردم شماری تقریباً چار لاکھ اسّی ہزار ہی اور دار الحکومت رشت ہی مشہور بندرگاہ انزلی ہی۔ جیلان سے اس قدر ارباب فضل و کمال پیدا ہوئے ہیں جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً علم فقہ کا جیلان مخزن تھا۔ جیل سے ہمیشہ اہل جیلان مراد ہوتے ہیں اور جیلی کہلاتے ہیں اور جیل نواح بغداد میں (تحت مداین) مشہور گانو تھا جو شیخ عبد القادر جیلانی قطب الاقطاب کے انتساب سے ضرب المثل ہی (انتخاب از انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ ورلڈ آف ٹوڈے، جام جم، نزہت القلوب، یاقوت)

۴۳۔ دربند اس کا قدیم عربی نام "باب الابواب" اور موجودہ مختصر نام "الباب" اور مغلی نام "دمُور قاپی" ہی، جس کو ایرانی دربند کہتے ہیں۔ زمانۂ سابق میں یہ ایران کی اخیر سرحد تھی۔ بحیرۂ خزر کے کنارے آباد ہی۔ ۴۸ درجہ ۱۶ دقیقہ طول البلد اور ۴۲ درجہ ۶ دقیقہ عرض البلد ہی۔ روسی داغستان کا مشہور شہر ہی۔ ساتویں صدی ہجری میں ارباب جغرافیہ نے اس کو بلاد شروان شاہ کا مشہور شہر لکھا ہی۔ اس ملک کی حد نہر کر سے دربند تک تھی، جس کا مشہور شہر باکویہ (موجودہ باکو) اور مشہور قصبات شماخی اور کشتاسفی (آبادکردہ کشتاسف بن لہراسپ) تھے۔

سنہ ۱۲۲۱ھ میں الگزنڈر اول شاہ روس نے اس علاقہ کو فتح کر کے داخل سلطنت روس کر لیا اور چونکہ ساحل کے کنارے آباد ہی لہذا عمارتیں خوشنما ہیں اور شہر میں ایشیا کا رنگ غالب ہی، سرائیں، ہوٹل، بازار، سب خوبصورت ہیں۔ (گنج دانش، ابن حوقل، ہمدانی، اصطخری، مقدسی)

۴۴ سراب — گرم رود کے متصل اردبیل اور تبریز کے مابین واقع ہی۔ سراب کا حمام جو اس صدی کی تعمیر ہی ضرب المثل ہی۔

۴۵ سعید آباد — سراب اور تبریز کے مابین تھا ناصر خسرو پانچویں دن سعید آباد سے تبریز پہنچا تھا، اب نقشے میں نہیں ہی۔

۴۶ تبریز — صوبہ آذربائجان کا صدر مقام اور اسلامی شہر ہی جس کو قبۃ الاسلام کا خطاب دیا گیا ہی، دامن کوہ میں آباد ہی۔ سطح سمندر سے ۴۴۰۰ فٹ بلند ہی، ۳۸ درجہ ۴ دقیقہ طول البلد اور ۴۶ درجہ ۱۸ دقیقہ عرض البلد ہی۔ اور مردم شماری تقریبًا دو لاکھ ہی۔ گورستان سرخاب میں انوری، خاقانی، ظہیر فاریابی، فلکی شروانی وغیرہ خواب راحت میں ہیں۔ شمس تبریزی کے نام سے تو ایک ایک بچہ واقف ہی۔

۴۷ قطران — شعرائے تبریز میں حکیم قطران کا شمار اساتذہ فن میں ہی اور ضرب المثل ہی، جس کی تصدیق پوربہائی جامی کے ان اشعار سے ہوتی ہی ؎

یا دشمنی کند چو کنی تربیت ورا — درشعر با نظامی و قطران و انوری
ہرگز نہ گفتہ اند دریں اصطلاحِ شعر — فردوسی و دقیقی و پندار و عنصری

(از تذکرۂ دولت شاہ)

البتہ یہ ضرور ہی کہ رعایت لفظی کا ضرورت سے زیادہ دلدادہ ہی اور غالبًا یہی وجہ ہی

کہ ناصر خسرو کی رائے قطران کی زبان دانی کی نسبت اچھی نہیں ہے، کیونکہ ناصر ایک فلسفی شاعر تھا اور وہ جو کچھ لکھتا تھا روزمرہ کی سادہ زبان میں لکھتا تھا۔

۴۸ منجیک ابو الحسن علی محمد الترمذی المعروف بہ منجیک آل سامان کے دربار کا مشہور شاعر ہے عوفی تذکرے میں لکھتا ہے "منجیک از ساحران شاعراں بود"۔ (از کتاب لباب الالباب جلد ۲ محمد عوفی (شعرائے عہد سامانی) صفحہ ۱۳-۱۴)

۴۹ دقیقی دربار فرمانروایان چغانیان (ماوراء النہر) کا شاعر ہے۔

۵۰ مَرَند صوبۂ آذربائجان کا مشہور ضلع اور کمشنری ہے۔ ۴۵ درجہ ۳۳ دقیقہ طول البلد اور ۳۸ درجہ ۳۷ دقیقہ عرض البلد ہے، مرند سے تبریز دو یوم کی مسافت پر ہے۔ اور بلحاظ منزل ۱۱ فرسنگ ہے۔ علمی بستی ہے۔ اس کے اطراف میں باغات ہیں گرد فصیل ہے، جن میں آبادی ہے۔ بازاروں میں جامع مسجد ہیں۔ (معجم البلدان جلد ۸ صفحہ ۲۹، انسائیکلوپیڈیا، مقدسی ۳۷۷)۔

۵۱ خُوَی صوبہ آذربائیجان کا ایک ضلع اور کمشنری ہے۔ جو سرحد کے شمالی و مغربی گوشے میں جھیل اُرمیہ اور نہر ارس کے درمیان واقع ہے

۵۲ بَرکَری اصطخری و ابن حوقل اور مقدسی کے سفرناموں میں یہ منزل موجود ہے۔ زمانۂ حال کے نقشوں میں نہیں ہے

۵۳ آذربائیجان ناصر خسرو کا سفر صوبۂ آذربائیجان میں برکری

پر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد وہ علاقہ شروع ہوتا ہے۔ جو آرمینیا اور ایشیائی ٹرکی کے نام سے موسوم ہے۔ ایران کے شمالی مغربی صوبے کا نام "آذربائیجان" ہے۔ زمانۂ قدیم میں یہ "آذر آبادکان" مشہور تھا۔ البرامکہ کے جدید اڈیشن میں اس کی مفصل تاریخ ہے۔

۵۴۔ وان و وسطان وان ایک قلعہ کا نام ہے جو اخلاط اور نواح طِفلِس میں تھا اور اسی نام سے شہر مشہور ہوا اور وسطان اس کا ایک مشہور قصبہ تھا۔ قدیم کتب جغرافیہ میں "وان و وسطان" دونوں نام ایک ساتھ آتے ہیں حمداللہ مستوفی نے صوبۂ آرمینیا میں اس کا ذکر کیا ہے۔ جھیل وان سے ایک میل کے فاصلے پر جانب مشرق، شہر آباد ہے،

۵۵۔ آرمینیا قدیم نام اَرمَن یا آرمینیا ہے۔ یہ ایک ایسا سرحدی علاقہ ہے، جو دولت ایران، روس، اور ترکی میں منقسم ہے۔ نقشے میں ½ ۴۱ درجہ طول البلد اور ۳۷ لغایت ۳۹ درجہ عرض البلد پر واقع ہے،

۵۶۔ اخلاط جھیل وان کے کنارے آباد ہے، یہ نیا شہر ہے۔ اور قدیم شہر کی آبادی وان کی محاذی ہے۔ قدیم اور صحیح رسم خط خِلاط ہے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ خلاط کا بحیرہ تمام دنیا میں ضرب المثل ہے۔ ابن الکلبی کا قول ہے کہ "بحیرۂ خِلاط بھی عجایبات عالم سے ہے۔ جس میں دس مہینے تک مینڈک، کیکڑا اور کسی قسم کی مچھلی نہیں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن سال کے پچھلے دو مہینے میں مچھلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۵۷۔ پُولؔ ایشیائے کوچک اور علاقۂ آرمینیا میں ایک درہم مسی کا

چلن تھا، جس کو ناصر خسرو نے پُول لکھا ہے یہ تانبے کے بڑے بڑے ٹکڑے تھے۔ جن پر ایک قسم کا ٹھپہ بھی تھا۔ اس کا وزن ۱۲ گریم تھا اور یہ سکہ خاص عیسائیوں کے استعمال کے لیے جاری ہوا تھا اور فی زمانناپول سے ممالک ایران میں روپیہ مراد ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام تحقیقات لفظ درہم)

۵۸ رَطل پیمانے کا نام ہے جو آدھ سیر کا ہوتا ہے تفصیل یہ ہے۔

(الف) رطل = ۱۲ اوقیہ اور ایک اوقیہ = ۴۰ درہم جملہ ۴۸۰ درہم (۱/۴ ۳ پونڈ)

(ب) رطل = ۸ چھٹانک = ۴۰ تولہ = ۴۸۰ ماشہ = ۳۸۴۰ رتی۔

۵۹ بطلس عربی میں بدلیس ہے۔ اور ارمنی میں (BAΛES) ایشیائے کوچک ٹرکی کا مشہور شہر ہے، جو کردستان کا صدر مقام ہے۔ اور بحیرۂ وان سے جانب مغرب ۱۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور صوبے کا نام بھی بطلس ہے جس کا رقبہ ۱۰۴۶۰ میل مربع اور مردم شماری ۳۹۹۰۰۰ ہے۔ طول البلد ۴۲ درجہ ۳ دقیقہ اور عرض البلد ۳۸ درجہ ۲۶ دقیقہ ہے۔

۶۰ قِف اُنظُر اس نام کا کوئی قلعہ دوسرے سفرناموں میں نہیں ہے بلحاظ بلندی عرف عام میں یہ نام کسی قلعہ کا ہوگا۔

۶۱ اویس قرنی رض حضرت اویس بن عامر قرنی سہیل یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سادات التابعین اور اکابر زہاد سے ہیں یمن کے قبیلۂ مراد میں پیدا ہوئے اور موضع قرن میں نشوونما پائی ناصر خسرو نے اس مقام کا نام نہیں لکھا ہے۔ لیکن

دراصل اس جگہ کا نام بھی اُویس تھا اور یہ ایک مشہور منزل ہے جس کا ذکر سفرناموں میں موجود ہے۔ ایمۂ حدیث میں امام مالک اور بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت اویس کے وجود ہی سے انکار کیا ہے ایسی حالت میں جو حدیثیں ان سے مروی ہیں ان کی نسبت کیا رائے قایم ہوسکتی ہے، لیکن اکثریت اس طرف ہے کہ حضرت اویس، ایمۂ حدیث اور تصوف کے رکن اعظم تھے۔ صحیح مسلم، مُصنف بن ابی شیبہ مستدرک حاکم وغیرہ سے کافی حالات اخذ کیے جاسکتے ہیں، راز لواقح الانوار شعرانی، تذکرۂ عطار صفحہ ۱۵-۲۴ مطبوعہ لیڈن، ریاض الصالحین یافعی معجم البلدان یاقوت جلد ۴ صفحہ ۹۷)

۶۲/ قطران سروکوہی (عرعر) کا تیل ہے، جس کو عرب خارشتی اونٹوں پر لگاتے ہیں اور اس کو حیوۃ الموتی بھی کہتے ہیں۔ اور اُس مادی روغن کو بھی کہتے ہیں، جو سیاہ اور بودار ہو جیسے تارکول ہوتا ہے۔ اور اس کا دوسرا نام روغن چیڑ ہے (بہار عجم)

۶۳/ مَیافارِقین دجلہ اور فرات کے درمیان (بالائے جزیرہ) جو علاقہ ہے وہ الجزیرہ اور اقلیم اقور کہلاتا ہے۔ یہ دو حصّوں پر تقسیم ہے۔ چنانچہ جنوبی حصّے کا نام عراقِ عرب اور شمالی کا نام الجزیرہ ہے۔ جس کو عربی میں مابین النہرین (دوآبہ) اور انگریزی میں میسوپوٹامیہ (MESOPOTAMIA) کہتے ہیں۔ الجزیرہ کے حدود حسب ذیل ہیں۔

شمال	آرمینیا	مشرق	کردستان
جنوب	عراق وعرب	مغرب	ایشائے کوچک اور ملک شام

۶۴ ارزن صوبہ آرمینیا کا اب ایک مشہور قصبہ ہے جو میا فارقین کے مغرب میں سات فرسنگ کے فاصلے پر سرات کے متصل واقع ہے۔ عرب ارزن الروم اور قالیقلا کہتے تھے اور موجودہ نام ارض روم ہے جو ایشیائی ترکی کی چھاؤنی ہے ۳۰ میل لمبا ۱۲ میل چوڑا ہے (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

۶۵ رزار مانوش یہ ایک انگور کا نام ہے جو قیصر روم کے نام سے مشہور تھا۔ انگریزی لہجہ رومنس ہے لیکن عرب اور عجم ارمانوس اور رار مانوش کہتے تھے۔

۶۶ امیر نصر الدولہ ناصر خسرو کے زمانے میں دیار بکر کا حاکم تھا جس نے بڑے عیش و تجمل کے ساتھ حکومت کی۔

۶۷ نصریہ یہ کوئی بڑا شہر نہ تھا جس کا تذکرہ کتب جغرافیہ میں ہو بلکہ یہ اس قسم کی آبادی تھی، جیسے اس زمانے کے فرماں روا صدر مقام سے چند میل کے فاصلے پر محلات بنا کر مع خدم وحشم رہا کرتے ہیں، البتہ نصریہ بغداد کے ایک مشہور محلے کا نام تھا جو جانب مغرب واقع تھا۔

۶۸ آمد ناصر خسرو کے زمانے میں دیار بکر کا صدر مقام آمد تھا۔ جس کے حالات ناصر نے تفصیل سے لکھے ہیں،

اس شہر کا قدیم نام "امیدا" ہے چنانچہ موجودہ دیار بکر وہی آمد ہے، جس کو ترک قرہ آمید کہتے ہیں۔ دجلے کے مغربی کنارے ایک پہاڑ پر آباد ہے اور سطح سمندر سے ۲۰۰۰۷ فٹ بلند ہے۔ شہر ۳ میل کے رقبے میں آباد ہے اور قدیم قلعہ بھی دجلے کے کنارے موجود ہے۔ اور شہر میں اس وقت بھی چار دروازے موجود ہیں

۶۹ حرّان تورات مقدس میں اس کا نام حاران ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر حاران سے منسوب ہے۔ فرات کے کنارے، رُہا سے جانب جنوب ۸ گھنٹہ کی مسافت پر واقع ہے۔ اور حرّان سے رقہ دو یوم کی مسافت پر ہے۔ حرّان قدیم شہر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام رُہا سے ہجرت کرکے حرّان میں تشریف لائے تھے حرّان کا قلعہ النجم بہت مشہور ہے۔ اور عہد صابئین کی ہیاکل کے کھنڈرات ہنوز موجود ہیں۔ ۳۹ درجہ ۲ دقیقہ طول البلد اور ۳۶ درجہ ۵۶ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔

۷۰ قِردِی قردی بھی عہد قدیم کا ایک مشہور موضع تھا جس کا تذکرہ ابن حوقل نے موصل کے حالات میں کیا ہے۔ قردی سے چلکر ناصر خسرو آمد میں آیا تھا اور یہ مشہور منزلیں ہیں۔

۷۱ سَروج حرّان سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ اب ویران ہے۔ مقامات حریری کی بدولت ابو زید سروجی کا نام ہنوز زندہ ہے،

۷۲ نہر فرات یہ مشہور و معروف دریا آرمینیا سے نکلا ہے۔ اور عراق ہوکر گزرا ہے اور دجلے سے مل کر خلیج فارس میں آگرا ہے۔

۷۳ منبج یا منبق یونانیوں کا ایک قدیم شہر ہے، جس کا نام ہیراپولیس (HIERAPOLIS) تھا، زمانۂ قدیم کے آثار ہنوز موجود ہیں۔ فرات سے ۳ فرسخ پر سروج اور حلب کے مابین واقع تھا۔ اب ویران ہے۔

۷۴ ناصر خسرو ملک شام میں شام یا سُوریہ۔ زمانۂ قدیم میں ملک

شام دو حصوں پر تقسیم تھا، ایک سوریہ، دوسرا فلسطین۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام سے کچھ زمانہ پہلے جب یہ ملک رومیوں کی حکومت میں چلا گیا تو دونوں حصوں کا نام سُوریہ قرار پایا۔ جو بحر ابیض کے شرقی کنارے پر ایک صوبہ ہے۔ لیکن عربوں نے اس ملک کو شام کا خطاب دیا وجہ تسمیہ میں کوئی کہتا ہے کہ عبرانی میں سام بن نوح کا نام "شام" ہے۔ اور یہ ملک اُن کا آباد کردہ ہے یا یہ کہ یہ ملک خانۂ کعبہ کے بائیں جانب ہے۔ اس لئے شام کہلاتا ہے۔ یا یہ کہ شوم (بدفالی نقیض یمن) سے مشتق ہے۔

۵؎ حلب ملک شام کا مشہور شہر۔ حسن و خوب صورتی میں دوسرا قسطنطنیہ ہے۔

۶؎ رطل ظاہری جس کا وزن ناصر خسرو نے ۴۸۰ درہم لکھا ہے۔ یہ ایک خاص رطل تھا جو خلیفہ الظاہر لاعزاز دین اللہ فاطمی مصری کے نام سے منسوب تھا، الظاہر کا عہد حکومت ۴۱۱ھ سے ۴۲۷ھ تک رہا ہے، جو درہم ملک شام میں اس وقت جاری تھا۔ اس کا وزن ½ ۴۷ گرین تھا۔ اس حساب سے رطل کا وزن ۲۲۸۰۰ گرین ہوا جو تقریباً ¼ ۳ پونڈ انگریزی کے برابر ہے۔

۷؎ حمص قدیم نام قدس تھا۔ یہ شہر ایک دینی مرکز تھا چنانچہ قدس اور حمص کے معنی ایک ہیں حمص سورج کا نام ہے اور قدس مدینۃ الشمس ہے۔ سطح زمین پر آباد اور شام کا قدیم مشہور شہر ہے ۳۷ درجہ ۱۰ دقیقہ طول البلد اور ۳۴ درجہ ۳۶ دقیقہ عرض البلد ہے۔

۸؎ دمشق عرب دِمشق (بالکسر) اور عجم دَمشق (بالفتح) کہتے ہیں چنانچہ

شیخ شیراز فرماتے ہیں ؎

چناں قحط سالے شد اندر دمشق　　　　که یاران فراموش کردند عشق

یونانی نام اس شہر کا ڈماسکینی تھا یعنی دما کا خیمہ، دما ایک یونانی بہادر تھا جو دیونیس دیوتا کی طرف سے لڑا تھا اور جب لڑتا ہوا یہاں تک پہنچا، تو اس جگہ اپنا خیمہ نصب کیا اور ایک ہیکل بنائی عربوں نے معرب کرکے دماسکنی کو دمشق بنالیا اور انگریزی میں یہ نام ڈمس کس ہو گیا۔ سریانی میں دمشق کا تلفظ درمسوق ہے۔ دمشق کی آبادی جبل قاسیون کے متصل مخرج نہر بردی کے قریب ہوئی تھی۔ شام کا قدیم مشہور اور مقدس شہر ہے جو ۳۶ درجہ ۱۸ دقیقہ طول البلد اور ۳۳ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔ اور سطح سمندر سے ۲۱۳۰ فٹ بلند ہے۔

۷۹ انطاکیہ

سکندر اعظم (متوفی ۱۲ جون ۳۲۳ ق م) کی وفات کے بعد سلیوکس نیکٹر فاتح بابل و شام نے جو سکندر کا سپہ سالار اور اب اس کا جانشین تھا۔ اپنے بیٹے انطیوخوس (ان ٹیوچس (ANTIOCHUS) کے نام سے شمالی ملک شام میں شہر انطوخیہ (ANTIOCH) آباد کیا تھا جو بعد کو عربی سانچے میں ڈھل کر انطاکیہ ہو گیا چنانچہ نقشوں میں عربی اور انگریزی دونوں نام درج ہیں عرب انطاکیہ (یائے مشدد) لکھتے ہیں چنانچہ زہیر۔ اور امراء القیس کے کلام سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

علون بانطاکیة فوق عقمة　　　　کجرمة نخلٍ او کجنة یثرب

۸۰ جند قنسرین

جند قنسرین کوئی موضع نہیں ہے یہ کتابت کی غلطی ہے۔ صحیح کنسرین ہے۔ جس کا قدیم نام (CHALCIS) تھا۔ اور حلب سے ایک منزل پر آج بھی ایک معمولی آبادی اسی نام

سے مشہور ہے۔ قدیم زمانے کی سرائیں خالی پڑی ہیں جن میں مسافر ٹھہرا کرتے ہیں (مراۃ الوضیہ)

۸۱ سرمین قنسرین اور معرۃ النعمان کے درمیان حلب کے نواح میں ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ اور آج بھی موجود ہے۔ جس میں اسماعیلی آباد ہیں (مراۃ الوضیہ)

۸۲ معرۃ النعمان شام کے شمالی حصے میں واقع ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر صحابی انصاری سے منسوب ہے۔ جنھوں نے معرہ کو فتح کیا تھا اور اسی شہر میں حضرت نعمان کا ایک صاحب زادہ دفن ہے۔ حلب سے جانب جنوب ۱۹ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔

۸۳ ابوالعلا معری ابوالعلا احمد بن عبداللہ بن سلیمان...... التنوخی المعری نہایت نامور شاعر، ادیب، نحوی اور لغوی ہے۔ ۳/ ربیع الاول ۳۶۳ھ یوم جمعہ کو غروب آفتاب کے قریب بمقام معرہ پیدا ہوا۔ اور ۴۹۹ھ میں وفات پائی۔

۸۴ کومات کویات یا کفر طاب ابن حوقل، مقدسی، اصطخری اور معجم البلدان، میں کومات کا نام نہیں ہے یہ نام صرف ناصر خسرو نے لکھا ہے۔ پروفیسر شیفر نے جو ترجمہ ناصر خسرو کا کیا ہے۔ اس میں بھی کومات ہے۔ لیکن محققین یورپ لکھتے ہیں کہ کومات کفر طاب کا نام ہے چنانچہ کفر طاب صوبہ حمص کا مشہور شہر ہے۔ جو معرۃ النعمان اور حماۃ (یا حلب) کے درمیان تھا۔ جس کی تصدیق نقشجات سے ہوتی ہے

۸۵ حماہ یا حماۃ عبرانی میں حَم کا ترجمہ ہے، حرارت الشمس، اور ایک روایت ہے کہ حمت سے مشتق ہے۔ جس کا ترجمہ ہے

المدینۃ الحصینہ کتاب مقدس کے مطابق ارض میعاد کی یہ شمالی حد ہے۔ شام کا قدیم اور مشہور شہر ہے، ریل کی وجہ سے اب حماۃ سے حلب تقریباً ۵½ گھنٹہ کا راستہ ہے۔ اور ۹۰ میل کی مسافت ہے۔

۸۶ آب عاصی اس کو نہر الارنط بھی کہتے ہیں اس کا یونانی نام اکسیوس ہے، مقدونیہ کے ایک نہر کے نام پر یونانیوں نے رکھا تھا۔ عربی میں یونانی سے یہ نام معرف ہوکر عاصی ہو گیا ہے، یونانیوں نے وطن کی یاد میں پہلا شہر پیلا (PELLA) حماۃ شام میں آباد کیا تو نہر کا نام اکیوس رکھا جو براہ راست تمام اراضی کو سیراب کرتی تھی۔

حماۃ اور حمص کی نہر کا نام آب عاصی ہے۔ ناصر خسرو نے جو وجہ تسمیہ لکھی ہے وہ ایک لطیفۂ شاعرانہ ہے۔ اور یہ عرب جغرافیہ نویسوں کی غلطی ہے۔ اس کا دوسرا نام نہر مقلوب بھی ہے، کیونکہ عموماً شمال سے جنوب کو نہریں بہتی ہیں اور یہ نہر اس کے برعکس ہے۔

۸۷ فوارۃ الدیر یہ چشمہ لبنان کے دامن میں تھا اور اس کا نام فوارۃ الدیر تھا۔ یوسی فوس (مشہور یہودی مورخ) نے بھی اپنی تاریخ میں اس چشمے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سنیچر کے دن اس چشمے سے پانی نہیں نکلتا تھا (از ترجمۂ انگریزی سیاحت شام)۔

۸۸ عرقہ یہ قدیم شہر ہے، جس کا تذکرہ تورات مقدس میں ہے۔ سکندر اعظم نے اس میں ہیکل زہرہ تعمیر کی تھی جس میں تیطوس (TITUS.) رومی نے بیت المقدس فتح کرنے کے بعد نماز شکرانہ پڑھی تھی، فنیشیا کے زمانے کے بھی آثار اس میں باقی ہیں طرابلس دلو۔

تین فرسخ پر آباد تھا اور آبادی پہاڑ کے نیچے تھی۔ یہاں پہنچ کر دمشق کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے۔ عرقہ سے بحر الروم کا فاصلہ صرف ایک میل ہوگا شروع بارھویں صدی تک بطور قریہ کے موجود تھا اب نقشے میں یہ نام نہیں ہے مشہور علمی بستی تھی۔ (معجم البلدان، مرات غیب)

۸۹ نیشکر ممالک مغربی میں نیشکر کی کاشت (عہد متوسط میں) صوبہ خوزستان فارس سے داخل ہوئی ہے۔ ابن حوقل نے لکھا ہے۔ کہ خوزستان کا کوئی ایسا شہر نہ تھا جہاں نیشکر کی کاشت نہ ہوتی ہو۔ خصوصاً شہر سوس (شوستر) نیشکر کا مرکز تھا اس شہر میں شکر سازی کے بکثرت کارخانے تھے اور عربوں نے کاشت نیشکر میں بڑی ترقی کی تھی۔ شکر کو وہ بہترین طریقہ سے صاف کرتے تھے اور عربوں ہی کی بدولت ہندستان سے مراکو تک نیشکر کی کاشت پھیل گئی تھی۔ نواح اہواز میں صدہا حوض موجود ہیں جن میں رس بھرا جاتا تھا۔

۹۰ شجر النارنج مورخ گلیشو (GALLESIO) لکھتا ہے۔ کہ یورپ اور مغربی ایشیا میں نارنگی ہندستان سے پہنچی ہے۔ کیونکہ نارنگی کا وجود ہندستان میں نہایت قدیم زمانے سے پایا جاتا ہے۔ اور نویں صدی عیسوی کے خاتمے سے کچھ قبل عربوں کو نارنگی کا علم ہو چکا تھا۔ جنوبی و مغربی ایشیا میں نارنگی عربوں کے ذریعے سے پھیلی ہے۔ مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ نارنگی اور ترنج مدور کا درخت ۳۰۰ھ ۹۱۲ء میں ہندستان سے گیا پہلے پہل یہ درخت عمان میں لگایا گیا۔ پھر عمان سے بصرہ اور عراق و شام میں پہنچا اور شام کے ملک طرسوس میں تو یہ کثرت ہوئی کہ کوئی گھر نارنگی کے درخت سے خالی نہ رہا پھر شام کے

دوسرے سرحدی شہروں میں رواج ہوا۔ خصوصًا انطاکیہ اور تمام ساحلی شہروں میں لگایا گیا۔ پھر فلسطین سے مصر تک اس کی ترقی ہوئی جہاں اس کے پہلے کوئی نارنگی کو جانتا بھی نہ تھا۔ (از سیاحت شام ناصر خسرو ترجمۂ انگریزی)

۹۱۔ طرابلس الغرب جس کو ٹری پولی کہتے ہیں بحر الروم کے کنارے آباد ہے اور بندرگاہ (المینا) ۲ میل کے فاصلے پر ہے ۳۵ درجہ ۵۰ دقیقہ طول البلد اور ۳۴ درجہ ۲۶ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے۔ اور اسی نام کا دوسرا طرابلس افریقۂ شمالی میں ہے۔

۹۲۔ روم (روم) سے قدیم شہر روما دار السلطنت اٹلی (ایطالیہ) مراد ہے جس کو رومولوس نے ۷۵۳ ق م میں آباد کیا تھا۔ لیکن ۳۲۸ء میں قسطنطین اعظم نے یونان کے مشہور شہر بزنطائن کو وسیع کر کے قسطنطنیہ نام رکھا جو سلطنت کے اثر سے بعد میں روم جدید یا مشرقی روم کہلایا۔ قدیم روما کو عرب رومۃ الکبریٰ یا مغربی روم کہتے ہیں۔

۹۳۔ کاغذ سمرقندی (کاغذ سمرقندی) علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ عربوں نے کاغذ بنانے کے کارخانے جاری کر دیے تھے چنانچہ ابن خلدون نے صناعۃ الوراقہ کے عنوان سے عہد ہارون الرشید میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن سمرقند میں عہد عباسی سے قبل ۸۵ھ مطابق ۷۰۴ء میں روئی کا کاغذ تیار ہوتا تھا۔ جو یورپ میں تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں مستعمل ہوا۔ کاغذ سمرقندی کشمیر اور کالپی کے کاغذ سے مشابہ ہوتا ہے۔ مگر سب سے قیمتی اور بہترین قسم وہ ہے جس کو پوست تہامہ کہتے ہیں اور یہ بعینہ ہرن کی جھلی معلوم ہوتی ہے۔ جس پر لکھے ہوئے متعدد کلام مجید میری نظر سے گزرے ہیں۔

۹۴ اندلس اِسلامی نام ہے جس کو اب اسپین کہتے ہیں یہ جزیرہ نما یورپ کے مغرب و جنوب میں ہے اور دو حصوں پر تقسیم ہے۔ چنانچہ مغربی حصے کا نام پرتگال اور جنوبی کا نام اسپین ہے عہد قدیم میں یہ ملک "آئی بریا" کہلاتا تھا جس کا نام یونانیوں نے "اسپانیا" رکھا۔ عیسائی سلطنتوں نے متحد ہوکر ۷۰۵ سال کی فرمانروائی کے بعد ۸۹۶ھ ۱۴۹۱ء میں تمام ملک سے مسلمانوں کو خارج کردیا جن کے حال پر آنسو بہانے والا اب بجز قصر الزہراء اور قصر الحمراء کے کوئی نہیں ہے۔ سید یحییٰ قرطبی نے اپنے مشہور قصیدے میں فتنۂ اندلس کی تباہ کاری کی خوب تصویر کھینچی ہے۔ (انتخاب از جام جم و تاریخ العرب)

۹۵ سسلی یا صقلیہ بحیرۂ روم میں جو جزائر ہیں منجملہ اُن کے جزیرہ سسلی نہایت مشہور ہے یہ جزیرہ مثلث کی صورت میں اٹلی کے جنوب میں واقع ہے اور اس وقت اس پر اٹلی ہی کا قبضہ ہے۔ جو تقریباً دس ہزار میل مربع رقبے میں آباد ہے۔ لیکن حقیقت میں سسلی کے عروج اور تہذیب و تمدن کا وہ زمانہ تھا جب فاتحین عرب نے جہازوں سے اتر کر اپنا مبارک قدم اس جزیرے میں رکھا اور جو ملک تمام برائیوں کا مرکز بنا ہوا تھا وہ عربوں کی بدولت چند ہی روز میں ایک مہذب و متمدن ملک بن گیا اور بلاد یورپ میں سب سے پہلے جس تاریک کرۂ ارض پر علوم و فنون کی شعاعیں پڑیں وہ یہی سسلی کا علاقہ تھا ۸۲ھ میں بزمانہ سلیمان بن عبد الملک یہ جزیرہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا جس پر عہد مامون الرشید عباسی میں دوبارہ فوج کشی ہوئی مقدسی اور ابن حوقل نے صقلیہ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ (از تاریخ صقلیہ)

۹۶ قلموُن علاقۂ دمشق کا مشہور موضع ہے اور اسی نام کا قلعہ بھی ہے جس کا ناصر تذکرہ کرتا ہے۔ قلموں ہنوز موجود ہے۔ انگریزی تاریخوں میں اس کا تلفظ کلماس (CALMOS) ہے۔ (معجم البلدان ۱۵۱/۷، مراصد وغیرہ)

۹۷ طرابزن یہ شہر طرابزون یا طرابزند کے علاوہ ہے جو آرمینیا کا ساحلی شہر ہے معجم البلدان و مقدسی وغیرہ میں از نام طرابَزن، کوئی شہر نہیں ہے ناصر کی تحریر کے مطابق طرابلس سے یہ شہر ۵ فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ زمانۂ حال کے محققین نے بلحاظ موقع اس کی تحقیقات کی ہے چنانچہ پروفیسر ایم شیفرڈ کا خیال ہے کہ "یہ قدیم شہر بَتَرون ہے جو بگڑ کر طرابزن ہو گیا ہے" اور یہ وہ شہر ہے جس کو یونانی بَتبرِیس کہتے تھے۔"

۹۸ جُبیل صاحب مراصد الاطلاع لکھتے ہیں کہ جُبیل جبل کی تصغیر ہے۔ اور اس نام کے مختلف مقام اور پہاڑ ہیں لیکن ناصر خسرو نے جس شہر کا ذکر کیا ہے وہ جبیل علاقۂ دمشق کا مشہور شہر ہے۔ لیکن جبیل، جبل کی تصغیر نہیں ہے۔ بلکہ جُبب اور رایل سے مرکب ہے۔ عبرانی میں ال اور رایل خدا کا نام ہے اور جُبب کا ترجمہ ہے قلعہ اور مقام بلند۔ اس سے وہ علاقہ مراد ہے جس میں قبایل آرامیہ متوطن تھے اور یہ مقدس حماۃ کا میدان تھا۔ جو بیروت سے ۸ فرسخ کے فاصلے پر موجود ہے اور نقشے میں (JEBEIL) طرابلس اور بیروت کے مابین درج ہے اس کا یونانی نام بَبِل یا ببلوس (BIBLOS) ہے اور عبرانی نام جی بال (GEBAL) ہے جس کا توراۃ مقدس میں دو جگہ ذکر ہے اور جس کی تصدیق آثار قدیمہ سے ہوتی ہے اور جنگ صلیبی کی تاریخ میں اس کا نام جبلٹ (GIBLET) ہے سلطان صلاح الدین نے اس شہر کو عیسائیوں سے ۵۸۳ھ میں فتح کر کے اس کو خالص کردوں سے آباد کیا تھا موجودہ مردم

شماری ۶۰۰ کے قریب ہے۔ (از معجم البلدان، مراصد، مراۃ الوضیتہ)

۹۹ بیروت

اس کا ترجمہ ہے درخت صنوبر جو جبل لبنان میں بکثرت تھے دوسری روایت ہے کہ ایک دیبی (دیوی) کا نام تھا، جس کے نام سے شہر آباد ہوا۔ نہایت قدیم شہر ہے۔ اور بحر الروم کے کنارے آباد ہے جس کا رقبہ ۱۸۰ میل مربع ہے۔ طول البلد ۳۵ درجہ ۳۰ دقیقہ اور عرض البلد ۳۳ درجہ ۳۷ دقیقہ ہے۔ ساحل شام کا مشہور و معروف بندرگاہ ہے

۱۰۰ صیداء

شہر صور کی جانب مشرق اور ۶ فرسخ کے فاصلے سے ساحل پر آباد ہے قدیم فینیشیا کا مشہور شہر ہے۔ انگریزی میں اس کا نام، سیڈا، یا سیڈان (SAIDON.) ہے طول البلد ۳۵ درجہ ۳۰ دقیقہ اور عرض البلد ۳۳ درجہ ۳۵ دقیقہ ہے۔

۱۰۱ صور

ملک شام کا ساحلی شہر ہے جس کو انگریزی میں ٹیر (TYER) کہتے ہیں یونانی نام تیردس تھا۔ اسلامی دور حکومت میں یہ ایک فوجی مرکز تھا۔ صور سے عکّہ ۱۲ یوم اور صیدا ایک دن کی مسافت پر ہے دولت و تجارت میں صور ضرب المثل تھا۔ ۵۰۰ ق۔م میں یہ شہر ملکہ بحار (سمندروں کی شہزادی) کہلاتا تھا۔ بخت نصر اور سکندر اعظم نے اس کو تباہ و برباد کیا اب ایک چھوٹا سا شہر ہے روئی اور کوئلہ کی تجارت ہوتی ہے طول البلد ۳۵ درجہ ۱۲ دقیقہ اور عرض البلد ۳۳ درجہ ۱۸ دقیقہ ہے۔

۱۰۲ وادیٔ بطّاف

جس پہاڑی درّے کے اندر ہو کر ناصر خسرو گزرا تھا وہ حقیقت میں ایک قدیم راستہ ہے اور عکّہ سے دمشق کو عموماً مسافر اسی راستے سے جاتے تھے جس کا نام وادیٔ بطاف ہے (سیاحت شام ترجمۂ انگریزی)

۱۰۳ عکّہ عکو، عکاد۔ اس کا قدیم نام اکزیب ہی جس کا ترجمہ سیل ہی اور عک کا ترجمہ الرمل المحرق (جلتی ہوی ریگ) ہی سب سے اول دنیا میں اسی جگہ کی ریگ سے شیشہ (زجاج) بنایا گیا،

انگریزی میں اس شہر کا نام اکری (ECRE) ہی ساحل شام کا یہ قدیم شہر اور بندرگاہ اور مرکز تجارت ہی۔ جو صور اور حیفا کے درمیان ہی اور صور سے ۱½ یوم کی مسافت پر ہی طول البلد ۳۵ درجہ ۶ دقیقہ اور عرض البلد ۳۲ درجہ ۵۶ دقیقہ ہی قدیم نام تالمسیس یا بطلومائسیس ہی۔

۱۰۴ صالح حضرت صالح بن عبید بن عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام مشہور پیغمبر ہیں قوم ثمود کی ہدایت پر مامور تھے مقام حجر میں قیام تھا اور تجارت کرتے تھے مسیح علیہ السلام کی طرح خانہ بدوش رہے آپ کا معجزہ ایک ناقہ تھا جس کی قدار بن سالف نے کوچیں کاٹ ڈالی تھیں اس پر خدا کا عذاب آیا اور قوم تباہ ہو گئی۔ (القرآن سورۃ الشعراء)

۱۰۵ مینا جو شہر سمندر کے کنارے آباد ہوتا تھا اور جہاں جہازوں کی آمد رفت رہتی تھی اس کے کنارے پانی کا ایک حصہ، خشکی کی جانب محصور کر دیا جاتا تھا۔ جہاں جہاز اور کشتیاں لنگر ڈالتی تھیں اس کو عربی میں مینا کہتے ہیں اور اس کا مرادف فرضہ ہی جس کو انگریزی میں پورٹ (PORT) ہربور (HARBOUR) اور ہیون (HAVEN) کہتے ہیں فی زمانہ جس طرح بڑے دریاؤں پر ریلوے پُل بنائے جاتے ہیں اسی طرح سمندر کے کنارے سطح آب سے عمق تک کوٹھیاں گلائی جاتی تھیں اور ریت پہنچ کر ستون قایم کئے جاتے تھے اور یہ ستون امتحاناً ایک سال تک بحال خود چھوڑ دیے جاتے تھے جب بنیاد مستحکم ہو جاتی تھی تو پھر ان ستونوں پر

پُل بنائے جاتے تھے اور ایک بڑا دروازہ بنایا جاتا تھا جس کے اندر سے شب و روز جہازوں کی آمد و رفت ہوتی تھی اور جس طریقے سے جہاز نکلتے تھے اس کی ناصر خسرو نے خود صراحت کی ہے۔ دیکھو (معجم البلدان و مقدسی جام جم حالات عکہ)

۱۰۶ عین البقر یہ چشمہ عکہ سے جانب مشرق ہے جو مسلمان یہودی اور عیسائیوں کے نزدیک مقدس ہے، چند سیڑھیاں ہنوز قایم ہیں اور قدیم مسجد کی ایک محراب بھی باقی ہے یہ مسجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے منسوب ہے اور اس کی نسبت عجیب غریب روایات مشہور ہیں اس مسجد کے مشرقی حصے میں صلیبیوں نے ایک گرجا بنا نا تھا، قدیم اور جدید سفر ناموں میں اس چشمے کا عموماً ذکر ہے (معجم البلدان ابن بطوطہ، خان بہادر)

۱۰۷ یہ وہ مشہور پہاڑی سلسلہ ہے جو لوئر گلیلی (LOWER GALILEE) کے نام سے مشہور ہے۔

۱۰۸ بروت بیروت کے علاوہ بروت ایک جدید شہر تھا جو ساحل کے کنارے تھا۔

۱۰۹ تل بروہ (BIRWAH.) عکہ سے جانب مشرق تین میل کے فاصلے پر ہے۔ حضرت عیص یا عیصو حضرت اسحٰق بن ابراہیم کے صاحبزادے ہیں عیش کتابت کی غلطی ہے (معارف ابن قتیبہ)۔

۱۱۰ شمعون حضرت یعقوب علیہ السلام کے دوسرے بیٹے ہیں ان کی والدہ کا نام لیاہ تھا اور حضرت شمعون کے تین بیٹے، شموئیل، یامین ساؤل ہیں جن کا تذکرہ کتاب مقدس میں ہے۔

۱۱۱ دامون یہ ایک غار ہے جو تل بردہ کے جنوب میں موجود ہے۔ اور

نقشجات میں درج ہے۔

۱۱۲۔ ذوالکفل یہ لقب ہے بسر بن ایوب کا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے جانشین ہوئے، بنی اسرائیل نے کثرت سے اپنے پیغمبروں کو قتل کیا تھا اور چونکہ آپ نے سَو پیغمبروں کی جان بچائی تھی لہذا ذوالکفل (ضامن) خطاب پایا ذوالکفل حضرت اَلیَسَعؑ کے بعد مبعوث ہوئے تھے اور الیسعؑ حضرت الیاس نبی کے خلیفہ تھے جو بعد کو پیغمبر ہوئے حضرت ذوالکفل شاہ کنعان اسرائیلی کے عہد میں مبعوث ہوئے تھے سورہ ص میں ہے" واذکر اسمٰعیل والیسع وذالکفل وکل من الاخیار" (طبری کبیر، القرآن)

۱۱۳۔ ابلین (ABILIN) یہ ایک موضع ہے جو داموں کے جنوب میں واقع ہے۔

۱۱۴۔ ہود علیہ السلام قوم عاد پر مبعوث ہوئے جن کا ملک دبار سے عمان تک اور حضر موت سے یمن تک پھیلا ہوا تھا حجّاری اور سنگ تراشی میں اس قوم کو بڑا کمال تھا عذاب الٰہی سے یہ قوم بھی تباہ ہوئی۔ حضرت کا مزار احقاف میں ہے۔ معارف ابن قتیبہ وتاریخ یمن۔)

۱۱۵۔ عُزیر علیہ السلام بنی اسرائیل کا ایک گروہ آپ کو ابن اللہ کہتا تھا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وقالت الیھود عزیر ابن اللہ توراۃ مقدس کے آپ حافظ تھے، بخت نصر شاہ بابل حضرت دانیال کے ہمراہ آپ کو بھی بیت المقدس سے گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ اور توراۃ کے کل نسخے جلا دیے گیے تھے چنانچہ رہائی کے بعد

بیت المقدس میں واپس آکر حضرت عزیر نے اپنے حافظے سے تورات کو لکھوا کر دوبارہ مرتب کیا صحیح روایات کے مطابق آپ کا مزار موضع قورنہ (محل اتصال دجلہ و فرات جو بصرہ سے ۹ گھنٹہ کی مسافت پر ہے) میں ہے جہاں صدہا یہودی سالانہ زیارت کو جاتے ہیں (معارف ابن قتیبہ)

۱۱۶ شعیب علیہ السلام حضرت شعیب بن صیفون نبی مرسل ہیں، توراۃ میں ہے کہ آپ مدین بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ یہودی آپ کو یترو یا یترون کہتے ہیں۔ اصحاب الایکہ اور مدین کی ہدایت پر مامور تھے۔

حضرت شعیب کا مزار عکہ کے ایک غار میں ہے جو دامن کوہ میں ہے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ آپ کا مزار موضع حطین میں ہے (طبریہ اور عکہ کے مابین ہے) اور مراصد الاطلاع میں لکھا ہے کہ حضرت شعیب کا مزار موضع خیارہ میں ہے۔ لیکن یہ مقام بھی طبریہ سے ایک فرسخ پر ہے۔ بہرحال ناصر خسرو نے جو موقع لکھا ہے وہ صحیح ہے مواضعات کے ناموں کا ردّ و بدل قابل لحاظ نہیں ہے۔

۱۱۷ اربل اس نام کے مختلف مقامات ہیں لیکن جس موضع کا ناصر خسرو ذکر کرتا ہے بلحاظ موقع اس کا نام اَربَد ہے۔ لہذا یہ یقینی کتابت کی غلطی ہے موضع اَربَد طبریہ کے قریب علاقہ اردن میں ہے۔

۱۱۸ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام یوکبد تھا آپ لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں اور عمران بن فاہث

بن لادی بن یعقوب علیہ السلام سے شادی ہوئی تھی، عرب مورخین نے یوکبد کو یوخابث لکھا ہے۔ (معارف ابن قتیبہ)

۱۱۹ بحیرۂ طبریہ یہ بحیرہ شہر طبریہ کے کنارے ہے۔ لہذا اسی نام سے مشہور ہوا اس کا طول ۱۲ فرسخ اور عرض ۳ فرسخ ہے کتب مقدسہ میں اس کا نام بحر الجلیل بحیرۂ جناسر، اور کنرث ہے۔ اس کا پانی شیریں ہے۔ اس بحیرے پر ایک پل قایم ہے جس کے اوپر سے دمشق کو راستہ جاتا ہے۔ (ابن حوقل، مقدسی)

۱۲۰ طبریہ صوبہ اردن کی وادی کنعان میں شہر طبریہ (TIBERIAS) آباد ہے جس کو قیصر طبیاریوس کے نام پر ہیرودوس نے آباد کیا تھا۔ اس شہر میں وہ مشہور و معروف یہودیوں کا مدرسہ تھا جس کا نامور پروفیسر حاخام یہودی تھا جو ۲۲۰ء تک زندہ تھا اول یہ شہر خلافت فاروقی ۱۵ھ ۶۳۴ء میں فتح ہوا پھر عیسائیوں کے قبضے میں چلا گیا ۱۸۳۷ء ۱۲۵۳ھ کے زلزلے میں نصف سے زیادہ ویران ہو گیا ہے۔ طول البلد ۳۵ درجہ ۳۱ دقیقہ اور عرض البلد ۳۲ درجہ ۴۶ دقیقہ ہے۔

طبریہ علمی بستی ہے جس میں محدثین، حفاظ، مشایخ بکثرت گزرے ہیں

۱۲۱ یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات پر آپ بنی اسرائیل کی ہدایت پر مامور ہوئے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کی نسل میں ہیں، بنی اسرائیل کو تیہ سے لیکر نکلے جبابرہ سے لڑے اور بلقا تک آئے۔ (الیعقوبی)

۱۲۲ دریائے لوط قدیم عربی کتب جغرافیہ میں اس کا نام بحیرۃ المیتۃ بحیرۂ منتنہ، بحر الملح، بحیرہ زغر اور المقلوب ہے چونکہ پانی

اس دریا کا نہایت شور و نمکین ہے اور اس میں کوئی جانور زندہ نہیں رہتا ہے اور بو دار بھی ہے، لہذا اسمائے مذکورۂ بالا سے موسوم ہوا۔ موجودہ اٹلسوں میں اس کا نام (DEAD SEA) ہے جو بحر المیّت کا لفظی ترجمہ ہے یہ بحیرہ شمال سے جنوب کی طرف پھیلا ہوا ہے۔

۱۲۳ دینار مغربی دینار ایک سکّے کا نام ہے جو قیصر روم نے ۳۱۹ق۔م میں جاری کیا تھا۔ دینار لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کا ماخذ دیناریوس (DENARIUS.) ہے اور اس کا مادہ ڈینی (DENI) ہے۔ جس کا ترجمہ (دس) ہے اور چونکہ ابتدا میں ایک دینار، دنل آس (ایک قسم کا رومی درہم) کے برابر ہوتا تھا اس مناسبت سے اس کا نام دینار ہوا اور یہ سکّہ چاندی کا تھا لیکن اخیر سنہ ۲ ق۔م میں یہ سکّہ طلائی ہو گیا جس کا وزن ایک مثقال تھا بعد ازاں سلاطین ایران نے بجنسہٖ اسی شکل و صورت کے سکّے جاری کیے اور وہ بھی درہم و دینار کہلائے چنانچہ ملک شام اور دیگر ممالک عرب میں تجارتی تعلقات سے یہ رومی اور ایرانی سکّے جاری تھے، اور عرب ان کے بہت شایق تھے بعض ارباب لغت لکھتے ہیں کہ دینار کا ماخذ دنّار ہے، جس کا نون حرف یا سے تبدیل ہو کر دینار ہو گیا ہے۔ اور اس بنا پر کہا جاتا ہے، ثوب مدنر اور فرس مدنر (جس کپڑے پر مدوّر نقش و نگار ہوں یا جس گھوڑے پر خوب صورت گل ہوں وہ مدنر کہلاتا ہے) لیکن ہماری رائے میں لسان عرب کے یہ معمولی تصرفات ہیں بہر حال تحقیق یہی ہے کہ دینار رومی لفظ ہے چنانچہ ظہور اسلام سے قبل عرب میں مذکورۂ بالا سکّے جاری تھے۔ ممالک مغرب میں جو دینار ناصر خسرو کے زمانے میں جاری تھا۔ وہ موجودہ نرخ سے چھ رُپے کے برابر تھا۔

دینار کے بعد درہم کا درجہ تھا یہ ایک چاندی کا سکّہ تھا جس کا وزن

ایک درم کے برابر تھا اور لفظ درہم کسی رومی یا یونانی لفظ سے ماخوذ ہے عرب میں یہ سکّہ بھی ایران سے داخل ہوا جو مختلف الوزن تھا اور عرب میں جو درہم اول مرتبہ جاری ہوا وہ بشکل نوات (چھوہارے کی گٹھلی) تھا اور غیر منقش، خلافت فاروقی میں مدوّر ہوا اور حضرت زبیر نے اس کو منقش کیا جس کی ایک جانب کلمۂ طیبہ تھا۔ عہد رسالت میں ۱۰ درہم کا وزن ۵ مثقال کے برابر تھا اور عہد فاروقی میں ۷ مثقال ہوگیا۔ ایک مثقال وزن میں ۱۰۰ جَو کے برابر تھا۔ عبد الملک کے عہد میں درہم شاہی سکّہ قرار پایا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

۱۲۴ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول اللہ صلعم ہیں آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے جس کا لکھنا بیکار ہے، البتہ کنیت مشہور عام ہے ۵۸ھ میں رحلت کی۔

۱۲۵ کفر کنّا معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کفر کنّا فلسطین کا ایک شہر ہے جس میں حضرت یونسؑ اور اُن کے والد ماجد کا مزار ہے۔ نقشے میں اب یہ شہر نہیں ہے۔ لیکن حیفا کے بالائی حصّے میں کوہ کرمل کے قریب یہ خانقاہ ہوگی جس کا ناصر خسرو ذکر کرتا ہے۔

۱۲۶ حضرت یونسؑ حضرت یونس بن متی علیہ السلام حضرت الیاس کے بعد اہل نینوا کی ہدایت پر مامور ہوئے تھے اور نینوا علاقۂ موصل میں وہ مشہور قریہ ہے۔ جہاں حضرت یونس کی سکونت تھی۔ (المعارف و معجم البلدان)

۱۲۷ حیفا حیفار بالمد مدینۂ طیبہ کے ایک موضع کا نام ہے اور حیفا غیر ممدود ساحل شام کا مشہور شہر ہے جو ناصر خسرو کے زمانے

میں ایک معمولی قریہ تھا۔ اور حیفا، درحصل اس قلعہ کا نام تھا جو یافہ کے قریب تھا جس کو ۵۸۳ھ ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین نے فتح کر کے مصلحت ملکی سے تباہ کر دیا تھا۔

۱۲۸ جودی

جو قومیں ساحل پر آباد ہوتی ہیں، وہ قدرتی طور پر فن کشتی رانی سے واقف ہوتی ہیں۔ خصوصاً عرب اور ایرانی۔ انھوں نے جہاز رانی اور کشتی سازی میں عہد قدیم سے ترقی کی تھی اور کشتیوں کے نام ساخت کے لحاظ سے رکھے تھے اور ہر قسم کی کشتیاں بناتے تھے۔ عربوں کی کشتیاں حسب ذیل تھیں۔

۱۔ بڑی کشتیاں:۔ جُودی۔ فُلک۔ خلیّہ۔ مزرآب۔ بوصی (بوزی) تسلح عقاب۔ ذہبیہ (دریائے نیل کی عام کشتیاں) جاریہ۔

۲۔ اوسط درجے کی کشتیاں:۔ فسطوکہ۔ زرق، فردوس۔ نبوق، سلاریہ جودی اور بوصی۔ یہ دونوں کشتیاں بصرہ اور بحر فارس میں چلتی تھیں، جس پر ناصر خسرو سوار ہوا ہے۔

۱۲۹ الکنیسہ

حیفا کے بعد شام میں قیساریہ کے متصل ایک موضع تھا۔ یہاں یہودیوں کا ایک عبادت خانہ "کنیسہ" کے نام سے مشہور تھا۔

جنگ صلیبی کے زمانے میں اس کا نام (CAPERNAUM) تھا یہی کنیسہ گرجا بھی تھا۔ اور اس کو تل کنیسہ بھی کہتے تھے (معجم یاقوت)

۱۳۰ قیساریہ

ساحل بحر الروم پر آباد تھا اور اعمال فلسطین میں شامل تھا قیساریہ سے طبریہ ۳ یوم کی راہ پر تھا اور عکہ سے ۶ فرسنگ تھا۔ اور رملہ سے ایک یوم کی مسافت پر تھا۔ ۲۰ھ ۶۴۱ء میں جب عمرو بن العاص

نے قیساریہ کو محصور کیا ہے تو شہر میں ۲۰۰ بازار تھے۔ کسی زمانے میں یہ بڑا شہر تھا۔ عہد ناصر خسرو میں معمولی قصبہ تھا (معجم یاقوت صفحہ ۱۹۵)

۱۳۱۔ بحر الروم بحر الروم کو بحر شام، بحر ابیض، اور انگریزی میں میڈیٹیرینین سی (MEDITERRANEAN SEA) کہتے ہیں۔ یہ دریا حقیقت میں بحر محیط کی ایک شاخ ہے جو مصر کو طے کرتی ہوئی شام تک گئی ہے، اور بحر محیط مختلف دریاؤں کا منبع و سرچشمہ ہے۔ لیکن بڑی شاخیں دو ہیں۔ مشرقی شاخ میں بحر ہند، چین، فارس، یمن اور حبش تک ہے، مغربی شاخ اندلس (اسپین) سے براہ افریقہ، مصر، شام اور قسطنطنیہ تک ہے۔ (معجم یاقوت)

۱۳۲۔ کفر سابا و کفر سلّام ناصر خسرو نے دو مقامات کو ملا کر ایک کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں مواضعات جداگانہ ہیں۔

۱۔ کفر سابا شام میں کفر سابا، نابلس اور قیساریہ کے مابین واقع ہے۔ اور آج تک فلسطین کے نقشے میں موجود ہے جو دمشق کی سڑک پر ہے۔ یہاں ایک جامع مسجد بھی تھی۔ (یاقوت صفحہ ۲۶۶)۔

۲۔ کفر سلّام مدت ہوئی کہ کفر سلام ختم و فنا ہو چکا ہے۔ اب نقشوں میں یہ نام موجود نہیں ہے۔ مقدسی اور یاقوت نے الگ الگ کفر سابا و کفر سلام کا حال لکھا ہے۔ قیساریہ سے ۴ فرسنگ پر ایک بڑا موضع تھا جس میں رباط بھی تھی۔ اس جگہ مسافروں کی رہنمائی کے لئے ایک مینار تھا۔ جس پر روشنی ہوتی تھی۔ اور ضرورۃً طبل (نقارہ) بھی بجایا جاتا تھا۔

اور رملہ سے ہر دو مواضعات کا فاصلہ ایک یوم کی مسافت ہے۔ کفر کا ترجمہ قریہ ہے۔ شام میں کفر کی ترکیب سے متعدد مقامات ہیں۔ کفر سلام کی جگہ پر اب راس العین ہے (ترجمہ انگریزی سیاحت شام ناصر خسرو معجم یاقوت، ط۲۶ و مقدسی)

۱۳۳ رملہ — فلسطین کا ایک خوبصورت قصبہ ہے، جس میں میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے۔

۱۳۴ لتُرُون — سفرنامے میں رملہ کے بعد خاتون کا ذکر ہے۔ یہ کتابت کی غلطی ہے، صحیح نام لتروں ہے۔ یہ ایک موضع ہے۔ (از سیاحت شام انگریزی)

۱۳۵ بیت المقدس — قدیم نام اورشلیم یا یروشلم ہے۔ یہ ایک قدیم شہر ہے جس کو قدس بھی کہتے ہیں۔

عرض البلد ۳۵ درجہ ۳۶ دقیقہ

طول البلد ۳۳ " ۴۱ "

۱۳۶ ساہرہ — مسجد اقصیٰ سے آگے ایک بہت بڑا ہموار میدان اور جنگل ہے جس کا نام ساہرہ ہے۔ مسلمانوں کا عام خیال ہے، کہ یہی میدان قیامت (محشر) ہوگا اور یہی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اسی لیے ساہرہ میں خونریزی بھی جایز نہیں ہے (معجم ۳/۵)

۱۳۷ عین سلوان — شہر قدس کے باہر ایک محلہ عین سلوان ہے جہاں ایک چشمہ بھی ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عین سلوان کا پانی مساکین وغربا کے لیے وقف کر دیا تھا (مقدسی)

۱۳۸ مسجد اقصیٰ — ناصر خسرو نے ۴۳۸ھ میں یہ مسجد دیکھی تھی اور مقدسی نے اس سے قبل شام کی سیاحت کی تھی۔ چنانچہ ابواب

مسجد کے بعض نام بدل گیے تھے چھٹی صدی ہجری میں بہت زیادہ تبدیلی ہوگئی تھی۔ ناصر نے مسجد اقصیٰ کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں۔

۱۳۹ قبۂ صخرہ ایک سخت پتھر کی چٹان (ٹول) ہی جو سنگ صخرہ کہلاتا ہی اس کی ضخامت ۳۳ × ۲۷ گز ہی جو عہد قدیم کے پیغمبروں کی یادگار ہی۔ یہ ہشت پہل ہی۔ ظہور اسلام سے قبل یہی قبلہ تھا۔ بعد میں کعبہ ہوا۔ یہ بھاری پتھر وسط مسجد اقصیٰ میں ایک بڑے وسیع چبوترے پر رکھا ہوا ہی۔ یہودی اس کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجر اسود کی۔ شب میں تین سَو قندیلیں صخرہ کے چاروں طرف روشن ہوتی ہیں۔ قبۂ صخرہ کے نیچے ایک غار ہی جس میں جاکر لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ اس غار میں بہ یک وقت ۶۹ اشخاص نماز پڑھ سکتے ہیں۔

۱۴۰ گز ملک یہ ایک قدیم گز تھا۔ جس کو گز شاہگان بھی کہتے تھے گز ملک کی مقدار دو ارش کے برابر تھی۔ بیت المقدس کی عمارات میں "اِل" ارش کے برابر مانا گیا ہی۔ (از ڈکشنری انگریزی و ترجمہ سیاحت شام)

۱۴۱ درخت حور یہ درخت ممالک روم سے مخصوص ہی۔ اسی لیے ناصر نے ذکر کیا ہی کہ اس کا ملکِ شام میں ہونا تعجب ہی۔ اس کا گوند کاہ ربا ہی جس کو اصطلاح طبی میں کہربا کہتے ہیں۔

۱۴۲ بیت اللحم قدس شریف سے ۶ میل کے فاصلے پر ایک معمولی موضع ہی جو حضرت مسیح علیہ السلام کا مولد ہی۔ قرآن شریف میں حضرت مریم علیہ السلام کے قصے میں جس کھجور کا ذکر وارد ہوا ہی۔ اس کا ایک حصہ ہنوز عبادت خانے میں تبرکاً محفوظ ہی۔ قرآن مجید کے اعجاز کی کن

کن ذرایع سے تصدیق ہورہی ہے۔ سبحان اللہ! (معجم صفحہ ۳۲۳)

۱۴۳۔ مشہد خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مدفن مشہد خلیل کے نام سے مشہور ہے جس کو حبرون، حبرین، حبری، اور مطلون بھی کہتے ہیں، یہ مقام بیت اللحم کے جنوب میں واقع ہے۔ مطلون منجملہ چار مواضعات کے ایک وقفی موضع تھا۔ جس کا ذکر ناصر خسرو نے بھی کیا ہے یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار تھا۔ حضرت سارہ علیہ السلام ان کی زوجہ پہلے فوت ہو چکی تھیں اور وہیں مدفون تھیں لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اُن کے قریب ہی دفن ہوئے۔ زیر سائبان حضرت اسحاق علیہ السلام اور اُن کے قریب ہی اُن کی بی بی حضرت رقیہ علیہا السلام دفن ہیں۔

اور پچھلے حصے میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اُن کی رفیقۂ حیات حضرت لیا ء محو خواب ہیں۔ مشہد خلیلؑ کے قریب ایک احاطہ ہے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام اور احاطے کی جانب مغرب حضرت یوسف علیہ السلام بھی مدفون ہیں آپ کا تابوت حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔

۱۴۴۔ بیعۃ القمامہ شہر بیت المقدس میں بیعۃ القمامہ یہودیوں کا سب سے بڑا گرجا ہے۔ جو وسط شہر میں نہایت شاندار مستحکم و خوبصورت ہے۔ اور خزانوں سے معمور ہے۔ اس کے اندر ایک مقبرہ ہے جو قمامہ کے نام سے مشہور ہے۔ الحاکم بامر اللہ فاطمی مصری نے اس بیعہ کو منہدم کرا دیا تھا۔ جس کی تفصیل دوسری جگہ درج ہے۔ عیسائیوں کے خیال کے مطابق اسی جگہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب ہونے کے بعد زندہ ہوئے تھے اور اسی گرجا میں ان کا جشن منایا گیا تھا۔ (معجم ۱۵۸/۷ و ترجمہ انگریزی سیاحت شام)

۱۴۵۔ عسقلان غزہ اعمال فلسطین میں ساحل بحر پر مابین غزہ و بیت جبرین واقع ہے۔ حسن و جمال کے لحاظ سے اس کا خطاب عروس شام ہے اور یہ دوسرا دمشق ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین کا برسوں مسکن رہ چکا ہے، جنگ صلیبی (۵۴۸ھ لغایۃ ۵۸۷ھ) میں تباہ ہو گیا تھا۔

۱۴۶۔ طینہ جزیرہ تینس اور فرما کے مابین ایک قصبہ تھا (۸/۱ معجم العمران)

۱۴۷۔ جزیرہ تینس یہ جزیرہ فرما اور دمیاط کے مابین ہے۔ دراصل یہ ایک بحیرہ ہے جس کو نیل کی ایک شاخ کہنا چاہیے، جو خشکی سے متصل اور بحر الروم سے قریب ہے۔ سیاحت ناصر کے زمانے میں بہت آباد تھا۔

۱۴۸۔ قسطنطنیہ یا استنبول۔ دنیائے اسلام کا مشہور شہر جو صدیوں تک ترکوں کا پایۂ تخت رہا۔

۱۴۹۔ صالحیہ مشرقی مصر کا قدیم شہر ہے۔ زمین ریگستانی ہے۔ صالحیہ سے شام تک آج بھی سڑک جاری ہے۔ اس شہر کا بانی ملک الصالح نجم الدین بن ملک الکامل محمد بن عادل ایوبی تھا اور اس عہد میں یہ فوجی چھاؤنی تھی۔ قدیم جامع مسجد ہنوز موجود ہے اور ۲۰ ہزار کی آبادی ہے (منجم ذیل معجم جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۹)۔

۱۵۰۔ نہر جیحون جیحون کا دنیا کی بڑی نہروں میں شمار ہے اور یہ متعدد نہروں کا مجموعہ ہے اور پھر اس سے متعدد نہریں نکلی ہیں حدود بدخشاں سے نکلتی ہے اور دور تک بہ کر بحیرۂ خوارزم میں مل گئی ہے مغربی ایشیا کی سب سے بڑی نہر ہے خیوا اور بخارا سے نکل کر بحیرۂ اورال میں گرتی ہے۔ تقریباً ۱۳۰۰ میل تک اس کا بہاؤ ہے۔ اس کا انگریزی نام پیرا موس ہے۔

نہر سیحون — جیحون کے بعد دوسری مشہور نہر سیحون ہے۔ سرما میں یہ بھی تخ بستہ ہوجاتی ہے۔ اس کا انگریزی نام ساروس (SARUS) ہے

۱۵۱ ترمذ — ترمذ، ماوراالنہر کا قدیم مشہور شہر ہے جو شرقی وادیٔ جیحوں میں واقع ہے۔

۱۵۲ نوبہ یا نوبیا — نوبہ جنوب مصر میں ایک طویل وعریض علاقہ ہے۔ جو سوڈان کا ایک جز ہے۔ اسوان کے بعد ہی یہ علاقہ شروع ہوجاتا ہے۔ جس کا صدر دُمقلہ ہے (معجم ۳۲۳/۸)

۱۵۳ صعید الاعلی — صوبۂ مصر نوعیت زمین کے لحاظ سے دو حصوں پر تقسیم ہے جو حصہ بلند ہے وہ مصر صعید (UPPER EGYPT) کہلاتا ہے۔ اس رقبے میں ۵، ۹ مواضعات ہیں اور جو حصہ پست ہے۔ اس کا نام مصر السفلیٰ یا مصر سفل (LOWER EGYPT) ہے۔ اس میں ۱۴۳۹ دیہات ہیں۔ (معجم)

۱۵۴ اسوان یا سوان — صوبۂ مصر کا بڑا شہر ہے اور مصر صعید کے آخر حصے میں ہے اور بلاد نوبہ (نوبیا) کا یہ پہلا شہر ہے، جو نیل کے شرقی کنارے واقع ہے۔

۱۵۵ جبل القمر (نیل کا منبع) — قدیم جغرافیہ نگاروں کی تحقیقات تھی کہ دریائے نیل کا منبع جبل القمر ہے۔ چنانچہ متاخرین بھی اب اسی کے قایل ہیں۔ جنوب خط استوا میں مغرب کی طرف ایک پہاڑی سلسلہ ہے جس کے مجموعے کا نام جبال القمر ہے۔ یہ سلسلہ مغرب سے شروع ہوتا ہے جس کا طول البلد ۶۱ ½ درجہ اور عرض البلد ½ ۱۱ ہے اور مجموعی مسافت ۲۰۰ فرسخ ہے۔ لیکن مزید تحقیقات ہنوز جاری ہے۔ کیونکہ نیل ایسے مقامات سے گزرتا ہے، جہاں انتہائی تاریکی ہے اور کشتی کے ذریعے سے

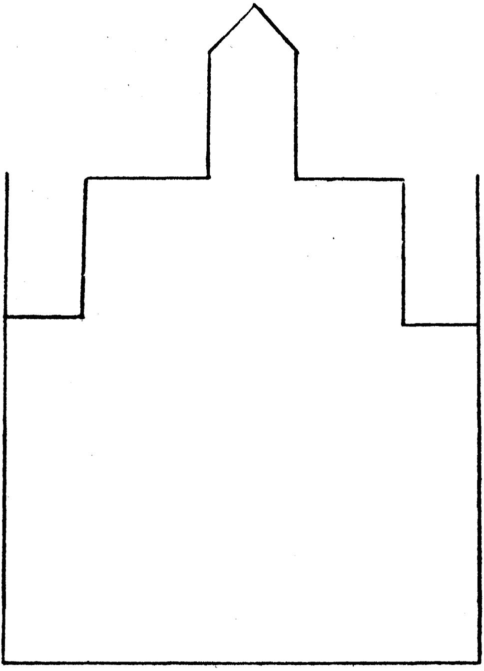
بھی نہیں پہنچ سکتے۔ بعض محققین یورپ جھیل وکٹوریہ نیانیر کو نیل کا منبع قرار دیتے ہیں۔

۱۵۶ اسکندریہ ملک مصر کی مشہور و بارونق بندرگاہ ہے جو بحر روم کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کی بنا سکندر اعظم نے ۳۳۲ق۔م میں رکھی تھی۔

۱۵۷ مینار اسکندریہ و آئینۂ حراقہ اسکندریہ کے عجایبات میں مینار اسکندریہ اور آئینہ حراقہ بھی ہیں، جن کا ناصر خسرو نے بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ مینار مختلف دھاتوں سے تعمیر ہوا ہے۔ بحر روم کی ایک چٹان پر اس کی بنیاد ڈالی گئی تھی، بنیادیں کانچ اور شیشے کی بھرتی کی گئی تھی اور کل سنگ خارا کا تھا۔ مینار کا طول ۲۳۰ گز تھا۔ عہد قدیم میں اس مینار سے رصد کا کام لیا جاتا تھا، جس کی چوٹی پر ایک آئینہ نصب تھا۔ اور اس مقام سے آنے والے جہاز بہت دور سے نظر آتے تھے۔ جب دشمن کا جہاز آئینے کے مقابل آتا تھا تو اُس میں آگ لگ جاتی تھی اس لیے عربوں نے اُس کا نام آئینۂ حراقہ رکھا ہے۔

یہ مینار قلعہ نما تھا جس کی تصویر یہ ہے۔ (تصویر صفحہ ۲۰۹ پر ملاحظہ ہو)۔

۱۵۸ الحاکم بامراللہ فاطمی مصری ابوعلی المنصور ملقب بہ الحاکم بامراللہ خلیفہ العزیز باللہ کا بیٹا تھا ۳۸۶ھ/۹۹۶ء میں اپنے باپ کی وفات پر تخت نشین ہوا۔ اس وقت ۱۱ سال ۶ ماہ کی عمر تھی۔ ۴۱۱ھ/۱۰۲۱ء میں یکایک گم ہوگیا اور نعش کا بھی پتہ نہ چلا ۲۵ سال حکومت کی الحاکم کی بہن نے اس کے نابالغ بیٹے ابوالحسن علی کو جانشین کیا اور الظاہر لاعزاز دین اللہ خطاب قرار پایا۔ تاریخ نجوم الزاہرہ میں الحاکم کے تفصیلی واقعات ہیں۔



مینار اسکندریہ

۱۵۹ و ۱۶۰ قیروان و سلجماسہ

قیروان ارض مغرب میں سب سے بڑا شہر تھا۔ اور زمانۂ دراز تک والیان مغرب کا دار الخلافہ رہا ہے۔ یاقوت کا قول ہے کہ قیروان کاروان (قافلہ) کی تعریب ہے جنگل کے کنارے آباد ہے۔ امیر معاویہ کے عہد میں بسایا گیا تھا اور دوسرا مشہور تاریخی شہر اس علاقے کا سلجماسہ تھا۔ تاریخ مغرب میں یہ دونوں شہر خاص اہمیت رکھتے تھے (معجم ۱۹۳/۷)

۱۶۱ المہدیہ و خلیفہ مہدی

عبید اللہ مہدی بانیٔ دولت فاطمیہ نے اپنے نام سے ملک مغرب میں مہدیہ آباد کیا تھا۔

جو مشہور بندرگاہ تھا۔ ۳۰۳ھ ہجری میں، مہدی نے قیروان کے بعد اس نئے شہر کو دارالخلافہ بنایا تھا جس کا فاصلہ قیروان سے دو مرحلہ تھا۔

۱۶۲۔ صقلاب یہ علاقہ بلگیریا اور قسطنطنیہ کے مابین واقع تھا جس کے باشندے سرخ رنگ تھے۔

۱۶۳۔ اندلس اسپین کے اخیر جنوبی کنارے کا نام عربوں نے اندلس رکھا تھا اس اسلامی حکومت کا بانی طارق بن زیاد اللیثی ہے جس نے اسے فتح کیا اور ایک شاندار اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جو آٹھ سو برس تک قایم رہی۔

۱۶۴۔ قدیم جزیرۂ صقلیہ دیکھو حاشیہ ۹۵

۱۶۵۔ بحر قلزم قلزم عربی میں اُس دریا کو کہتے ہیں جو وسیع اور عمیق ہو بحر قلزم دراصل بحر ہند کی ایک شاخ ہے جس کو بحر احمر (ریڈسی) بحرالعرب اور خلیج عرب بھی کہتے ہیں۔ باشندگان ریف (کشت زار و چراگاہ) مصر نے اس شاخ کا نام بحر قلزم رکھا کیونکہ یہ دریا قدیم شہر قلزم کے مشرق میں تھا۔ جو مصر و شام کا بندرگاہ ہے۔ عبرانی نام ادوم (سُرخ رنگ) ہے چنانچہ موجودہ نام بحر احمر بھی اسی مناسبت سے ہے قلزم کا عرض شہر قلزم (موجودہ نہر سوبز) سے بلاد یمن تک ۶۰۰ فرسنگ ہے۔

۱۶۶۔ شہر قلزم شہر قلزم اب فنا ہو گیا ہے۔ اس جگہ اب وہ آبادی ہے جس کا تعلق نہر سویز سے ہے۔ قاہرہ سے اس کا فاصلہ ۱۳۵ کیلومیٹر تھا۔ ابن حوقل نے اپنی مخصوص انشا میں شہر قلزم کے حالات لکھے ہیں۔

۱۶۷۔ شہر جار شہر جار ساحل بحر قلزم پر آباد تھا۔ یہاں سے مدینۂ طیبہ کا فاصلہ ایک شبانہ روز تھا۔

۱۷۵۔ جنیرہ مصر کا یہ دوسرا جزیرہ ہے، جو روضہ کے بعد مغربی کنارۂ نیل پر فسطاط کے مقابل آباد ہے۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ فاتح مصر عمرو بن العاص رضؓ نے واپسی اسکندریہ پر حفاظت شہر کے لئے اس جزیرے میں فوجی چھاؤنی قایم کی تھی۔

۱۷۶۔ خلیفہ المستنصر باللہ فاطمی ابو تمیم محمد المستنصر باللہ بن الظاہر لاعزاز دین اللہ ۱۶ جمادی الثانی ۴۲۰ھ میں پیدا ہوا۔ اور ۴۲۷ھ / ۱۰۳۵ء میں خلیفہ ہوا۔ ناصر خسرو اسی عہد میں داخل مصر ہوا تھا۔ اور اس کی مدح میں متعدد قصاید لکھے ہیں جو کلیات ناصر خسرو میں موجود ہیں۔ ناصر ۳ سال تک مصر میں مقیم رہا۔ اور داعی الکبیر کی سند لے کر مصر سے رخصت ہوا۔ اور صوبۂ خراسان میں تبلیغ شروع کی جس کی وجہ سے علمائے خراسان اس کے دشمن ہو گئے۔ اسی زمانے میں حکومت صقلیہ کلبیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مستنصر کا عہد مصر کی ترقی کا آخری دور تھا۔ ۶۰ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۸۷ھ / ۱۰۹۵ء میں یہ خلیفہ فوت ہو گیا۔

۱۷۷۔ مدینۂ طیبہ یعنی مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۷۸۔ اُسیوط صعید مصر میں نیل کے مغربی حصّے میں آباد ہے۔ یہ بڑا شہر ہے۔

۱۷۹۔ قوص یہ مصر صعید کا ایک آباد شہر تھا، فسطاط سے ۱۲ یوم کی مسافت ہے

۱۸۰۔ اخمیم یہ بھی مصر صعید کا قدیم شہر ہے اور اُسیوط سے ۲ مرحلے پر ہے جو نیل کے شرقی کنارے پر آباد ہے۔

۱۸۱۔ عیذاب ساحل بحر جدّہ پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ جو قدیم زمانے سے بندرگاہ بھی تھا، عدن سے آتے ہوئے تجارتی جہاز اسی جگہ لنگر انداز ہوتے تھے۔

بجہ یا بجایہ | ناصر خسرو نے سفرنامے میں بُجہّ یا بجایہ کو بجاہان لکھا ہے، جو عجمی لہجہ ہے اور عرب بُجاہ کہتے ہیں۔ یہ صحرائی آبادی حبش اور نوبہ کے درمیان تھی جس کو سوڈان کا ایک حصہ سمجھنا چاہیئے۔

۱۸۲ ماہی قرش | قرش بحر قلزم کی ایک مچھلی ہے، اس سے بڑی دوسری مچھلی نہیں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قریش کا مادۂ اشتقاق قرش ہے۔ یعنی یہ وہ قبیلہ ہے جو اقوام عرب میں سب سے زبردست اور ممتاز ہے۔

بحر عیذآب میں بھی قرش مچھلی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کا تیل اس زمانے میں بکثرت نکالا جاتا اور بطور دوا استعمال کیا جاتا ہے۔ جدید تحقیقات ہے کہ یہ مچھلی دراصل "ویل" ہے جس کو عرب قرش کہتے تھے۔

۱۸۳ جدّہ | عرب کی زمین اور دیار حجاز میں ساحل بحر مین پر آباد ہے۔ زمانۂ قدیم سے مشہور بندرگاہ ہے۔ جدہ سے مکہ معظمہ ۶۵ میل ۱½ دن کی مسافت پر ہے۔ اب موٹریں جاری ہیں جو چند گھنٹوں میں حاجیوں کو مکہ معظمہ پہنچا دیتی ہیں۔

۱۸۴ مکہ معظمہ | مکہ معظمہ صوبہ حجاز کا دارالخلافہ، تعریف و تعارف سے مستغنی ہے۔ (زاد اللہ شرفہا)

۱۸۵ کوہ ابوقبیس | مکہ کی پہاڑیوں میں مشہور پہاڑی ہے۔

۱۸۶ کوہِ صفا | مکہ معظمہ کا مشہور پہاڑ ہے، جو حرم کے باب الصفا سے جنوب کی طرف واقع ہے اور اسی قرب و اتصال کے سبب سے جب صفا پر کھڑے ہوں تو حجر اسود سامنے ہوتا ہے اور مشعر الحرام صفا و مروہ کے مابین ہے۔

۱۸۷ کوہ مروہ صفا کے بعد یہ دوسری مشہور پہاڑی مکۂ معظمہ کے جانب مغرب ہی اور صفا سے مروہ تک ایک وسیع سڑک جاری ہی جو بازار کے اندر ہو کر گئی ہی حجاج انھیں پہاڑیوں کے اندر سعی (۷ مرتبہ دوڑنا) کرتے ہیں۔

۱۸۸ عرب و یمن مدینہ و مکۂ معظمہ کے حالات کے بعد، زمین عرب کے عنوان سے ناصر خسرو نے حجاز و یمن کا مختصر جغرافیہ لکھا ہی ان کی موجودہ حدود اب تک قریب قریب وہی ہیں جو اس وقت تھیں۔

۱۸۹ صعدہ مخالیف یمن سے ایک مشہور مخلاف صعدہ بھی ہی جس کا فاصلہ صفا سے ۶۰ فرسنگ ہی۔ تجارتی منڈی ہی۔ خاص کر ادیم (دباغت کیا ہوا چمڑا) بکثرت فروخت ہوتا ہی۔ شہر صفا سے چھوٹا ہی اور پہاڑی کے اندر آباد ہی اس کا بندرگاہ غلافقہ ہی (معجم ۳۵۷/۵ و مقدسی)۔

۱۹۰ زبید خلیفۂ مامون الرشید عباسی کے زمانے میں یہ خوب صورت شہر آباد ہوا۔ یمن کے مشہور شہروں میں ہنوز آباد ہی۔ باب المندب کے مقابل میں ہی علمی بستی ہی سلاطین یمن کا مستقر رہ چکا ہی۔

۱۹۱ صنعا و قصر غمدان وسط یمن میں آباد اور قدیم تمدن کی یادگار ہی بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر عرب کے شمالی و مغربی حصے میں ہی۔ اس کا قدیم نام ازال ہی جو برسوں یمن کا دارالحکومت رہا ہی۔ اور آج بھی صفا یمن کا صدر ہی۔

۱۹۲ نجد وسط عرب میں یہ سرسبز اور بلند قطعہ ہی اور اسی مناسبت سے اس کو نجد کہتے ہیں۔ تین جانب عظیم الشان صحرا (صحرائے شام، حجاز و دہنا) ہیں صرف جنوب میں آباد صوبہ یمامہ ہی اور نجد کے نام

سے اور بھی چھوٹے چھوٹے قطعات آباد ہیں۔

نجران احقاف اور عسیر کے مابین ایک آبادی تھی جہاں بجیلہ بن نزار اسمٰعیلی کا قبیلہ آباد تھا اور اسلام سے کچھ زمانہ قبل نجران میں عیسائیت پھیل گئی تھی چنانچہ ۹ھ میں عیسائیوں کا ایک وفد نبی کریم کے حضور میں آیا تھا۔ ناصر خسرو نے مشرقی یمن میں نجران کے بعد عثر اور بیشہ کا بھی نام لیا ہے۔ یہ دونوں نواحی جداگانہ شیوخ کے ماتحت تھے جو سلطان لکھے جاتے تھے عثر صنعا۔ اور صعدہ کا بندرگاہ تھا پانی دور سے آتا تھا بیشہ وہی بیش ہے۔

۱۹۳ مسجد الحرام مکہ معظمہ کے وسط میں مسجد الحرام ہے جس کے وسط صحن میں خانۂ کعبہ اور اطراف میں عمارتیں ہیں۔ مسجد کا کل رقبہ مع متعلقات ایک تہائی شہر کے برابر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت (۱۷ھ) میں تعمیر کی جس کی توسیع عہد عثمانی میں ہوئی اور دالان بنائے گئے۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے آرائش کی۔ اس کے بعد عبدالملک بن مروان اموی اور خلیفہ مہدی و منصور عباسی نے نہ صرف عمارت کو بڑھایا بلکہ غیر معمولی تکلفات کئے۔

ناصر خسرو نے اپنے زمانے میں جس حالت میں مسجد کو دیکھا تھا۔ اس کی تفصیل سفرنامے میں موجود ہے۔ حرم کے دروازوں میں ناموں کا بہت فرق ہو گیا ہے جن کی صراحت ترجمہ سفرنامہ میں کر دی گئی ہے۔ طول مسجد ۴۰۴ گز اور عرض ۳۱۵ گز ہے اور رقبہ طواف ۱۰۰ گز ہے۔

۱۹۴ خلیفہ العزیز باللہ المعز لدین اللہ کے بعد اس کا بیٹا ابو منصور نزار ملقب بہ العزیز باللہ ۳۶۵ھ/۹۷۵ء میں خلیفہ ہوا تھا ۱۴ محرم ۳۴۴ھ/۹۵۵ء میں اس کی ولادت ہوئی تھی۔ اس کے

عہد میں بھی جوہر صقلی سپہ سالار تھا۔ اس کے زمانے میں کوئی اہم تاریخی واقعہ نہیں ہوا ۳۸۶ھ / ۹۹۶ء میں بعارضہ قولنج بلبیس میں فوت ہوگیا۔ ۲۱ سال تک خلافت کی۔ (المصر الحدیث)

۱۹۵۔ جعرانہ
دراصل یہ ایک چشمے کا نام ہے جو طائف اور مکۂ معظمہ کے درمیان عراق کی سڑک پر ہے۔ حنین سے واپسی کے وقت نبی کریم صلعم نے جعرانہ میں قیام فرمایا تھا۔ اور مال غنیمت تقسیم کیا تھا اور اسی مقام سے احرام باندھا تھا اہل مکہ بھی جعرانہ سے عمرہ کی نیت کرتے ہیں۔ (معجم ۱۰۹/۲ و مقدسی۔)

۱۹۶۔ عرفات
مکۂ معظمہ سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر تقریباً دس میل مربع کا ایک وسیع میدان ہے، جو مقام حج ہے جبل الرحمۃ عرفات کی مشہور پہاڑی ہے۔ اس پر عرفے کے دن بعد نماز ظہر خطیب اونٹ پر سوار ہوکر خطبہ پڑھتا ہے۔ دوسری جانب مسجد نمبرہ ہے جس میں ۹ ذی الحجہ کو منیٰ سے واپس ہوتے ہی نماز ظہرین (ظہر و عصر) ادا کرتے ہیں۔

۱۹۷۔ مزدلفہ یا مشعر الحرام
۹ ذی الحجہ کو حجاج میدان عرفات سے روانہ ہوکر مغرب کی نماز مزدلفہ میں پڑھتے ہیں۔ اور تمام رات مزدلفہ میں ٹھہر کر عشاء اور فجر کی نماز پڑھ کر علی الصباح منیٰ میں آجاتے ہیں۔

۱۹۸۔ منیٰ
مکۂ معظمہ سے پانچ میل پر عرفات کے راستے میں ایک میدان ہے۔ جس کا نام منیٰ ہے اس کا طول و عرض ۲ میل ہے۔ کچھ عمارتیں بھی ہیں جو کرایے پر حجاج کو دی جاتی ہیں عہد قدیم کے مختلف سلاطین نے اپنے ملک کے حاجیوں کے لیے بھی مکانات بنائے تھے

منیٰ میں ۸ ذی الحجہ کی شب کو حاجی قیام کر کے ۹ ذی الحجہ کی صبح کو عرفات چلے جاتے ہیں اور یہاں سے مزدلفہ پہنچ کر تمام رات قیام کرنے کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو پھر منیٰ میں داخل ہو جاتے ہیں اور تین یوم تک قیام کرتے ہیں۔ اور اسی جگہ قربانی ہوتی ہے جس کی ابتدا دس تاریخ سے ہوتی ہے (المعجم، ابن حوقل طحاوی باب الحج)

۱۹۹۔ مسجد خیف یہ ایک مشہور وسیع مسجد ہے جو وسط منیٰ میں ہے اور ملک الاشرف قایتبائی کی یادگار ہے۔ بنی کنانہ کا مشہور قبیلہ خیف تھا، جس کے نام سے یہ مسجد موسوم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں بھی قیام فرمایا تھا۔ (معجم ۴۹۹/۳)

۲۰۰۔ طایف مع ملحقات حجاز میں طایف گویا جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ امرائے مکہ معظمہ گرمی کے موسم میں طایف چلے جاتے ہیں۔ یہ اُن کا مسوری و شملہ ہے بے انتہا شاداب مقام ہے۔ جبل غزوان پر برف جم جاتی ہے۔

۲۰۱۔ فلج ناصر نے فلج لکھا ہے۔ صحیح نام فلج ہے۔ مکہ یا طایف سے جب بصرہ روانہ ہوں تو فلج راستے میں پڑتا ہے۔ یہ مہذب عربوں کی آبادی تھی۔ ناصر کے زمانے میں فلج کی جو حالت تھی وہ اُس نے خود لکھی ہے (المعجم ۳۹۲/۶)

۲۰۲۔ یمامہ صوبہ عروض (مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواحل خلیج فارس تک) میں یمامہ، بحرین، اور عمان میں بڑے تعلقات ہیں یا یمامہ کا ترجمہ گھریلو فاختہ یا قمری ہے اور یمامہ کا قدیم نام جوّا تھا۔ بعد میں یمامہ بنت سہم بن طسم کے نام سے یہ آبادی مشہور ہوئی۔ یمامہ سے بحرین تک دس یوم کی مسافت ہے۔

۲۰۳ لحسا یا الاحسا الاحساء اُس چشمے کو کہتے ہیں جو ریت کو ہٹا کر نکالا جائے یہ علاقہ بحرین کا ایک حصہ ہے۔ اس کو ابو طاہر الحسن بن ابی سعید جنابی قرمطی نے آباد کیا تھا۔ اور چونکہ فارس سے لحسا قریب تھا۔ لہذا قرامطہ نے اس کو صدر بنایا تھا۔ ساحل لحسا سے بحرین کے جزایر ۲۰ میل کے فاصلے پر واقع ہیں، مقدسی کے زمانے میں بھی آل سعید کی حکومت تھی۔

۲۰۴ ابو سعید جنابی قرمطی ابو سعید بن بہرام ملقب بہ حسن قرامطہ کا ایک داعی تھا۔ یہ ایک معمولی آرد (آٹا) فروش تھا۔ داعی الکبیر نے اس کو پہلے جنابہ میں تعینات کیا تھا۔ بحر فارس کے کنارے جنابہ ایک مشہور قصبہ تھا، یہاں سے سیراف ۵۴ فرسنگ کے فاصلے پر ہے، جنابہ، حسن کا صدر مقام تھا

علاقہ فارس کا داعی الکبیر شیخ حمدان قرمطی تھا، جب اس علاقے میں کامل تبلیغ ہو چکی تو حسن، بحرین میں مقرر کیا گیا، اس نے حکمت عملی سے شہر ہجر پر قبضہ کیا۔ لیکن جب اس کا راز فاش ہو گیا تو یہ الاحسا (لحسا) میں اپنے محل کے اندر مع ایک جماعت قرامطہ کے قتل کر دیا گیا۔ اس نے الاحسا میں ایک قلعہ بھی تیار کرایا تھا۔ اس کا بیٹا ابو طاہر جانشین ہوا۔ اس نے بصرے اور کوفے پر قبضہ کیا۔ اور مسلمانوں پر حج کا راستہ بند کر دیا اور بقدر امکان بنو ہاشم اور آل ابو طالب کو قتل کرنا شروع کیا۔ اور مسلسل حجاج کو قتل کرتا رہا۔ اور عین حج کے موقع پر حجر اسود کو اپنی جگہ سے نکال کر قطیف لے گیا، اور ۲۱ سال تک حجر اسود کو واپس نہیں کیا، بعد میں مسلمانوں سے کثیر تاوان لیکر واپس کیا۔ جو آج تک اپنی قدیم جگہ پر قایم ہے۔ (معجم یاقوت)

۲۰۵ عمان ایک اسلامی تعلقہ ہے۔ جو ساحل بحرین اور ہند پر واقع ہے اور ہجر

کے مشرق میں ہے جس میں متعدد شہر و قصبات ہیں۔ اور عمان ارضِ بلقاء (شام) کا دوسرا شہر ہے (معجم ۵ ۲۱۵)

۲۰۶ فارس بحر فارس فارس دولت ایران کا قدیم صوبہ ہے۔ صحیح لفظ پارس ہے۔ عربوں نے تعریب کی ہے۔ بہت وسیع صوبہ ہے۔ عراق، کرمان، ساحل بحر ہند اور مکران سے محدود ہے

۲۰۷ بصرہ عراق کا یہ اسلامی شہر ہے، عہد فاروقی میں آباد ہوا۔ سرحدی شہروں میں یہ سب سے بڑا ہے۔ دجلے سے ۴ فرسنگ پر ہے اور متمدن شہر ہے، علوم دینیہ کا مرکز رہا ہے۔ اور آج بھی بغداد کے بعد قابل سیر ہے۔

۲۰۷ شط العرب شط کا ترجمہ جانب نہر ہے، عراق کے نشیبی حصے میں بمقام قورنہ (کورنہ) جب فرات اور دجلہ کا سنگم ہوتا ہے تو اس کا نام شط العرب ہوتا ہے۔ یہاں پانی کا بہت زور ہوتا ہے جس میں بڑی کشتیاں (اسٹیمر) چلتی ہیں۔ ۱۲۰ میل بہ کر شط العرب خلیج فارس میں گرتا ہے،

۲۰۸ نہر معقل ابلہ کے بعد دوسری بڑی نہر معقل ہے۔ یہ بھی بصرے سے نکلتی ہے۔ جس کو عہد فاروقی میں حضرت معقل بن یسار مزنی صحابی رسول اللہ صلعم نے نکالا تھا۔ اس نہر کی یہ صفت ہے کہ حالت جزر میں اس کا پانی شیریں ہوتا ہے۔

۲۰۹ نہر ابلہ یہ بصرے کی مشہور بڑی نہر ہے، جو چار فرسنگ طویل ہے۔

۲۱۰ اہواز اہواز۔ ایرانی دور میں خوزستان کہلاتا تھا، خوز کی جمع اخواز تھی جس کو عربوں نے اہواز بنالیا ہے، اور صوبہ اہواز ساسانی دور سے پہلے ہرمز شہر کے نام سے موسوم تھا۔ اہواز میں ایک بڑا بازار تھا جس کو عرب سوق اہواز کہتے تھے اور حقیقت میں یہ ایک چھوٹا شہر تھا۔ اہواز کا علاقہ مابین فارس اور

بصرہ آباد ہے۔

۲۱۱ شہر اُبلّہ مضافات بصرہ میں دو چھوٹے شہر ہیں ایک کا نام اُبلہ ہے۔ اور دوسرے کا شق عثمان اُبلّہ کنارۂ دجلہ اور زاویۂ خلیج بصرہ پر آباد ہے اور جو نہر گھومتی ہوئی یہاں تک آئی ہے۔ اُس کا نام نہر ابلہ ہے۔

دوسرا شہر، شق عثمان، ابلہ کے مقابل جنوب کی طرف آباد تھا اور ابلہ سے چھوٹا تھا۔

۲۱۲ جزیرہ عبّادان عبادان متعلق بصرہ ایک جزیرہ ہے، جو اپنے بانی عباد کے نام سے مابین دجلہ وخوزستان آباد ہے۔ اور بصرے کے مشہور حصے ہیں واقع ہے۔ بصرہ جانے والے عبادان کے رباط میں ٹھہرا کرتے تھے۔ عبادان میں ایک قلعہ بھی تھا۔

۲۱۳ خساب یا فانوس البحر خشّاب کو بعض جغرافیوں میں خشبات اور خشبان بھی لکھا ہے۔ ناصر خسرو نے اس کی پوری تفصیل کی ہے۔ عبادان سے خساب کا فاصلہ چھ میل تھا مد کی حالت میں کوئی کشتی خساب سے نہیں نکل سکتی ہے۔ فرات کے بعد خساب آتا تھا۔ عربوں نے روشنی کے لحاظ سے حساب کو فانوس البحر (لائیٹ ہاؤس) کا خطاب دیا تھا (اصطخری)

۲۱۴ مہروبان توہ بصرے کے فانوس البحر (خساب) سے گزرنے کے بعد، ناصر خسرو شہر مہروبان میں داخل ہوا تھا، یہ شہر دریائے فارس کے کنارے، مابین عبادان وسیراف واقع تھا۔ اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا، بعد میں تنزل ہوا اور اب موجود نہیں ہے۔

گازرون ناصر خسرو مہروبان سے چل کر براہ توہ (ایک قصبہ) وگازرون شہر ارغان میں داخل ہوا تھا۔ ناصر نے گازروں کے حالات نہیں لکھے ہیں،

جو صوبہ فارس کا مشہور شہر ہے اور رجمن و شیراز کے مابین خوب آباد ہے

۲۱۵ ارغان عرب اس شہر کو ارجان کہتے ہیں - دریا کے قریب آباد ہے جانب خوزستان فارس کی اخیر سرحد میں ہے۔

۲۱۶ لوردغان لنجان عرب لوردجان کہتے ہیں، یہ فارس کا پہلا سرحدی شہر تھا جو ناحیہ اہواز میں داخل ہے یہاں سے ناصر خسرو، خان لنجان میں داخل ہوا تھا۔ فارس میں یہ ایک خوبصورت شہر تھا۔ یہاں سے اصفہان دو یوم کی مسافت پر ہے اس میں باطنیہ کا ایک قلعہ بھی تھا، جس کو سلطان محمد نے ۵۰۰ھ میں برباد کر دیا۔ اب یہ دونوں مقام موجودہ نقشوں میں نہیں ملتے۔

۲۱۷ اصفہان فارس (عراق عجم) کا مشہور، آباد اور خوبصورت شہر اصفہان ہے۔ جو زندہ رود کے جانب شمال آباد ہے اور یہ ایک مرکب نام ہے (اسپ - ہان) جس کا عربی میں بلد الفرس ترجمہ ہے۔ اسکو صفہان (عربی لہجہ) سپاہان اور اسپاہان بھی کہتے ہیں۔

۲۱۸ نائین اصفہان سے ۴۵ فرسنگ ہے۔ اور داخل بلاد فارس ہے قدیم شہر تون کے متصل ایک معمولی قصبہ ہے۔

۲۱۹ طبس و خبیص یہ شہر دو حصوں پر تقسیم تھا، اس لئے بہ صیغہ تثنیہ طبسان و طبین مشہور ہے۔

خبیص صوبہ کرمان کا ایک چھوٹا شہر تھا اور جنگل کے کنارے آباد تھا۔

۲۲۰ تون قدیم شہر ہے جو قائن سے قریب ہے، کسی زمانے میں بہت آباد تھا۔ اس کا دوسرا نام شہر عمید بھی ہے۔

۲۲۱ کاریز کنابد فارس میں یہ سب سے بڑی کاریز ہے جو ۱۲ میل تک چلی گئی ہے۔ کہتے ہیں گودرز اور افراسیاب کی جنگ اسی جگہ ہوئی تھی، جس کا نام تاریخ ایران میں "دوازدہ رُخ" ہے۔ تون سے نکل کر کنابد پہلی منزل ہے، کنابد کا دوسرا نام خیابد بھی ہے۔

۲۲۲ قاین ایک قدیم اور ممتاز شہر ہے۔ جو خراسان کو کرمان سے علیحدہ کرتا ہے اور دور تک چلا گیا ہے نیشاپور اور صفہان کے مابین واقع ہے

۲۲۳ زُوزَن نیشاپور اور ہرات کے درمیان ایک پرگنہ ہے، علمی حیثیت سے زوزن کو بصرۂ صغری کا خطاب دیا گیا ہے زوزنی شارح سبعۂ معلقہ مشہور ہے۔ اس شہر میں ابو حنیفہ عبداللہ حسن بن احمد ایک بزرگ تھے، جنھوں نے تمام عمر میں ۴۰۰ مصحف لکھے تھے۔ اور ہر مصحف کا ہدیہ ۵۰ دینار (۲۵۰ روپیہ) تھا۔ زوزن نیشاپور کے ماتحت ہے (معجم ۴/۱۶)۔

۲۲۴ دست گرد و پل جموکیان دست گرد کے نام سے کئی مقام ہیں علاقۂ بلخ میں جو دست گرد ہے وہ پل جموکیان کے نام سے مشہور ہے (معجم ۴/۵۵ دست جرد)۔

ہماری زبان

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

ہر مہینے کی پہلی اور سولھویں تاریخ کو شایع ہوتا ہے۔

چندہ سالانہ ایک رُپیہ، فی پرچہ پانچ پیسے

اُردو

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شایع ہوتا ہے

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شایع ہوتی ہیں، اُن پر تبصرہ اس رسالے کی ایک خصوصیت ہے۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات رُپے سکۂ انگریزی (آٹھ رُپے سکۂ عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنے (دو رُپے سکۂ عثمانیہ)

رسالۂ سائنس

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

(ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے شایع ہوتا ہے)

اس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسایل اور خیالات کو اُردو دانوں میں مقبول کیا جائے۔ دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں، یا بحثیں یا ایجادیں ہو رہی ہیں اُن کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور ان تمام مسایل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہلِ وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شایع ہوتے ہیں۔ قیمت سالانہ صرف پانچ رُپے سکۂ انگریزی (چھ رُپے سکۂ عثمانیہ)

خط و کتابت کا پتہ: معتمد مجلس ادارت رسالۂ سائنس جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔ دکن

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) دہلی

عام پسند سلسلہ

اُردو زبان کی اشاعت و ترقی کے لیے بہت دنوں سے یہ ضروری خیال کیا جا رہا تھا کہ سلیس عبارت میں مفید اور دل چسپ کتابیں مختصر حجم اور کم قیمت کی بڑی تعداد میں شایع کی جائیں۔ انجمن ترقی اردو (ہند) نے اسی ضرورت کے تحت عام پسند سلسلہ شروع کیا ہے اور اس سلسلے کی پہلی کتاب **ہماری قومی زبان** ہے جو اُردو کے ایک بڑے محسن اور انجمن ترقی اُردو (ہند) کے صدر جناب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کی چند تقریروں اور تحریروں پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ واقعی عام پسند ثابت ہوگا اور اُردو کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو کر رہے گی۔ قیمت ۸ر

ہمارا رسم الخط

از جناب عبدالقدوس صاحب ہاشمی

رسم الخط پر علمی بحث کی گئی اور تحقیق و دلیل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے لیے اُردو رسم الخط مناسب ترین اور ضروری ہے۔ گیارہ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔